قیام پاکستان کے بعد نعتیہ قصائد: موضوعات واسالیب کا تحقیقی مطالعہ

(تحقیقی مقالہ برائے ایم ایس اردو)

محقق

محمد ذکاءاللہ خان

رجسٹریشن نمبر:199-FLL/MSURDU/F-16

نگران

ڈاکٹر شیراز فضل داد

لیکچرار، شعبہ اردو

کلیہ زبان وادب

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

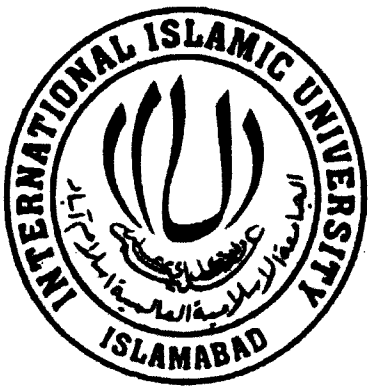

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

۲۰۲۰ء

Accession No TH 23952

MS
891.43912
خ ا ق

اردو ادب ۔ تنقید کلام
" " ۔ تحقیق
" " ۔ شاعری ۔

مقالے کے دفاع اور منظوری کا فارم

درج ذیل مقالہ شعبۂ اُردو، کلیہ زبان وادب، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی میں ایم ایس اُردو کی ڈگری کی جزوی منظوری کے لیے پیش کیا گیا ہے۔ زیرِ دستخطی نے یہ مقالہ پڑھا اور مقالے کے دفاع کو جانچا ہے اور MS اُردو کی ڈگری تفویض کرنے کی منظوری دیتے ہیں۔

مقالے کا عنوان: **قیام پاکستان کے بعد نعتیہ قصائد: موضوعات واسالیب کا تحقیقی مطالعہ**

مقالہ نگار: محمد ذکاءاللہ خان

رجسٹریشن نمبر: **۱۹۹-FLL/MSURDU/F16**

کمیٹی دفاع مقالہ

ڈاکٹر عزیز ابن الحسن
چیئرمین
شعبۂ اُردو

پروفیسر ڈاکٹر ایاز افسر
ڈین
کلیہ زبان وادب

ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد
اسسٹنٹ پروفیسر (اُردو)
آئی آئی یو، اسلام آباد
اندرونی ممتحن

ڈاکٹر فوزیہ اسلم
ایسوسیئیٹ پروفیسر (اُردو)
نمل یونیورسٹی، اسلام آباد
بیرونی ممتحن

ڈاکٹر شاہد افضل داد
اسسٹنٹ پروفیسر (اُردو)
آئی آئی یو، اسلام آباد
نگران مقالہ

تصدیق نامہ

محمد ذکا اللہ خان نے رجسٹریشن 199-FLL/MSURDU/F-16 کے تحت اپنا تحقیقی مقالہ بعنوان ''**قیام پاکستان کے بعد نعتیہ قصائد: موضوعات واسالیب کا تحقیقی مطالعہ**'' میری نگرانی میں مکمل کیا ہے۔

یہ مقالہ تحقیقی و تنقیدی حوالے سے ایم ایس کے معیار کے مطابق ہے۔ میں سفارش کرتی ہوں کہ یہ مقالہ جانچ کے لیے ممتحنین کو بھجوادیا جائے۔

ڈاکٹر شیراز فضل داد

لیکچرار، شعبہ اردو

کلیۂ زبان وادب

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

اقرار نامہ

میں، محمد ذکااللہ خان حلفیہ بیان کرتا ہوں کہ اس مقالے میں پیش کیا گیا کام میرا ذاتی ہے اور بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد کے ایم ایس (اردو) سکالر کی حیثیت سے ڈاکٹر شیراز فضل داد کی نگرانی میں مکمل کیا ہے۔ میں نے یہ کام کسی اور یونیورسٹی یا ادارے میں ڈگری کے حصول کے لیے پیش نہیں کیا اور نہ آئندہ کروں گا اور میرا یہ مقالہ سرقہ سے پاک ہے۔

(محمد ذکاءاللہ خان)

مقالہ نگار

فہرست ابواب

نام ابواب	صفحہ نمبر
پیش لفظ	1
باب اول :	4
نعتیہ قصیدہ: فن، تکنیک اور ارتقا	
باب دوم:	54
نعتیہ قصائد میں سیرت کے اجزا	
باب سوم:	107
نعتیہ قصائد میں دعا و مناجات	
باب چہارم:	136
اردو نعتیہ قصائد کا اسلوب	
محاصل	207
کتابیات	214

پیش لفظ

نعت کی بنیاد حضورؐ سے محبت و عقیدت پر ہے۔ جس طرح نبی رحمتؐ کی محبت ہمارے دین کا لازمی جزو ہے اسی طرح نعت اردو ادب کے ابتدائی ادوار سے اس کا لازمی جزو ہے۔ یہ دعویٰ بھی اپنی جگہ درست معلوم ہوتا ہے کہ کسی اور مذہب میں اپنے پیغمبر، رہنما، اوتار یا دیوتا کی محبت و عقیدت میں اتنے وسیع پیمانے پر شعری کاوشیں نہیں ہوئیں جتنی محبان محمدؐ نے کی ہیں۔ یہ کاوشیں عام ادبی و لسانی دھارے سے الگ تھلگ نہیں بلکہ اس دھارے کے اندر اپنا خاص مقام اور اہمیت رکھتی ہیں۔ کہا جاسکتا ہے کہ نعت کی صورت میں شعرائے کرام نے حضورؐ کی زندگی سے اعلیٰ اخلاقی مثالوں کو اہل ذوق کے سامنے اس طرح رکھا ہے کہ زندگی کے ہر پہلو کے لیے آپ کے اقوال اور اعمال چراغ نور کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں۔ ایک ایسے چراغ کی صورت کہ جسے تند سے تند آندھی نہ گل کر سکتی ہے اور نہ ہی کوئی تیرگی اس کی شعاعوں کو پھیلنے سے روک سکتی ہے۔ یوں محبوب نبیؐ کی شان اس انداز سے پیش کی گئی ہے کہ وہ عالم انسانی کے سامنے ایک پر کشش نمونہ انسانیت بن کے جلوہ فگن ہے۔

میرے لیے جذبۂ عشق نبیؐ علم و ادب کی راہ میں نشان منزل رہا ہے۔ نعت میں چند عنوانات جیسے مدینہ شریف جانے کی خواہش، مسجد نبویؐ اور مزار نبویؐ کی زیارت، حضورؐ کے باطنی جمال کے ساتھ ظاہری جمال کے لیے وارفتگی کا اظہار، اپنے گناہوں اور کمزوریوں کا ادراک، آخرت کے محاسبے کا خوف اور شفاعت کی آرزو میرے پسندیدہ عنوانات رہے ہیں۔ میری خواہش تھی کہ میں ایم فل کا مقالہ ایسے موضوع پر لکھوں جس کا تعلق نعت سے ہو۔ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ قیام پاکستان کے بعد لکھے جانے والے اردو نعتیہ قصائد پر تاحال کسی یونیورسٹی میں ایم فل کی سطح کا کام نہیں ہوا ہے۔ یوں میرے مقالے کا عنوان **"قیام پاکستان کے بعد نعتیہ قصائد (موضوعات و اسالیب کا تحقیقی مطالعہ)"** طے ہوا جو بعد ازاں بورڈ آف سٹڈی سے منظور ہو گیا۔

اس مقالے کو چار ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

پہلے باب میں نعتیہ قصائد فن تکنیک اور ارتقا کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس حوالے سے سب سے پہلے تعارف کے عنوان کے تحت لفظ قصیدہ کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کی تعریف اور معنی متعین کر کے آج کے دور میں اس کی اہمیت و مقام پر بات کی گئی ہے۔ قصیدے کے فن اور تکنیک کے حوالے سے قصیدے کے اجزا کے الگ الگ عنوان باندھے گئے ہیں۔ اس کے بعد قصیدے کی ہیئت اور اشعار کی تعداد پر محققین کی آرا پیش کی گئی ہیں۔ آخر میں قیام پاکستان کے بعد کے نعتیہ قصائد کا مجموعی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں قصائد سے بطور نمونہ کلام بھی پیش کیا گیا ہے۔

دوسرے باب میں آپؐ کی سیرت کے اہم پہلوؤں یعنی ذرائع تعلم، رحمت و رافت، رشد و ہدایت، نیکی و راست بازی، صدق وصفا، محبت واخوت، اتحاد و یکجہتی، فقر و سادگی، عدل و مساوات، عجز و نیاز، امانت و دیانت، زہد و تقوی، سخاوت و قناعت، صبر و رضا، تعلیم و تعلم، علم و حکمت اور حسن عمل کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

تیسرے باب میں قیام پاکستان کے بعد نعتیہ قصائد میں دعا و مناجات کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس حوالے سے دو طرح کے رجحانات کا بالخصوص جائزہ لیا گیا ہے۔ پہلا رجحان یہ ہے کہ شاعر حضور اکرمؐ سے عقیدت و محبت کا اظہار کرتا ہے، مدینہ طیبہ کی تعریف و توصیف کرتا ہے اور وہاں تک رسائی کے لیے وسائل و سہولت کا طلب گار ہوتا ہے۔ دوسرے رجحان کے تحت شاعر انفرادی و اجتماعی مصائب و مسائل میں آقاؐ کے دامن کرم میں پناہ ڈھونڈنے کی خواہش اور سیرت پاکؐ سے استفادے کی اہمیت کے موضوعات کو اپناتا ہے۔

چوتھے باب میں نعتیہ قصائد کے اسلوب پر بات کی گئی ہے۔ اس حوالے سے منتخب قصائد کو بنیاد بنا کر فنی جائزہ لیا گیا ہے۔ علم بیان کے حوالے سے تشبیہ استعارہ، مجاز مرسل اور کنایہ کے تحت فنی جائزہ لیا گیا ہے۔ علم بدیع کے حوالے سے اور اس اساس پر نتائج اخذ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

آخر میں ماحصل پیش کیا گیا ہے۔

انٹرنیشنل اسلامک یونی ورسٹی میں مجھے ایم فل اردو کے دوران نابغہ روزگار اساتذہ سے فیض یاب ہونے کا موقع ملا۔ اس دوران تدریس کا ایک ایک لمحہ یوں محسوس ہوتا رہا ہے کہ جیسے میں کسی انمول خزانے کے حصول میں مصروف ہوں۔ یونی ورسٹی کے اساتذہ کرام، جن میں ڈاکٹر عزیز ابن الحسن، ڈاکٹر کامران عباس کاظمی اور ڈاکٹر ارشد معراج نمایاں ہیں، نے میرے ساتھ بھرپور تعاون کیا اور کسی بھی مرحلے پر میری ہمت کو کم نہ ہونے دیا۔

موضوع کے خاکے کی منظوری کے ساتھ ہی راقم الحروف کو پے در پے مسائل و آلام اور در در کی خاک چھاننی پڑی ۔ بہر حال پریشانیوں کے اس طوفان میں بھی ایک شخصیت ایسی تھی جس نے ہمیشہ مجھے تسلی دی اور جب کبھی میں بکھرنے لگا وہ مہربان شخصیت میرے مقالے کی نگران مجھے پھر سے نئے حوصلوں سے ہم کنار کر دیتی ہے۔ وہ پیکر لطف و محبت محترمہ پروفیسر ڈاکٹر شیراز فضل داد صاحبہ ہی ہیں۔ نعت جیسے موضوع کے ساتھ ان کی قلبی اور طبعی وابستگی میرے لیے بہت مفید ثابت ہوئی۔ اگر اس مقالے میں کوئی خوبی نظر آئے تو وہ محترمہ صاحبہ کی مشفقانہ رہنمائی کا نتیجہ ہے اور اگر کوئی کوتاہی دکھائی دے تو وہ اس خاکسار کی غلطی شمار کی جائے۔

میں تکمیلِ مقالہ پر خدائے بزرگ و برتر کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے مجھے اتنی ہمت و بساط بخشی کہ میں اس قابلِ قدر مرحلے سے گزر پایا۔ یہ میرے اساتذہ اور معزز احباب کی کاوشوں کا نتیجہ ہے کہ میں درجہ بدرجہ علم کی منازل طے کرتے ہوئے ایم فل کی سطح تک پہنچا ہوں۔ اس منزل تک پہنچنے میں سب احباب کی معاونت اور کاوش پر ان کا تہہ دل سے ممنون ہوں۔

محمد ذکاء اللہ خان

رجسٹریشن نمبر: 199-FLL/MSURDU/F-16

مقالہ برائے ایم ایس (اردو)

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

باب اول

نعتیہ قصائد: فن، تکنیک اور ارتقا

تعارف:

قصیدہ اردو شاعری کی ایک اہم صنف ہے۔اس کا آغاز دور جہالت میں عرب میں ہوا۔ عربی شاعری سے یہ فارسی میں پہنچا اور فارسی کے ذریعے اردو میں آیا۔ ۱۸۵۷ء تک ہمارے یہاں قصیدہ کافی مقبول صنف سخن رہا ہے لیکن دربارانہ عہد کے زوال کے ساتھ ساتھ، رفتہ رفتہ اس کا بھی زوال ہوتا گیا۔اس زوال کے ساتھ قصیدہ نعتیہ رنگ میں مقبول ہونے لگا جس میں شاعر کو مادی انعام کی ضرورت نہ تھی بلکہ اس کا صلہ وہ رسول اکرم ﷺ سے شفاعت کی صورت میں طلب گار ہوتا تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ نعتیہ قصائد منظر عام پر آتے رہے ہیں۔ یہ قصائد جہاں قصیدے کے فنی لوازمات کو پورا کرتے ہیں، وہیں پر نعت کی فکری جہتوں کو بھی بھرپور انداز میں پیش کرتے ہیں۔ نعتیہ قصائد کے فن، تکنیک اور ارتقا پر گفتگو سے قبل ضروری ہے کہ قصیدہ کی تعریف متعین کی جائے۔

صرفی لحاظ سے اس کا مادہ ق ص د ہے۔ یہ لفظ عربی الاصل ہے۔ مختلف لغات میں اس کے مختلف معانی ملتے ہیں۔ مثلاً المنجد میں لکھا ہے:

"القصیدہ من الشعر۔وہ اشعار جو سات یا دس سے زیادہ ہوں"(۱)

اگر قصیدے کا مادہ "قصد" کو مانا جائے تو اس لحاظ سے یہ معانی بھی پیش نظر رکھے جا سکتے ہیں۔

"پر مغز گودا، اونٹ کا موٹا ہونا، توجہ کرنا، اعتماد کرنا، کسی کی طرف چلنا، سیدھا ہو کر، کسی کام پر مجبور کرنا، نفس پر قابو رکھنا، کسی معاملہ میں اعتدال و میانہ روی کرنا، استقامت اختیار کرنا، بے خطا نیزہ مارنا، سانپ کا ایسے ڈسنا کہ جانبر نہ ہو سکے، کسی کام کا ارادہ کرنا، خشک گوشت وغیرہ۔"(۲)

درجہ بالا معنوں میں 'ارادہ کرنا' سب سے اہم معنی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسرے بیان کیے گئے تمام معانی اسی ایک معنی کے ذیل میں آتے ہیں اور یہ ایسے امور ہیں جو دلی ارادے کے بغیر ممکن نہیں۔اس کی بنیاد پر یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ قصد کا بنیادی معنی ارادہ ہے۔

ڈاکٹر سعادت سعید اپنے مقالہ برائے پی ایچ ڈی بعنوان "اردو قصیدہ کا تہذیبی و فنی مطالعہ" میں قصیدہ کے لیے ارادی شاعری گردانتے ہوئے پُر مغز ہونے کو بنیادی اہمیت دیتے ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ بھاری بھرکم اور شان و شوکت کے حامل الفاظ و اسالیب، پر مغز خیالات اور فلک رس افکار بھی قصیدہ کے ضروری پہلو ہیں۔اس سلسلے میں آپ لکھتے ہیں:

"عربی، فارسی اور اردو لغات اور نقادوں نے بالاتفاق قصیدے کو ارادی شاعری کے زمرے میں شمار کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے پُر مغز ہونے کو بھی بنیادی اہمیت دی ہے۔ یوں قصیدہ دیگر اصناف سخن کے مقابلے میں منفرد اہمیت کا حامل ٹھہرا ہے۔۔۔ اس صنف میں بھاری بھر کم اور شان و شوکت کے حامل الفاظ و اسالیب، پر مغز خیالات اور فلک رس افکار کا ہونا بھی ضروری ہے۔۔۔ قصیدہ کے اشعار عمدہ، مہذب کیے ہوئے اور پاکیزہ بھی ہونے چاہییں۔"
(۳)

اسی طرح قصیدہ کی اصطلاحی تعریف کے ضمن میں لکھتے ہیں:

" قصیدہ ان اشعار کا نام ہے جو ایک مخصوص ہیئت میں کسی کی مدح یا ہجو، وعظ و نصیحت، پند و موعظت یا تعریف بہادر یا شکایت روزگار وغیرہ میں لکھے جاتے ہیں۔ ان میں لفظی و معنوی صنعتوں کے ساتھ دقیق معانی معرض اظہار میں آتے ہیں۔ قصائد میں شعراء اپنی طبیعتوں کا زور دکھاتے ہیں اور یوں ان کی شاعرانہ قدرت اور فنی مہارت کا اندازہ ہوتا ہے۔"
(۴)

قصیدہ عربی الاصل ہے لیکن اردو میں اس کا رواج فارسی کے توسط سے آیا ہے۔ فارسی نمونوں کی پیروی میں برصغیر میں بھی قصیدہ کو درباری صنف سخن سمجھا جانے لگا اور اسی وجہ سے قصیدہ اور مدح کو لازم و ملزوم سمجھا جانے لگا۔ اگرچہ قصیدہ میں ذم کے مضامین بھی پائے جاتے ہیں لیکن ان کی تعداد بہت کم ہے۔ اس حوالے سے حفیظ صدیقی "کشاف تنقیدی اصطلاحات" یوں رقم طراز ہیں:

"(قصیدہ میں) مدح و ہجو، رزم و بزم، عرفان و اخلاق سبھی کچھ بیان ہوتا رہا ہے لیکن قصیدہ اردو میں براہِ راست عربی نہیں بلکہ فارسی کے توسط سے آیا ہے اور اردو کے قصیدہ گو شعراء نے قصید نگاری میں بالعموم فارسی شعراء ہی کی تقلید کی ہے اور شاعری کے آغاز کے وقت فارسی قصیدہ بڑی حد تک مدح کی تنگنائے میں محصور ہو چکا تھا، فارسی نمونوں کی تقلید کا نتیجہ یہ ہوا کہ قصیدے کو ایک سرکاری درباری صنف سمجھ لیا گیا۔ اس طرح قصیدہ اور مدح لازم و ملزوم ہو گئے اور جب درباروں اور درباری ماحول کا خاتمہ ہوا تو قصیدے کو بھی ایک متروک اور مردود صنف سخن قرار دیا گیا۔" (۵)

یہ ایک حقیقت ہے کہ جب درباری قصیدے زوال پذیر ہوئے تو دربار مصطفیٰؐ کے لیے قصیدوں لکھے جانے لگے۔ یوں قصیدہ دنیاوی بادشاہوں کی خوشامد سے نکل کر دین و دنیا کے شہنشاہ، سید عرب و عجم، پیغمبرِ اعظمؐ کی صفت و ثنا سے منسوب ہو کر مزید موقر ہو گیا ہے۔ جب سے قصیدہ نے نعت کی خدمت کا تمغا اپنے سینے پر سجایا ہے، اس کی آب و تاب

اور قدر و منزلت پہلے سے بھی بڑھ گئی ہے۔ نعتیہ قصائد کی وجہ سے یہ صنف جھوٹ کے باب سے نکل کر سچ کی وادی میں پہنچ گئی۔ دنیا طلبی کی لالچ سے بچا کر دادو ہش سے بے نیاز کر دیا اور اس کے مغز میں دل کی شریانیں صالح خون پہنچانے لگیں۔ نعت نے قصیدے کے ذہن کو دل کا تابع کیا اور شکوہِ علمی کو دلی عقیدت کا پاسباں بنا دیا۔ نعت نے قصیدے کی دم توڑتی صنف کو نئی زندگی سے ہمکنار کر دی۔

قصیدے کا فن اور تکنیک:

قصیدہ ہیئت کے اعتبار سے غزل سے ملتا ہے۔ بحر شروع سے آخر تک ایک ہی ہوتی ہے۔ پہلے شعر کے دونوں مصرعے اور باقی اشعار کے آخری مصرعے ہم قافیہ و ہم ردیف ہوتے ہیں۔ مگر قصیدے میں ردیف لازمی نہیں ہے۔ قصیدے کا آغاز مطلع سے ہوتا ہے۔ بعض اوقات درمیان میں بھی مطلع لائے جاتے ہیں ۔ایک قصیدے میں اشعار کی تعداد کم سے کم پانچ اور زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد مقرر نہیں۔ اُردو اور فارسی میں کئی کئی سو اشعار کے قصیدے بھی ملتے ہیں۔ قصیدہ عام طور پر چار اجزا میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ا۔ تشبیب، ۲۔ گریز، ۳۔ مدح اور ۴۔ دعا۔ اس کے علاوہ حسن طلب کو اکثر اوقات دعا کا حصہ بنا کر جب کہ بعض اوقات الگ جز کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

تشبیب:

اس جز کو نسیب بھی کہا جاتا ہے۔ تشبیب کے لغوی معنی ایام شباب کے احوال کا تذکرہ، محبوب کی صفت اور آگ بھڑکانا کے ہیں۔ اردو لغت بورڈ، کراچی، حکومت پاکستان کی ویب سائٹ پر اس حوالے سے درج ذیل معنی دیے گئے ہیں:

> " ا۔ جوانی یا عشق کے زمانے کا ذکر کرنا، ۲۔ قصیدے کی تمہید میں عشقیہ مضامین کا بیان، ۳۔ (نباتیات) تازہ قوت پانا، (خلیوں کا) نیا ہو جانا، (از سرِ نو) قوت پذیری، تجدید قوت، ۴۔ جوانی یا بلوغت تک پہنچنے کا عمل۔" (۶)

عرب شعراء قصائد کے آغاز میں محبوب کے شباب و حسن کی باتیں کیا کرتے تھے، ان عشقیہ اشعار کا نام تشبیب تھا اور اس کا مقصد سننے والوں کی بھرپور توجہ حاصل کرنا تھا۔ فارسی اور اس کی تقلید میں اردو قصائد میں تشبیب محض محبوب کے ذکرِ حسن و شباب تک محدود نہ رہی بلکہ اس کے موضوعات کا دائرہ بہت بڑھ گیا۔ اس میں شباب اور اس کے متعلقات کا ذکر کیا جانے لگا۔ حسن و عشق کے کوائف رقم کیے جانے لگے اور داخلی اور خارجی محسوسات و واقعات کو بیان کیا جانے لگا۔ شمیم احمد اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

"ہر قسم کے مضامین تشبیب کے طور پر قلم بند کیے جانے لگے مثلاً دنیا کی بے ثباتی، علوم وفنون کی بے قدری، پند ونصائح، کیفیات، زمانے کی شکایت، خوشی وامید کے پیکر وغیرہ۔ " (۷)

مزید براں شمیم احمد تشبیب کے اشعار کے لیے لازمی خوبیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"تشبیب کی بنیادی خوبی یہ ہے کہ اس میں بیان کردہ مضامین، ممدوح کے منصب کے نہ صرف مطابق ہوں بلکہ بعد میں آنے والے مدحیہ اشعار سے معنوی ربط ومناسبت بھی رکھتے ہوں۔" (۸)

یوں تشبیب کے حوالے سے ایک اصول یہ متعین کیا جاسکتا ہے کہ تشبیب قصیدے کا ایک جزو ہے، اس لیے اس کے اشعار کی تعداد مدحیہ اشعار کی تعداد سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مدحیہ اشعار قصیدے کی اصل ہیں۔ اس سے قصیدے کا توازن وتناسب اور حسن برقرار رہے گا۔ تشبیب کو بعض اوقات نسیب بھی کہا جاتا ہے۔ دونوں اصطلاحات کے درمیان فرق کو ڈاکٹر سعادت سعید اس طرح بیان کرتے ہیں:

"تشبیب میں غزلیہ تجربات وکوائف کا اظہار نسیب ہے اور دیگر مناظر وامور کا تذکرہ تشبیب۔ رمز وایماء خلوص اظہار، حقیقی یاد اور عشقیہ کیفیات کے آمیزے سے تیار ہونے والی تمہید نسبیی تمہید ہے اور رسمی عشق، روایتی خیالات اور تخلیقی ناز ونیاز کے معاملات کے حوالے سے لکھی جانے والی تمہید تشبیبی تمہید ہے۔" (۹)

ام ہانی اشرف اپنی تصنیف "اردو قصائد کا سماجیاتی مطالعہ" میں قصیدے کے اس تمہیدی حصے "تشبیب" کے لئے درج ذیل لازمی شرائط کا ذکر کیا ہے:

۱۔ چونکہ تشبیب کا مقصد ممدوح کے ذہن کو مدح یا ہجو سننے کے لئے ہموار کرنا ہے، اس لیے اسے نشاط انگیز ہونا چاہیے۔

۲۔ تشبیب کے لیے ضروری ہے کہ اس کے اشعار مدح یا ہجو سے کم ہوں، ورنہ اصل مقصد فوت ہو جانے کا خطرہ رہے گا۔

۳۔ اس امر کو ملحوظ خاطر رکھا جائے کہ تشبیب کے اشعار ممدوح کے مرتبے اور حیثیت کے مطابق ہوں۔

۴۔ تشبیب میں شامل غزل قصیدے سے ہم آہنگ ہونی چاہیے۔ (۱۰)

نعتیہ قصائد میں قصیدہ اپنے اجزائے ترکیبی کے ساتھ موجود ہے۔یعنی اس کا آغاز تشبیب کے ساتھ ہوتا ہے۔ نعتیہ قصائد میں تشبیب دنیاوی عشق و مستی سے ہٹ کر قاری کو مدحتِ رسولؐ کے لیے تیار کرتی ہے۔ان قصائد کی تشبیب میں دنیا کی ہوسنا کی نہیں ہوتی بلکہ روح کا گداز اور جذبات کا سیاناپن عیاں ہوتا ہے۔یہ سامع کو متنبہ، جذبات کو برانگیختہ اور خیالات کو برآفروختہ کرنے کا باعث بنتی ہے تاکہ پیش آمدہ مضامین کے ادراک میں شعور کے ساتھ جذبات بھی شریک رہیں۔یہ مجاز سے حقیقت تک کا سفر ہے جسے صوفیاء حقیقت شناسائی کے لیے ایک لازمی زینہ خیال کرتے ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ نعتیہ قصائد میں تشبیب آتش شوق تیز کرنے کے لیے بھی استعمال ہوتی ہے تاکہ جب اصل مضمون کے بیان کا وقت آئے تو بیان کرنے والے کا شوق اور سننے والے کا اشتیاق دونوں نقطہ عروج تک پہنچ جائیں۔دوسری طرف اس میں یہ خیال بھی رکھا جاتا ہے کہ جذبات عشق منہ زور ہو کر نورانی فضا کو مکدر نہ کر دیں۔

نعتیہ قصائد کی تشبیب میں اس امر کو ملحوظ خاطر رکھا جاتا ہے کہ مفردات مناسب ہوں، خیالات معطر اور جذبات پاکیزہ ہوں۔اس امر کا خیال رکھا جاتا ہے کہ قاری جنسیت کی طرف مائل نہ ہو بلکہ تشبیہات و استعارات ایسے منتخب کیے جائیں کہ ذہن ذات ممدوح کا اشتیاق محسوس کرنے لگے۔

گریز:

قصیدے کی مثال اعضاء کے ارتباط وار تصال میں انسانی جسم کی سی ہے۔اس لئے جب ایک عضو دوسرے سے، الگ یا صحتِ ترکیب میں اس سے مختلف ہو گا تو جسم میں ایک ایسا عیب پیدا کر دے گا جو اس کے تمام حسن و جمال کو برباد کر دے گا۔ قصیدے کے کل کی جمالیاتی لطافت کو قائم رکھنے کے لئے اور اس کے اجزا کو مربوط و متصل کرنے کے لئے گریز کے اشعار بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔شاعر کا تشبیب کہتے کہتے مدح کی طرف مڑنے کا جواز، گریز کہلاتا ہے۔عربی زبان میں گریز کو توصل، خروج یا تخلص بھی کہتے ہیں(۱۱)۔ اردو لغت بورڈ کی ویب سائٹ پر اس حوالے سے درج ذیل معنی دستیاب ہیں:

> " بھاگنا ، فرار، علیحدگی ، اجتناب ، پرہیز ، دُوری،(شاعری) قصیدے میں تمہید کے بعد اصل مضمون کی طرف متوجہ ہونا ، تشبیب کے بعد مدح کی طرف آنا۔" (۱۲)

قصیدہ نگار کے لیے ضروری ہے کہ وہ تمہیدی اشعار کہتے کہتے مدح یا دوسرے موضوع کی طرف جانے کے لئے کو ئی اچھا سا حیلہ، کوئی دلکش بہانہ اور کوئی منطقی قرینہ اس طرح استعمال میں لائے کہ اس کا ایک موضوع سے دوسرے کی طرف رجحان فطری معلوم ہو۔اس حوالے سے ام ہانی اشرف یوں رقم طراز ہیں:

"عربی تنقید میں اس ہنر کو دو سرکش بیلوں کو ایک جوئے میں تنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جس کا سبب یہ ہے کہ مذکورہ حصہ تشبیب اور مدح کے بے ربط اجزا میں ربط پیدا کرتا ہے۔ گریز کا سب سے بڑا حسن یہ خیال کیا جاتا ہے کہ تشبیب کہتے کہتے شاعر مدح کی طرف اس طرح گھوم جائے جیسے بات سے بات پیدا ہو گئی ہو۔ گریز کی یہی وہ خوبی ہے جس کی گریز عموماً ایک دو (یا چند ایک) اشعار پر مشتمل جزو قصیدہ ہے۔" (۱۳)

گریز کو تمہید یہ قصائد کا انتہائی نازک اور اہم حصّہ تصور کیا جاتا ہے اس کے ذریعے سے دو متضاد و متوازی یا مختلف النوع کیفیات کو ایسے ماہرانہ انداز سے پیوست کرنا ہوتا ہے کہ قاری یا سامع کا ذہن جھٹکا نہ کھائے۔ گریز کے لغوی معانی کے ضمن میں مولوی سید احمد دہلوی نے لکھا ہے:

"بھاگنا، بھاگڑ، فرار، دوری، علیحدگی، وحشت، رمیدگی، رفتگی، اجتناب، پرہیز۔"(۱۴)

درجہ بالا بیان کیے گئے معنوں سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ قصیدے کے اس حصّے کو گریز اسی لئے کہا گیا ہے کہ اس میں شاعر ایک موضوع سے علیحدگی، اجتناب اور پرہیز اختیار کرتا ہے۔ مولوی سید احمد دہلوی اسی ضمن میں یہ بھی تحریر کرتے ہیں:

"قصائد میں اشعارِ حالیہ یا بہاریہ کے بیان کرتے کرتے ایک دفعہ ہی حرفِ فاضل کے لائے بغیر ممدوح کی مدح پر جھک پڑنا یعنی ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی جانب دوڑ جانا گریز ہے"(۱۵)

اس کے علاوہ گریز کے دوسرے معنی بھی بیان کیے گئے ہیں۔ جیسے دو سرکش بیلوں کو مجتمع کرنے والا آلہ، دو وحشیوں کے ملاپ کا وسیلہ اور وہ پل جو دریائے قصیدہ کے دو کناروں کو ملاتا ہے۔ گریز دو متخالف موضوعات کو نزاکت اور ہمواری سے متحد کرنے کا منصب سنبھالے ہوئے ہے۔ گریز کے وسیلے سے دو غیر مربوط چیزیں باہم پیوستہ ہوتی ہیں۔ اس کی خوبی یہ ہے کہ اس کے سبب شاعر پوری مناسبت سے دوسرے مضمون کی جانب رجوع کرتا ہے۔ اس میں تشبیب کے بعد کسی تقریب ممدوح کا تذکرہ چھیڑنے کا اشارہ ہوتا ہے۔ گریز تشبیب اور مدح کے درمیان منطقی ارتباط و تسلسل کی اہم کڑی ہے۔ اس کا منصب بے ربط اجزا کو سلیقے سے مربوط کرنا ہے۔ وہ قصیدہ جو گریز نہیں رکھتا مقتضب کہلاتا ہے۔

قدیم عربی قصائد میں گریز کی جانب زیادہ توجہ نہیں دی گئی تاہم فارسی شعرا نے اس جزو قصیدہ کی نزاکتوں کا ادراک کرتے ہوئے اسے مستقل فن کا درجہ دے دیا۔ مولانا عبدالسلام کا کہنا ہے:

"متاخرین شعرائے عرب نے گریز کو لطیف صنعت بنا دیااور تشبیب کہتے کہتے
مدح کی طرف اس حسن وخوبی سے رجوع کیا کہ بات سے بات پیدا ہوگئی اور مدح اس کا نتیجہ
بن گئی۔"(۱۶)

تکنیکی اعتبار سے عمدہ گریز وہ ہے جس سے معلوم ہو کہ شاعر بڑی بے تکلفی اور سہولت سے مرحلۂ مدح میں داخل ہو گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ گریز شاعر کی قدرت اظہار کے لئے کڑی آزمائش ہے۔ گریز میں موجود لطافت ، نزاکت اور نفاست کی تاثیر ممدوح کے لیے مسرت کا باعث ہوتی ہے۔ گریز کا جامع اور مختصر ہونا اس کے فنی حسن کا تقاضا ہے۔ بعض شاعروں نے ایک شعر سے بھی گریز کیا ہے بعض نے اس میں ایک سے تین اشعار تک سے کام لیا ہے۔

مدح یا ذم:

قصیدہ کا تیسرا اہم جزو مدح ہے۔ یہ جزو ستائش و توصیف پر مبنی ہے۔ اسے قصیدہ کی روح بھی سمجھا جاتا ہے۔ اس میں ممدوح کی تعریف بیان کی جاتی ہے۔ یہی قصیدے کا اہم ترین حصہ اور خاص عنصر ہوتا ہے۔ شاعر یہاں مبالغہ آرائی کے جوہر دکھاتا ہے اور ممدوح کی شان میں زمین و آسمان کے قلابے ملانے کی کوشش کرتا ہے۔ بقول شمیم احمد:

"قصیدے کا یہ وہ حصہ ہے جہاں شاعر کی قوت اظہار اور تخیل آفرینی کے تمام تر جوہر ایک
ایک کر کے کھلتے جاتے ہیں۔۔۔نہ صرف یہ کہ اس حصے میں ممدوح کی ذات ہی موضوع اظہار
ہوتی ہے بلکہ اس کے جملہ متعلقات مثلاً ساز و سامان، سپاہ، ہاتھی، گھوڑے اور تلوار وغیرہ کو بھی
موضوع بنایا جاتا ہے ،اور ان سب چیزوں کی تعریف میں بھی وہی زورِ بیان صرف کیا جاتا
ہے، جو خود ممدوح کی ذاتی صفات کے بیان میں کیا جاتا ہے۔" (۱۷)

مدح میں قصیدہ گو شعراء ممدوح کے مقام اور مرتبے کی نسبت سے اس کی شان و شوکت، جاہ و جلال، مقام و مرتبت، مال وزر، شرافت اور بزرگی، شجاعت و عدل، عفت و قناعت، خدا ترسی و راست بازی، سخاوت و مروت، خلق و مہمان نوازی اور علمیت و قابلیت وغیرہ کو موضوع اظہار بناتا ہے ۔ ممدوح کی ذاتی خصوصیات مثلاً عبادت، حیا، علم، بردباری، خودداری، حمیت، فیض و برکات، مکاشفے اور کرامات وغیرہ کا بیان بھی مدح میں کیا جاتا ہے۔ ممدوح کے متعلقات مثلاً ہاتھی، گھوڑے، تلوار، فوج اور دیگر اشیاء کے ساتھ ساتھ اس کے دوسرے معاملات و تعلقات کی حکایات کو بھی زیر بحث لایا جاتا ہے۔ مذہبی ہیئت کی مدائح میں مقبروں اور مقامات مقدسہ وغیرہ کی تعریف بھی شامل مدح سمجھی جاتی ہے۔ قصیدہ کا موضوع اگر ہجو یہ ہو تو یہ مدح کے بجائے ذم پر مشتمل ہو گا۔ مدح میں اگرچہ حد درجہ غلو سے کام لیا جاتا ہے لیکن

قابلِ تحسین مدح وہی گردانی جاتی ہے جو مناسب اور گنجائش کے مطابق ہو۔اس حوالے سے "احسن القواعد" میں محمد نجف علی خان لکھتے ہیں:

> "اول ضمیر غائب سے بیان کریں بعد اس کے خطاب کر کے چند ابیات ممدوح کی تعریف میں لکھیں۔۔۔۔ممدوح کے مرتبے کا لحاظ رکھیں۔اگر ممدوح سلاطین اور امراء میں سے ہو تو اس کے مناسب الفاظ سنجیدہ لکھے جائیں اور اگر انبیاء، اولیاء، مشائخ اور علماء میں سے ہو تو جو کلمات اور اصطلاحات ان کی شان کے لائق ہوں استعمال کیے جائیں۔ایسا نہ ہو کہ محاورہ میں جو کلمات حمد و نعت و منقبت میں لکھے جاتے ہیں وہ سلاطین اور امراء کی مدح میں لکھے جائیں ایسے ہی ہر عکس اس کے اس باب میں تمیز شرط ہے۔" (۱۸)

مدح میں ممدوح کے کن اوصاف کا تذکرہ ہونا چاہیے، کے ضمن میں عبدالسلام "شعر الہند" میں ابنِ قدامہ کا ذکر کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اس حوالے سے چار ایسے بنیادی رنگ فراہم کیے ہیں جن کی باہمی آمیزش سے مدح کے کینوس پر دیگر کئی رنگ بکھر جاتے ہیں۔ابن قدامہ کے نزدیک عقل، شجاعت، عدل اور عفت انسان کے اساسی اوصاف کے ہیں۔ان کے خیال میں انسان کے بقیہ اوصاف انہی چاروں کا جزو ہیں یا دوسری صورت میں ان کی ترکیبی آمیزش سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔اس کی مثال یوں دی جاسکتی ہے کہ عقل علم و حلم سے متعلق ہے اور اسی طرح حیا سیاست اور قابلیت سے متعلق ہے، بالکل اسی طرح شجاعت کا ربط حمیّت اور مدافعت اور ہیبت وغیرہ سے ہے۔عدل کی ذیل میں نرمی، فیاضی اور مہمان نوازی کو شامل کیا جاسکتا ہے(۱۹)۔

بہر کیف ابن قدامہ کی درجہ بندی کو کسی حد تک اس لحاظ سے قبول کیا جاسکتا ہے کہ یہ قارئین کو بہت سی مشکلوں سے نکالنے کی کوشش کرتی ہے۔یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ عین اسی مقام پر یہ انہیں کئی اور نوع کی الجھنوں سے بھی ہمکنار کرتی ہے۔انسانی فطرت کی رنگارنگی کو چند اقسام میں تبدیل کرنا اور دوسری اقسام کو ذیلی حیثیت دینا یقیناً جدید انسان کے لیے ناقابل قبول عمل ہوگا۔کہا جاسکتا ہے کہ ابن قدامہ کے طے کردہ اساسی انسانی اوصاف زمان و مکان کے نئے منظر ناموں میں شاید اساسی نہیں رہے۔جدید صنعتی اور سائنسی سماج میں نئے قسم کے انسانی اوصاف اہم ٹھہرے ہیں۔ابن قدامہ کا خیال ہے کہ مدح میں صرف اساسی اوصاف ہی سے کام لینا چاہئے اگر تو ان کے خیال میں انسانی شخصیات کے دریا انہی کوزوں میں بند ہیں تو بھی قصیدہ نگار جزو مدح میں یکسانیت سے اپنا دامن نہیں بچا پائیں گے۔البتہ اگر اس امر کو تسلیم کر لیا جائے کہ مدحیہ قصائد میں انفرادی شخصی خوبیوں کی بجائے ایسی مجموعی خوبیوں کا تذکرہ ہونا چاہیے جن سے کوئی نظام معاشرت یا سلطنت فیض یاب ہوتا ہے تو ابن قدامہ کے اساسی اوصاف قبول کیے جاسکتے ہیں۔

عبدالسلام ابن قدامہؒ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ مختلف طبقوں، رتبوں اور حیثیتوں کے حوالے سے بھی انسانی اوصاف تغیر و تبدل کا شکار ہوتے ہیں۔ اسی لیے اس امر پر زور دیا جاتا ہے کہ مدح میں ممدوحین کے طبقے، رتبے اور حیثیت کے مطابق ہی تعریف و توصیف ہو۔ انہوں نے میر منشی، وزیر، سپہ سالار، قاضی اور جج، معمولی، متمدن، پیشہ ور شہری باشندے سب کی مدح کے لئے الگ الگ اوصاف کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ اوصاف مدح میں واضح، شاندار اور باوقار انداز میں ظاہر ہونے چاہیں۔ ابن قدامہ مدح میں اختصار کے قائل نہیں تھے۔ تاہم ان کا یہ کہنا ہے کہ بادشاہوں کی شان میں لکھے جانے والے قصائد میں طوالتِ بیان سے اجتناب کرنا چاہیے۔ اس حوالے سے مولانا عبدالسلامؒ اپنی رائے رقم کرتے ہیں:

> "ان فضائل و محاسن کے ساتھ قصائد میں ممدوح کے بعض خارجی، اضافی اور مادی اوصاف مثلاً حسن و جمال، جاہ و جلال اور حسب و نسب وغیرہ کا بھی ذکر کیا جاتا ہے۔"(۲۰)

بہر صورت مدحیہ قصائد میں کم سے کم ان صفات کا تذکرہ تو ہونا چاہیے جن سے ممدوح کو متصف ہونا چاہیے تھا۔ یہ طریق کار انتہائی موثر ہے کہ یوں ممدوح کی مدح کا منصب بھی ادا ہو جاتا ہے اور شاعر کا پیغام بھی اس تک پہنچ جاتا ہے۔

نعت میں بھی مدح کے حوالے سے کچھ احتیاط اور تقاضوں کو پورا کرنا ضروری ہے۔ یہ درست ہے کہ کوئی شخص حضور ﷺ کی صفت و شان میں جو کچھ بھی کہے وہ یقیناً حضور پر نور ﷺ کے حقیقی مقام و مرتبہ سے کم ہے کیونکہ آپ ﷺ کی توصیف کا حق اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے ادا نہیں ہو سکتا اس لیے ایک شاعر مدح رسولؐ میں ادب کے دائرے میں رہتے ہوئے جو بھی کہہ دے، جب کہ وہ آپ ﷺ کے مقام و مرتبہ کے منافی نہ ہو تو جائز ہے۔ البتہ یہ نہیں ہونا چاہیے کہ وہ نعوذ باللہ حضور اکرم ﷺ کو الٰہ کہہ دے۔ حضور ﷺ یقیناً معبود نہیں بلکہ محبوبِ معبود ہیں۔ بس اس ایک فرق کو ملحوظ رکھ کر جو بھی مدحِ نبیؐ میں کہا جائے وہ جائز ہے۔

حسنِ طلب اور دعا:

دعا قصیدہ کا چوتھا جزو ہے۔ عابد علی عابد نے "اصول انتقادِ ادبیات" میں مقطع اور حسنِ طلب کو بھی اس جزو میں شامل کیا ہے (۲۱)۔ یہ قصیدہ کا اختتامیہ حصہ ہوتا ہے جس میں شاعر مدح کے بعد ممدوح کے حق میں دعا مانگتا ہے۔ اگر شاعر کے ذہن میں کوئی مقصد ہو یا اسے کسی چیز کی طلب ہو تو وہ اس کے حوالے سے بھی اس حصے میں کچھ اشعار شامل کر دیتا ہے۔ قصیدہ میں دعا مشروط اور غیر مشروط دونوں قسم کی پائی جاتی ہے۔ مشروط دعا سے مراد ایسی دعا جس میں کوئی شرط عائد کی جاتی ہے جیسے کہا جائے کہ جب تک زمین و آسمان قائم رہے اے بادشاہ ترا اقبال قائم رہے۔ غیر مشروط دعائیہ اشعار میں

اس قسم کی شرط عائد نہیں کی جاتی۔ چوں کہ قصیدہ کی صنف خواص کے لیے مخصوص ہے اس لیے قریباً ہر مدحیہ قصیدے میں ممدوح کی درازی عمر اور اس کا جاہ و جلال کے قائم رہنے کی دعا پائی جاتی ہے۔

حسنِ طلب اور دعا کو عرضِ مطلب بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس میں شاعر اپنے حالات بیان کر کے ممدوح سے امداد کا متمنی ہوتا ہے۔ مالی منفعت 'اعزاز و اکرام اور صلۂ محنت کی درخواست کرتا ہے آخر میں شاعر ممدوح کو درازی عمر 'افزونی عزّو جاہ اور بلندی اقبال کی دعائیں دے کر قصیدہ ختم کر دیتا ہے۔ حسن طلب میں شاعر کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسا موثر پیرایہ اختیار کرے کہ ممدوح مسحور ہو کر اس کی عرضداشت کو شرفِ قبولیت بخشے۔ اس مرحلے میں کامیاب ہونے کے لئے شاعر لفظی افسوں کاری اور جادو بیانی سے کام لیتا ہے۔ حسنِ طلب کے اشعار کی عمدگی کی یہ دلیل بھی ٹھہری ہے کہ ہر چند ممدوح بخیل ہو لیکن وہ ان اشعار کی تاثیر سے بلند ہمت اور سخی ہونے پر مجبور ہو جائے شاعر کو اپنے ممدوح پر افسوں چلانا پڑتا ہے۔

بعض اہلِ ادب حسنِ طلب اور دعا کو ایک ہی خانے میں شمار کرتے ہیں۔ قصیدے کا یہ آخری حصّہ بھی جاندار ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر سعادت سعید رقم طراز ہیں:

> "دعا کے اشعار کی تعداد زیادہ نہیں ہونی چاہیے۔ دو تین یا زیادہ سے زیادہ پانچ اشعار کی دعائیں دیکھنے میں آتی ہے۔"(۲۲)

قصیدے کے آخری اشعار کو قصیدے کی جان کہا گیا ہے۔ جس طرح قصیدہ کے پہلے شعر کی خوبی اس امر میں مضمر ہے کہ وہ ممدوح پر تنویمی حالت طاری کر دے اسی طرح مقطع کا آخری حصہ یا شعر بھی ایسی ہی تاثیرّ سے مزین ہو کہ ممدوح کے حافظے کا حصہ بن جائے۔ قصیدے کے ابتدائی عہد میں دعائیں سادگی اور براہِ راست انداز کا غلبہ تھا تاہم جب اس صنف میں ضاعی اور فنی باریکیوں پر زور دیا جانے لگا تو دعائیں بھی پر تکلف اور نزاکت آفریں ہو گئیں۔ بعض قصیدہ نگاروں نے دعا پر قصیدے کے خاتمے سے گریز کیا ہے شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ دعا کو ضعیف لوگوں سے مختص جانتے تھے۔

قصیدے کی اقسام:

قصیدے کو اپنے موضوع کے اعتبار سے کئی ایک اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں شمیم احمد کا قول بھی قابل ذکر ہے انہوں نے ان اقسام کو قصیدے کی انواع ماننے کے بجائے انہیں تشبیب کے مضامین کی اقسام قرار دیا ہے۔ آپ کہتے ہیں:

> "یہ تمام موضوعات دراصل از خود قصیدے کے نہیں، اس نوع کے قصیدے کا ایک ہی موضوع ہے اور وہ ہے مدح۔ یہ سارے موضوعات دراصل قصیدے کے ایک ابتدائی جزو

تشبیب کے ہیں۔ لہٰذا یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ ایک جزو کی کثیر الموضوع حیثیت کے سبب قصیدے کی پوری صنف کو کیوں کر موضوعات کے لحاظ سے تقسیم کیا جا سکتا ہے؟ زیادہ سے زیادہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مدحیہ قصیدے کی تشبیب نوع بہ نوع موضوعات پر مبنی ہوتی ہے۔"(۲۳)

ڈاکٹر صابر کلوروی نے قصیدے کی درج ذیل اقسام کا ذکر کرتے ہیں:

تمہیدیہ:

اس قسم میں قصیدے کے تمام اجزائے ترکیبی موجود ہوتے ہیں اور اس میں ممدوح کے اوصاف کا بیان ہوتا ہے۔

خطابیہ:

اس قسم کے قصیدے میں تشبیب اور گریز کے بغیر ممدوح کی براہِ راست تعریف کی جاتی ہے۔

مدحیہ:

ایسا قصیدہ جس میں صرف مدح بیان کی گئی ہو۔

ہجویہ:

ایسا قصیدہ جس میں صرف برائی بیان کی گئی ہو۔

وعظیہ:

پند و نصائح پر مبنی قصیدہ وعظیہ قصیدہ کہلاتا ہے۔

بیانیہ:

یہ ایسا قصیدہ ہوتا ہے جو رنگا رنگ موضوعات پر مبنی ہو۔

عشقیہ:

اس قصیدے کی تشبیب عشق و عاشقی کے مضامین پر مشتمل ہوتی ہے۔

حالیہ:

وہ قصیدہ جس کی تشبیب میں شاعر نے ذاتی حالات یا زمانے کی شکایت بیان کی ہو، حالیہ قصیدہ کہلاتا ہے۔

فخریہ:

ایسا قصیدہ جس کی تشبیب میں شاعر نے اپنی سخن وری اور فنی مہارت کا اظہار کیا ہو، فخریہ قصیدہ کہلاتا ہے۔(۲۴)

درجہ بالا اقسام کے علاوہ شمیم احمد نے ایک اور قسم بہاریہ کا ذکر کیا ہے۔ یہ ایسا قصیدہ ہے جس کی تشبیب کا موضوع بہار کے مضامین ہوں (۲۵)۔

اس حوالے سے ڈاکٹر سعادت سعید کے اپنے مقالے "اردو قصیدہ کا تہذیبی و فنی مطالعہ" چند اقسام کا ذکر کیا ہے جو قابل غور ہیں۔ ان کے نزدیک قصیدہ کی اقسام درج ذیل ہیں:

- حمدیہ
- نعتیہ
- منقبتی
- مدحیہ (بادشاہوں' وزیروں وغیرہ کے لئے)
- منظریہ
- وصفیہ
- رثائیہ
- ہجویہ
- شہر آشوبیہ۔

قصیدے کے اشعار کی تعداد:

قصیدے کے اشعار کی تعداد کے بارے میں مختلف محققین نے مختلف آراء پیش کی ہیں۔ تنویر حسین کی نظر میں قصیدہ کے اشعار کی کم از کم تعداد پانچ ہے:

" قصیدے کے لئے کم از کم پانچ اشعار ہونا ضروری ہیں لیکن زیادہ کی کوئی حد نہیں۔"(۲۶)

حفیظ صدیقی کے نزدیک قصیدے میں اشعار کی کم از کم تعداد پندرہ ہے اور زیادہ سے زیادہ تعداد ایک سو ستر اشعار ہے۔آپ لکھتے ہیں:

"قصیدے میں اشعار کی تعداد کم از کم پندرہ ہونی چاہیے۔ یہ حد بعض حضرات نے سترہ اور بعض نے پچیس مقرر کی ہے۔ قصیدے کے اشعار کی زیادہ سے زیادہ تعداد پوری قطعیت کے ساتھ معین تو نہیں تاہم بعض حضرات نے اسے ایک سو ستر تک محدود کیا ہے۔"
(۲۷)

ڈاکٹر گیان چند نے قصیدے کے اشعار کی تعداد کے حوالے سے رقم طراز ہیں کہ "کم سے کم تعداد سات سے لے کر پچیس تک بتائی گئی ہے۔"(۲۸)

درجہ بالا آراء سے ایک نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے قصیدے میں اشعار کی تعداد کے حوالے سے کوئی سائنسی اصول وضع نہیں ہے۔ اگر ارکان کا حساب بھی دیکھا جائے تو قصیدہ کے لیے کم از کم پانچ اشعار ضروری ہوں گے۔ قصیدے کے زیادہ سے زیادہ اشعار پر واقعی نہ کوئی پابندی ہے اور نہ ہی لگائی جا سکتی ہے۔ کم سے کم اشعار کے متعلق اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ ان کی تعداد اتنی ہونی چاہیے کہ قصیدے کا ڈھانچہ محسوس ہو۔ اس لیے اگر کوئی پانچ سات اشعار میں تشبیب، گریز، مدح، حسن طلب اور دعا کے اجزا لا سکتا ہے اور اس کا موضوع قصیدہ ہی ہو تو اسے قصیدہ ماننے میں کوئی مضائقہ نہیں ہونا چاہیے۔

قصیدے کی ہیئت:

قصیدے کی ہیئت کا جائزہ لیا جائے تو اس کی ظاہری ساخت غزل جیسی ہے۔ یعنی پہلے شعر سے آخر تک اس کی بحر ایک ہی رہتی ہے۔ قصیدہ کا پہلا شعر مطلع کہلاتا ہے یعنی اس کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ اس کے بعد باقی کے تمام اشعار کا دوسرا مصرع مطلع کے ساتھ ہم قافیہ و ہم ردیف ہوتا ہے۔ بعض شعراء کے ہاں درمیان میں مطلع لانے کی روایت بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ مطلع کی تعداد دو، تین یا زیادہ بھی ہو سکتی ہے لیکن یہ مطلع یکے بعد دیگرے نہیں لائے جاتے۔ ایک مطلع کے بعد دوسرے تک اشعار دیگر لائے جاتے ہیں۔ ہیئت کے اعتبار سے قصیدے کی دو اقسام ہیں۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی یوں رقم طراز ہیں:

"ایک تمہیدیہ: جس میں قصیدے کے چاروں اجزا (تشبیب، مدح، گریز، دعا) موجود ہوتے ہیں۔

دوسرا مدحیہ: جو تشبیب اور گریز کے بغیر براہِ راست مدح سے شروع ہوتا ہے۔"
(۲۹)

قصیدے کا آخری شعر مقطع کہلاتا ہے اس شرط کے ساتھ جب شاعر نے اس میں اپنا تخلص استعمال کیا ہو۔ قصیدے کا پہلا اور آخری شعر بطور خاص بہت جاندار ہونا چاہیے۔ ڈاکٹر سعادت سعید اس طرف یوں اشارہ کرتے ہیں:

> "مطلع کے لئے ضروری ہے کہ وہ اتنی مقناطیسی کشش رکھتا ہو کہ ممدوح، قاری یا سامع اپنی دیگر تمام ذہنی مصروفیات کو بالائے طاق رکھ کر قصیدہ کے اشعار کی جانب متوجہ ہو جائے۔"(۳۰)

اسی طرح مقطع یا آخری شعر کے متعلق ڈاکٹر صاحب کی رائے یہ ہے:

> "(قصیدے کا خاتمہ) اس قدر محکم ہو کہ اس پر اضافہ ممکن نہ ہو اور یہ بھی کہ اس کے بعد اس سے بہتر شعر کی گنجائش نہ رہے۔"(۳۱)

قصیدے کی ہیئت کے تعین کے بارے میں بھی محققین مختلف رائے رکھتے ہیں۔ شمیم احمد اس سلسلے میں رائے دیتے ہیں:

> "قصیدے کی صنفی حیثیت کے معاملے میں ایک مخصوص ہیئت پر اصرار غیر ضروری اور نامناسب ہے قصیدہ اپنے موضوعاتی تناظر کے لحاظ سے یوں ہی ایک محدود اور سکڑی ہوئی صنف ہے۔ اس کے لئے کسی مخصوص ہیئت پر بیجا اصرار زیادتی کی بات ہے۔" (۳۲)

ڈاکٹر سعادت سعید کا نظریہ اس حوالے سے مختلف ہے۔ آپ دوٹوک انداز میں کہتے ہیں:

> "قصیدہ میں ہیئت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ مسدس، مخمس، قطعہ، ترکیب بند، ترجیع بند، مثنوی یا کسی اور غیر غزلیہ ہیئت میں لکھی گئی نظموں کو مدحیہ نظمیں تو کہا جائے گا صنف قصیدہ کی حدود میں انہیں شامل نہیں کیا جا سکتا۔ قصیدہ کے پہلے شعر کے دونوں مصرعوں کا اور بقیہ اشعار کے دوسرے مصرعوں کا ہم قافیہ و ہم ردیف ہونا ضروری ہے۔" (۳۳)

اگر دونوں اقتباسات کا بغور جائزہ لینے سے یہ بات طے ہو جاتی ہے کہ شمیم احمد کے نقطۂ نظر کی تائید نہیں کی جا سکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہیئت کو قصیدے میں بنیادی اہمیت حاصل ہے، ہیئت کی شرط ختم ہو جانے سے قصیدے کی بنیاد ہی ختم ہو جائے گی۔ اس حوالے سے سعادت سعید کا موقف درست ہے کہ قصیدے کی مخصوص ہیئت ہی اس کی شناخت ہے۔ شمیم احمد دیگر ہیئتوں پر مشتمل کلامِ مدح کو مدحیہ یا مدحیہ نظم کا نام دے سکتے ہیں لیکن قصیدے کی ہیئت نہیں بدلی جا سکتی۔

قیام پاکستان ۱۹۴۷ء کے بعد نعتیہ قصائد کا مجموعی جائزہ:

قیام پاکستان کے بعد نعت سب سے زیادہ غزلیہ ہیئت میں لکھی گئی۔ نعتیہ قصائد بھی قابل ذکر تعداد میں لکھے گئے ہیں۔ یہ نعتیہ قصائد جہاں کتابی صورت میں ظہور پذیر ہوئے ہیں وہیں پر ادبی رسالوں میں بھی ملتے ہیں۔ ذیل میں اہم نعتیہ قصیدہ نگاروں کا اجمالی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

خالد (عبدالعزیز خالد):

عبدالعزیز خالد ۱۹۲۷ء کو پیدا ہوئے۔ آپ ایک قادر الکلام شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے خاص رنگ کے موجد بھی ہیں۔ آپ کے نعتیہ قصائد کے شعری رنگ کی خاصیت فارسی ہندی خصوصاً عربی کے مشکل، بھاری بھر کم اور غیر مانوس الفاظ کا بے تکلف استعمال ہے۔ ان کے نعتیہ قصائد میں غیر مانوس اور بھاری بھر کم الفاظ کا ہی استعمال نہیں کیا جاتا بلکہ غیر معروف تراکیب اور مصرعے تک ان کے ہاں کثرت سے استعمال ہوتے ہیں۔

عبدالعزیز خالد کے نعتیہ قصائد صرف ناہموار، ادق اور کھردرے نہیں ہیں۔ ان کے ہاں سادہ، شیریں، مترنم اور رواں دواں کلام کے نمونے بھی پائے جاتے ہیں۔ ان کا نعتیہ قصیدہ "مُنحَمنا" ۱۲۰ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ یہ طویل قصیدہ اردو ادب میں ایک نئی شے ہے۔ ذیل میں اس نعتیہ قصیدے سے نمونے کے اشعار پیش کیے جاتے ہیں۔ ان میں پہلا اقتباس غیر مانوس اور بھاری بھر کم الفاظ کے حامل اشعار پر مشتمل ہے تو دوسرا اقتباس سادہ، شیریں اور مترنم الفاظ پر مشتمل ہے۔

ہے غلغلہ فلنعما لمجی جاء کا

ہیں فرشِ راہ دل و دیدہ تن بدن جاجم

براجمان ہوئے آکاش پر مکٹ دھاری

سلج سہاس سے چھلکائے پریم رس پیتم

یہ سرب بھومی کا راجہ مہابلی سمراٹ

اپار اتھاہ اکحت ایک انیک وسواتم

یہی للّٰن یہی یوگیشور یہی کاہن

سدا تماہ اپراجت انویم وڈر دم (۳۴)

سادہ شیریں اور پر نم الفاظ کے استعمال کے لحاظ سے درج ذیل اشعار دیکھے جا سکتے ہیں:

مطاعِ آدم و انجم، متوعِ لوح و قلم

محمدؐ امی ؐمحبوبِ کبریا صلعم

محمدؐ انجمنِ کن فکاں کا صدر نشیں

محمدؐ افسرِ آفاق و سرور عالم

جمیل و اجمل و کامل، مکمل و اکمل

ستم زدہ بشریت کا محسنِ اعظم

طبیعتِ متوازن سے باغ دل کی ہوا

بہار ہو کہ خزاں معتدل بہر موسم (۳۵)

عبدالعزیز خالد کا دوسرا نعتیہ قصیدہ "فارقلیط" ہے۔ یہ کتاب کی صورت میں ہے جو نعتیہ قصیدے پر مشتمل ہے۔ اس نعتیہ قصیدے کا انداز بیان "مُنحَمنا" کی نسبت زیادہ صاف، جامع اور ہموار ہے۔ یہ کتاب ۳۳۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ قصیدہ سات عنوانات پر مشتمل ہے۔ عبدالعزیز خالد نے انہیں سات کتابیں قرار دیا ہے۔ "فارقلیط" کا پہلا حصہ یا پہلی کتاب کا آغاز اظہار عجز سے ہوتا ہے۔ آپ کہتے ہیں:

میں فرش زمیں ہوں، تو سقف سما ہے

میں سانسوں کا مہماں تو موج ہوا ہے

شہنشاہ لولاک و مولائے سدرہ

تو میرے تخیل سے بھی ماورا ہے

دمِ گفتگو منہ سے کرنوں کی بارش

دہن مہر تاباں کو شرما رہا ہے(۳۶)

اس قصیدے میں عبدالعزیز خالد نے حضور نبی اکرم ﷺ کا سراپا مبارک پیش کرنے کے ساتھ ساتھ تاریخ اسلام سے رزم و بزم کے متعدد واقعات بھی مجمل انداز میں بیان کئے ہیں۔ اس قصیدے کی خاصیت یہ ہے کہ عبدالعزیز خالد نے روایتی قصیدے کے اجزا کی رسمی پاسداری نہیں کی۔ شاید یہی وجہ ہے کہ گوہر ملسیانی نے اسے آزاد قصیدہ نگاری قرار دیا ہے(۳۷)۔

اس سلسلے میں افضال احمد انور اپنے تحقیقی مقالہ بعنوان "اردو نعت کا ہیئتی مطالعہ" میں لکھتے ہیں:

"ان اشعار کی ہیئت بظاہر غزل کی ہے لیکن غزل کی ریزہ خیالی چونکہ اس میں نہیں لہٰذا اس ہیئت کیلئے قصیدہ ہی موزوں نام بنتا ہے۔"(۳۸)

عبدالعزیز خالد کے فن کا اعتراف اردو کے بڑے ناقدین نے کیا ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ ان کی نعت نگاری کے خاص انداز کی تعریف میں یوں رقم طراز ہیں:

"خالد نے نعت نگاری کا ایک اندازِ خاص ایجاد کیا ہے اور جسطرح وہ ایک خاص الخاص اسلوب کا موجد ہے اسی طرح وہ نعت نگاری میں بھی مخترع و مجتہد ثابت ہوا ہے۔ خالد کی نعت پھیل کر تاریخ اسلام تذکرہ مدّو جزر بن گئی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ نعت کا نیا تصور ہے۔ خالد کا شوقِ نعت بے تاب و بے حساب ہے۔ جس کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ اس میں نعت گوئی کی ہر طرز کا پیوند لگا ہوا ہے۔" (۳۹)

اسی طرح ڈاکٹر فرمان فتح پوری فکر اسلامی کو مشعل راہ بنانا اور مروجہ اسالیب سے بچ کر چلنے کی روش کو ان کی خاصیتیں قرار دیتے ہیں۔ آپ رقم طراز ہیں:

"ان کے یہاں فکرِ اسلامی ہر جگہ مشعلِ راہ بنائے رکھنے کی کوشش اور فنی اظہار و ابلاغ میں مروجہ اسالیب سے بچ کر چلنے کی روش دو ایسی چیزیں ہیں جو فی الواقع ان کے کلام کے مطالعہ کے وقت قاری کو غالب اور اقبال کی یاد دلاتی ہیں۔"(۴۰)

عبدالعزیز خالد کے درجہ بالا قصائد کے علاوہ ایک قصیدہ بعنوان "نعت و نامِ رسولِ تہامی" ہے جو ۵۵ اشعار پر مشتمل ہے۔اس قصیدے میں شاعر "طیبہ میں نظارگیِ روضۂ اطہر" سے کلام کا آغاز کرتا ہے اس دوران وہ بیت اللہ کو بھی یاد کرتا ہے۔اس کی نظر میں یہ دونوں مقامالات حرمت میں برابر ہیں۔ حدیث مبارکہ جس میں فرمایا گیا ہے کہ میری تربت کو بتِ معبود نہ بنانا، وہ مقام ہے جہاں شاعر گریز کے ذریعے تشبیب سے مدح کی طرف آتا ہے۔ نمونے کے اشعار درج ذیل ہیں:

اے تاجورِ طیبہ واے سرورِ عالم

تاج سرِ عالم ہے ترا گنبد اخضر

اے فخر نبی آدم و اے خیر خلائق

انسان کا چمکا ترے آنے سے مقدر (۴۱)

اس نعتیہ قصیدے کی مدح شاعر کی کثرتِ مطالعہ، علمی وجاہت، حبِّ رسولؐ، قادر الکلامی اور فنی مہارت کا احساس دلاتی ہے۔اس قصیدے میں شاعر کی حزم واحتیاط قابل داد ہے۔ان کی بصیرت کا ثبوت افکار ہی نہیں الفاظ کے چناو میں بھی واضح نظر آتا ہے۔ایک خاص جوش اور سرمستی کی کیفیت اس قصیدے کے شروع سے آخر تک محسوس کی جاسکتی ہے۔چند نمونے کے اشعار ملاحظہ ہوں:

تو قاصد و مقصود ہے تو صادق و مصدوق

تو صاحب لولاک ہے تو شافعِ محشر

جو پی چکے ہاتھوں سے ترے جام ولا کا

رکھ دیتے ہیں خود بڑھ کے سرِ نوکِ سناں سر

جبریلؑ کا پر ملک ہو میری تو لکھوں میں

ہوتی ہے کہاں ایسے رقم نعتِ پیمبر (۴۲)

اثر لودھیانوی:

آپ کا نعتیہ قصیدہ آپ کی نعتیہ کتاب "عکسِ جمال" میں ملتا ہے۔آپ قصیدے کے آغاز سے ہی بارگاہِ نبوت میں مدح سرائی کرنے لگتے ہیں۔

خوشا اے راکب رخشِ زمانی

خوشا سیاحِ ملکِ لامکانی

کہیں پائی رفعنا کی بشارت

کہیں ما زاغ کی ہے شادمانی

سمجھ پائی نہ تیرے مرتبے کو

ہے شرمندہ خرد کی نکتہ دانی(۴۳)

یہ قصیدہ آخر تک براہِ راست مضامین تخاطب سے متعلق ہے۔اس قصیدے میں شاعر نے صرف فارسی اور عربی الفاظ ہی استعمال نہیں کیے بلکہ پورے کے پورے شعر بھی شامل کیے ہیں۔اسی طرح قصیدہ اپنے اختتام پر دعائیہ رنگ اختیار کر لیتا ہے۔یہ دعا ذاتی اور ملی دونوں مقاصد کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

ہے پر آشوب مایوسی کا دریا

نہ لے ڈوبے یہ میری ناتوانی

عطا فرمایئے اذنِ حضوری

چراغ صبحدم سے زندگانی(۴۴)

محمد اعظم چشتی:

اعظم چشتی پاکستان کے معروف نعت خواں تھے۔آپ نعت لکھتے ہوئے غزل کے تمام امکانات کا استعمال کرنے کے قائل تھے۔آپ کے رائیہ نعتیہ قصیدے کے بارے میں احمد ندیم قاسمی لکھتے ہیں:

"یہ قصیدہ شاعر کی قادر الکلامی کا ناقابل تردید ثبوت ہے۔اگر مجموعہ نعت" معراج "صرف اسی ایک قصیدے پر مشتمل ہوتا تو جب بھی وہ مدتوں پڑھے جانے کا مستحق تھا۔"(۴۵)

اس قصیدے میں شاعر نے اپنے عجز کلام کا اعتراف کیا ہے اور کمال محبت و عقیدت سے حضور پر نورؐ کی مدح سرائی کی ہے۔ فنّی طور پر قصیدے کے جملہ اجزا پورے ہیں۔ تشبیب میں شاعر مدح گوئی کا تصور کرتے ہی جیسے کانپ جاتا ہے اور سوچتا ہے کہ وہ تو گنہگار ہے اس کے اہل نہیں۔

میں سراپا خطا و فسق و فجور

معصیت کوشیوں کے نشے میں چور

میں اک حسرتِ بریدہ پا

میں کہ اک التجائے نامنظور

نہ کسی باغ کا گلِ خوش رنگ

نہ کسی انجمن کی آنکھ کا نور(۴۶)

کچھ دیر اظہار عجز کے بعد وہ فیصلہ کرتا ہے اور یہی گریز کا مقام ہے۔اس مقام پر آپ لکھتے ہیں:

میں اور اوصاف خواجہء گیہاں

میں اور اندازۂ کمالِ حضورؐ(۴۷)

اس شعر کے بعد مدح شروع ہوتی ہے۔ والہانہ پن اور کیف و سرور میں شاعر کا قلم چلتا رہتا ہے اور وہ بحرِ مدحت سے قیمتی موتی نکال نکال کر زیب قرطاس کرتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس نتیجہ پر پہنچتا ہے۔

لب اوراک دم بخود خاموش

محوِ حیرت شعور و تحت شعور(۴۸)

قصیدہ کے آخر میں حسنِ طلب اور دعا کو یکجان کرتے ہوئے خوبصورت طریقے سے خوبصورت خواہش کی ہے:

آپؐ کا ساتھ چاہتا ہوں میں

دائمی قرب چاہتا ہوں حضورؐ

عرصۂ حشر ہو کہ باغِ ارم

آپؐ کی مدح پر رہوں مامور(۴۹)

اس نعتیہ قصیدے سے یہ بات بخوبی اخذ کی جاسکتی ہے کہ یہ ایک بھرپور، تاثر خیز اور جامع قصیدہ ہے۔ نعت نے قصیدے کی صنف کو مرنے سے بچایا ہے۔ ان میں اعظم چشتی کا یہ نعتیہ قصیدہ یادگار رہے گا۔

حافظ لدھیانوی:

آپ کا اصل نام سراج الحق تھا۔ ان کا ایک نعتیہ قصیدہ ان کے چوتھے نعتیہ مجموعے "کیفِ مسلسل" میں موجود ہے۔ اس کا عنوان "قصیدہ مدحت والتجا" ہے۔ قصیدہ کے آغاز میں نعت گوئی کی راہنما قوت لطف بادی اعظم کو قرار دیتے ہوئے شہر نبی مدینہ منورہ کی توصیف کی ہے۔ پھر حضور پر نور ﷺ کی صفت و ثناء ہے۔ آخر میں امت مسلمہ کے اجتماعی غم بیان کرتے ہوئے بارگاہ نبوت میں استغاثہ پیش کیا ہے۔

حضورؐ کس کو سنائیں حکایتِ غمِ دل

جہاں میں کوئی نہیں اپنا مونس و ہمدم

سکوں کی دولتِ جاوید چھن گئی ہم سے

دل و نگاہ کی ہر کیف ہوئی مبہم

وہ ارضِ پاک ہے صیہونیت کے قبضے میں

غبارِ راہ میں ہے شور نالہ وماتم

گزر گئی ہے قیامت تیرے غلاموں پر

عدو نے ڈھائے ہیں افغانیوں پہ ایسے ستم (۵۰)

اس قصیدے کا انداز بہت دلکش اور شاعر کا بیان دل پر اثر کرنے والا ہے موجودہ عالمی حالات کے تناظر میں کہا جا سکتا ہے کہ حافظ لدھیانوی نے اس قصیدے میں روحِ عصر بھر دی ہے۔ حافظ لدھیانوی کا ایک اور نعتیہ قصیدہ ان کے مجموعے "مطلع فاراں" میں بھی موجود ہے۔ اس کے مضامین بھی کم و بیش وہی ہیں جو محولہ بالا پہلے قصیدے کے ہیں۔ اس قصیدے کے آخر میں شاعر کبھی خدا سے اور کبھی حضور اکرم ﷺ سے تخاطب کرتا ہے۔ شاعر کا دل جس طرح مسلمانوں کے غم میں تڑپتا ہے اس کا گداز قاری بھی محسوس کرتا ہے۔

جو غلاموں پہ تیرے بیت گئی

اس کو آقا بیاں کریں کیوں کر

تجھ سے عفو و کرم کے طالب ہیں

ہم گنہگار، خالقِ اکبر (۵۱)

حافظ لدھیانوی کے نعتیہ مجموعہ " فردوسِ خیال "کی ابتدائی طویل نعتوں کو بآسانی مدحیہ قصائد قرار دیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ ان میں قصیدہ کے (مدح کے علاوہ دیگر) اجزا نہیں ملتے تاہم قصیدہ چونکہ صرف مدح پر بھی مشتمل ہو سکتا ہے لہٰذا یہ نعتیں قصائد ہیں۔ ان کا علمی شکوہ، ربط و تسلسل مضامین اور لفظیات بھی انہیں قصیدہ ثابت کرتی ہیں۔ حافظ لدھیانوی کے نعتیہ مجموعے " آہنگ ثناء" میں بھی ایک قصیدہ ۹۳ اشعار پر مشتمل ہے۔ یہ براہ راست مدح سے شروع ہوتا ہے تشبیب وغیرہ اس میں نہیں۔ یہ ہر لحاظ سے مدحیہ قصیدہ ہے۔ اگرچہ حافظ لدھیانوی کے نعتیہ قصائد اپنی جگہ خوب ہیں لیکن مجموعی طور پر ان کی نعتیہ غزلوں کی اہمیت زیادہ ہے اور وہی حافظ لدھیانوی کی پہچان کا اصل حوالہ ہیں۔

نعیم تقوی:

اس دور کے نعتیہ قصیدہ نگاروں میں اپنی شناخت رکھتے ہیں۔ڈاکٹر ابوالخیر کشفی نے لکھا ہے:

"قصیدہ نگاری کا چلن ختم ہو چلا تھا، نعیم تقوی صاحب نے ذکرِ رسولؐ کے لیے ایک بار پھر اس صنف کو چن کر اس کے امکانات کی طرف جدید ادبی دنیا کو متوجہ کرایا ہے۔۔۔ تقوی صاحب کے نعتیہ قصائد متوسط ہیں۔۔۔یہ متوسط قصائد طویل قصائد کا دیباچہ ثابت ہوں گے۔" (۵۲)

پہلا قصیدہ "ظہورِ مقدس" ہے۔اسکی تشبیب بہاریہ ہے۔بہار کے رنگ و بو کا باعث بتاتے ہوئے شاعر گریز کا مرحلہ طے کر جاتا ہے۔اس قصیدہ مدح و ثناء کا حصہ براہِ راست تو کم ہے لیکن اس کے پسِ منظر میں اس حقیقت کو بیان کرتا ہے کہ اس حالت کا سبب محبتِ رسول ﷺ کی کمی ہے۔اس قصیدے پر قصیدے سے زیادہ شہرِ آشوب کا دھوکہ ہوتا ہے۔ البتہ دوسرے قصیدہ "مدح شہ ذیشانؐ" میں مدح کا حصہ وافر ہے۔پہلے قصیدے میں مشکل اور دور تک اور دیر تک ساتھ نہ دے سکنے والی ردیف نے مدح کے لیے شاعر کا رہوارِ قلم روکے رکھا لیکن اس قصیدہ میں ایسی کوئی مجبوری نہیں تھی لہٰذا شاعر نے کھل کر مافی الضمیر کا اظہار کیا۔

آخری دو قصائد "سبحان الذی اسریٰ" اور "قاب قوسین" معراج کے واقعے سے متعلق ہیں، ان میں مدح کا حصہ بھی وافر ہے۔ مجموعی طور پر نعیم کے قصائد ان کے دلی جذبات اور وفورِ شوق کے ترجمان اور نعتیہ ادب میں قابلِ ذکر بھی ہیں۔

رشید وارثی:

ان کا خطابیہ قصیدہ "توصیفِ نبی اکرمؐ" نعتیہ ادب میں قابلِ ذکر ہے۔اس میں سیدِ عالم ﷺ سے تخاطب ہے۔ لہجہ مودبانہ، انداز دلکش اور مضامین قابلِ تحسین ہیں۔اٹھائیس اشعار کے اس قصیدے کے چند اشعار بطور نمونہ درج کیے جاتے ہیں تاکہ رشید وارثی کے اس فن پارے کی اہمیت اجاگر ہو سکے۔

اے صاحبِ لولاک! ترا نامِ مبارک
اقصائے دو عالم میں یونہی گونج رہا ہے

تو بحرِ سخا، موجِ کرم کانِ عطا ہے

تپتے ہوئے صحراؤں پہ رحمت کی گھٹا ہے

طوافِ حرم کے ہیں تیرے جن و ملائک

ہر لب پہ دم طوف درودوں کی صدا ہے

قرآن ترے مصحفِ سیرت کا ہے عنواں

ہر قول تیرا نطقِ خدا عقدہ کشا ہے

منصب ہے تیرا ختمِ رسل، رحمتِ عالم

رتبے میں سوا تجھ سے فقط ذاتِ خدا ہے (۵۳)

رئیس نعمانی:

" چراغِ نوا "ان کا نعتیہ مجموعہ ہے۔اس میں اکثر نعتیں غزلیہ ہیئت میں ہیں۔ایک قصیدہ بھی موجود ہے۔ شاعر قصیدے کی تشبیب میں کہتا ہے کہ اگرچہ میں ہر اک بات نظم کر سکتا ہوں لیکن یہ سب افسانے ہیں ان میں صدق و ثبات نہیں ڈھونڈنا چاہیے۔سب سے اہم ذکر نبی ﷺ ہے۔اس کے بعد عالمِ انسانیت پر آپ ﷺ کے احسانات کا ذکر ہے۔شاعر کا انداز خاصا محتاط نعت گو کا ہے۔

آپؐ نے آکر دنیا کو — سکھلائے آدابِ حیات

لوگ خدا کو مان گئے — بھول گئے سب لات و منات

اپنے ہوں یا بیگانے — سب پہ ہیں آپؐ کے احسانات

روحِ نظم فکر و عمل — آپؐ کی سیرت، آپؐ کی ذات

دنیا کی سب خیر و فلاح — آپؐ کی طاعت کی برکات

القصہ انساں کے لیے — اسوۂ کامل آپؐ کی ذات (۵۴)

سجاد سخن:

سجاد سخن کے نعتیہ مجموعہ " رنگ و روشنی خوشبو "کی آخری نعت "نعتیہ قصیدہ" ہے۔ جس میں مدح کے ساتھ تمنائیہ کیفیت بھی ملتی ہے۔ ۱۱۶ اشعار پر مشتمل اس قصیدے کے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں۔

خوشا تقدیر خوشہ چیں ہوں گلزار رسالت کا
مرا ہر شعر گلدستہ ہے اظہارِ عقیدت کا

بہت بے مایہ ہوں لیکن تمنا ہے حضوری کی
مرے آقا بھرم رکھ لیجئے، پندارِ محبت کا

مجھے سرکار یہ اعزاز سلطانی سے بڑھ کر ہے
کہ میں جاروبسا کش کہلاؤں دربارِ نبوت کا

خدا سے دے کہ ان کا واسطہ جو مانگو پاؤ گے
سخن صاحب دعاؤں میں اثر ہوتا ہے نسبت کا (۵۵)

محمد فیاض الدین نظامی:

انہوں نے حضرت شیخ امام محمد شرف الدین البوصیریؒ کے " قصیدہ بردہ شریف "کا اردو میں منظوم ترجمہ کیا۔ ترجمہ رواں دواں بامحاورہ اور دلکش ہے۔ شاعر کی محنت قابل داد ہے۔ بطور نمونہ ایک شعر کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

کیوں کہ دنیا اور عقبیٰ آپ کی بخشش سے ہیں
اور علومِ باطنی سے آپ کے لوح و قلم (۵۶)

TH 23959

فدا خالدی دہلوی:

آپ کا قصیدہ بیالیس اشعار پر مشتمل ہے۔اس قصیدے کی تشبیب کے حصے میں قدیم عرب کی تمدنی زندگی اور اخلاقی بدحالی کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔

ابتر تھی فضا، تیرگی جہل تھی چھائی

ناواقفِ اصرار محبت تھی خدائی

ہر ذہن میں وہ بغض وعداوت کا دھواں تھا

جاری تھی ہمہ وقت قبیلوں میں لڑائی

دختر کو دبا آتے تھے زندہ ہی زمیں میں

نادان سمجھتے تھے برائی کو بھلائی (۵۷)

یہ بیان خاصا طویل ہے پھر رحمتِ خداوندی جوش میں آتی ہے اور دنیا کے حالات درست کرنے کے لیے مشیت نے اپنے محبوب مکرم ﷺ کو مبعوث کیا۔ یہیں مطلع ثانی شروع ہوتا ہے۔ پھر نورِ مجسم، حضورِ اکرم ﷺ کی ولادت با سعادت ہوئی۔ آپ نے شرک، ظلم اور ہر طرح کی برائی کے خلاف جہاد کیا۔ عالمِ انسانیت پر آپ ﷺ کے احسانات کا ذکر بڑا دلکش ہے۔

یہ قصیدہ تشبیب، گریز اور مدح پر مشتمل ہے۔ عالمِ انسانیت پر رسول کریم ﷺ کے بے پایاں احسانات اس کا خاص موضوع ہے۔ آج بھی اگر عالمِ اسلام متحد ہونا چاہے اور دنیا کسی پر امن عالمگیر اتحاد کے خواب کو شرمندہ تعبیر کرنا چاہے تو اسے اسوۂ رسول ﷺ سے رہنمائی لینا ہو گی۔ انسان کے ذاتی اور اجتماعی تمام مسائل کا حل اسی ذاتِ گرامی ﷺ کی پیروی میں مضمر ہے:

کرتا ہوں فداؔ ختم قصیدے کو دعا پر

اللہ درِ سرورِ دیں تک ہو رسائی (۵۸)

نصیرالدین نصیر سید پیر گولڑہ شریف:

"دیں ہمہ اوست" ان کا نعتیہ مجموعہ ہے۔اس میں ان کا قصیدہ "مصحفِ اسرارِ الٰہ" ہے۔اس کی تشبیب میں شاعر نعت لکھنے کا ارادہ کرتا ہے اور روحِ حضرتِ حسانؓ سے امداد کا طالب ہوتا ہے۔

عیدِ عاجز کو ہے شوقِ رقیم نعتِ رسولؐ

ذہنِ حسانؓ ادھر بھی ہو توجہ مبذول (۵۹)

شاعر حضرت حسانؓ کے کلام کی تعریف کرتا ہے۔ان کے فضل و شرف کو سراہتا ہے پھر اپنی گزارش پیش کی ہے۔اس پر روح حسانؓ جواب دیتی ہے کہ حضور ﷺ کو عام بشر نہ سمجھا جائے۔یہاں کچھ براہِ راست عربی اشعار بھی آئے ہیں جو موقع محل کی مناسبت سے بہت اچھے لگتے ہیں۔اس سے شاعر کو اطمینان ہوتا ہے۔یہیں سے براہِ راست مدح شروع ہوتی ہے۔اردو فارسی اشعار میں توصیف ہے۔آخر میں حسنِ طلب ہے۔

تا قیامت تری چوکھٹ سے نہ اُٹھوں آقا

اس توقف سے جو لے کام مری عمر عجول (۶۰)

یوں دیکھا جائے تو یہ قصیدہ ہر لحاظ سے جامع اور مکمل ہے۔اجزا پورے ہیں۔علمی طنطنہ، شوکتِ الفاظ، عقیدے کا اظہار سب کچھ موجود ہے۔حُبِّ نبی اور ولی سرشاری آخر تک ساتھ چلتی ہے۔پیر صاحب کو قصیدہ لکھنے میں مکمل فنی مہارت حاصل ہے، وہ عہدِ موجود کے اہم نعت گو ہیں جن کے کلام میں عشقِ رسول ﷺ بھی جوبن پر ہے اور فنی دسترس بھی درجہ کمال پر نظر آتی ہے۔

عابد نظامی:

ان کا نعتیہ مجموعہ "فیضانِ کرم" ہے۔اس میں ۱۲۹ اشعار پر مشتمل نعتیہ قصیدہ ہے۔یہ قصیدہ میمیہ ہے یعنی بغیر عنوان کے قصیدہ ہے۔یہ بظاہر غزلیہ نعت، لیکن لفظی شکوہ اور معنوی ترفع سے اسے قصیدہ قرار دیا جاتا ہے۔اس میں تشبیب اور گریز مفقود ہیں۔براہِ راست مدح سے آغاز ہوتا ہے۔پہلا شعر ہے۔

رسول رحمت و رافت، پیمبر علم

بنائے کون و مکاں جانِ جاں جمیل شیم (۶۱)

اس میں سرکار کے اکسٹھ اسمائے مبارکہ موزوں کیے گئے ہیں۔اس کے علاوہ اکتیس (۳۱) صحابہ کرام جو حضورؐ کے دوست ہیں کے نام بھی موزوں ہیں۔اختتام دعائیہ ہے۔پیر کرم شاہ الازہری نے عابد نظامی کے متعلق لکھا ہے:

"ڈھونڈنے سے بھی تصنع واور تکلف کا نام ونشان ان کے ہاں نہیں ملتا۔ان کا کلام پڑھنے سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ کوئی بلبل شیدا، شاخِ گل پر بیٹھا محبوب کو دیکھ رہا ہے۔اس کے دل میں اُٹھنے والے جذبات خود بخود گیت کا روپ اختیار کرتے چلے جارہے ہیں۔اس میں اس کا صرف اتنا حصہ ہے کہ وہ گیت اس کی زبان سے ادا ہو رہے ہیں۔ورنہ حقیقت یہ ہے کہ حسن کو اپنے عاشق کے آئنہ دل، میں اپنا عکسِ جمیل نظر آیا ہے اور خود ہی زمزمہ سنج ہے۔"
(۶۲)

ضیاء نیّر:

ان کا نعتیہ میمیہ قصیدہ براہِ راست مدح رسول ﷺ سے شروع ہوتا ہے۔آپ لکھتے ہیں:

وہی ہیں باعثِ تکوینِ جملہ موجودات
کہ فوقِ عرش ہوا جن کا اسمِ پاک رقم

انہی کے نعلینِ پاک کے تصدق سے
نظام عالم افلاک وارض ہے قائم

رموز کہنہ ونوان پہ آئنہ ہیں تمام
کہ ہے مثال کفِ دست ان پہ سب عالم (۶۳)

قصیدے کے آخر میں ملی استغاثہ ہے۔شاعر نے سوزِ دروں سے کہا ہے۔ضیا نیّر قصائد میں ملی آشوب کا ذکر عصرِ موجود کا اک خاص اضافہ ہے اور ضیاء نیّر اس روحِ عصر سے اچھی طرح واقف ہیں۔

کیفی (محمد ذکی):

ان کے مجموعۂ کلام "کیفیات" میں ایک نعتیہ قصیدہ بعنوان "قصیدۂ مدحیہ" ہے۔ ۱۲۳ اشعار پر مشتمل یہ قصیدہ عشقِ نبیؐ میں ڈوب کر لکھا گیا ہے۔ اس میں ولادتِ سرکارِ دوعالمؐ کو موضوع بنایا گیا ہے۔

آئے وہ جن کے دم سے ہے رونقِ بزم رنگ و بو
بزمِ رسل کے تاجدار، محرمِ رازِ کن فکاں

شانِ غنا کہ آپؐ کے قدموں پہ تاجِ قیصری
فقر کی شان یہ کہ ہے ایک کلیم بھی کہاں

کون و مکاں میں روشنی ان کی ازل سے تا ابد
سلسلہ ان کے نور کا پھیل گیا کہاں کہاں (۶۴)

احسان دانش نے ان کے متعلق لکھا ہے:

" ذکی کیفی کی شاعری دیکھ کر اس بات کا احساس یقین میں بدل جاتا ہے کہ انساں کے محدود جسم میں ان دیکھی لامحدود طاقت ہے۔"(۶۵)

جعفر بلوچ:

ان کا نعتیہ قصیدہ ان کے مجموعۂ کلام "بیعت" میں شامل ہے۔ شاعر نے تشبیب میں فلسفیانہ انداز سے دنیا پر نظر ڈالی ہے اور یہ نتیجہ نکالا ہے کہ سائنس کی طرح فلسفے کے مسلمات بلکہ بعض مذاہب کے نظریات تک بدل رہے ہیں۔ اس پسِ منظر میں شاعر کو ایک ایسا دین بھی دکھائی دیتا ہے جو زمان و مکاں کے ہر تقاضے پر پورا اترتا ہے۔

ایسا بھی ہے ایک دین لیکن
ہر عصر و مکاں کو جو رسا ہے (۶۶)

اور دین کی یہ اکملیت حضور نبی اکرم ﷺ کے فیضانِ پاک سے ہے۔ یہیں سے گریز کرتے ہوئے شاعر مضامینِ مدح شروع کرتا ہے۔ شاعر کا بیان والہانہ، انداز سلجھا ہوا اور حد درجہ عشق و محبت میں ڈوبا ہوا ہے۔ اس کے بعد عالمِ

انسانیت پر حضور نبی اکرم ﷺ کے احسانات کا ذکر شروع ہوتا ہے۔ شاعر کی نظر دور تک دیکھتی ہے اور بدلتے مناظر اس کے لیے بہت سے نتائج پیدا کر رہے ہیں لہٰذا وہ کہتا ہے:

اک گھر ہیں تمام برِ اعظم

سرحد کا تصور اٹھ گیا ہے (٦٧)

بعد ازاں شاعر حالات حاضرہ پر تبصرہ کرتا ہے۔ قصیدے کے اس حصے میں شہرِ آشوب کا رنگ پیدا ہو گیا ہے۔ اس سے قصیدے کی معنوی سرحدیں پھیلی ہیں۔ اس ذکر کے بعد شاعر مطلعِ ثانی لاتا ہے اور ایک غزل شروع کرتا ہے۔ یہ غزل نعتیہ ہے۔ آخر میں حسنِ طلب کا در کھلتا ہے لیکن یہاں بھی شاعر جدت سے کام لیکر نئی معنویت سامنے لاتا ہے۔

مدحت کے بعد شاعر اکثر

کہتے ہیں طلب کا مرحلہ ہے

لیکن درِ رحمتِ دو عالم

ہم پر کبھی بند بھی ہوا ہے؟

وہ وسعتِ کشادہ و مکرم

کب منتظر طلب رہا ہے

الطافِ پیمبرؐ حجازی

تخمین و شمار سے ورا ہے (٦٨)

مندرجہ بالا اشعار منتخب ہی سہی لیکن ان سے بھی قصیدے کی خصوصیات کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ شاعر کا بیان سہل، سادہ اور والہانہ ہے۔ روایت سے جڑا ہوا لیکن جدت سے ہمکنار، یہ قصیدہ ادب کی تاریخ میں قابلِ ذکر رہے گا۔ ہیئتی حوالے سے اس قصیدے میں تمام اجزائے قصیدہ موجود ہیں۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ یہ ایک کامیاب قصیدہ ہے۔ روحِ عصر کے شامل

ہونے کے باعث شاعر کی حالاتِ حاضرہ پر گہری نظر کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ مجموعی طور پر یہ قصیدہ قابلِ ذکر ہی نہیں قابلِ تحسین بھی ہے۔

خالد احمد:

"تشبیب" ان کے نعتیہ قصائد کا مجموعہ ہے۔ اس میں تین نعتیہ قصائد شامل ہیں۔ محمد کاظم نے ان قصائد کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے:

> "پہلا قصیدہ تقریباً ۱۲۵ اشعار پر مشتمل ہے۔۔۔ دوسرا قصیدہ ۳۰۰ سے زائد اشعار پر مشتمل ہے۔۔۔ تیسرا قصیدہ قدرے مختصر ہے۔" (۶۹)

خالد احمد کا پہلا قصیدہ نونیہ ہے۔ شاعر نے اس کے لیے بہت مختصر بحر منتخب کی ہے یعنی فی مصرع فعلن فعلن فع۔ اس مختصر بحر میں ایسا طویل، پُرتاثیر اور ادبی خوبیوں کا حامل قصیدہ لکھنا یقیناً اعزاز کی بات ہے۔ خالد قصیدہ کے آغاز میں گلشنِ صدامکان کی بات کرتا ہے۔ ہجر کے اندیشوں اور وصال کے ذرائع پر غور کرتا ہے اور حکمت بھرے انداز میں کہتا ہے۔

کان میں ہر گل کے

شبنم دے یہ اذان

سیج کی بھینٹ چڑھیں

یا ہوں قبر مکان

پھولوں کی منزل

گل چیں کا دامان (۷۰)

اس کے بعد رسول کریم ﷺ سے تخاطب ہے۔ مودبانہ لہجہ کتنا والہانہ بھی ہے۔ اتنی مختصر بحر میں ایسے بھرپور انداز میں اداے مطلب کار آساں نہیں۔ خالد جہاں بے حد سادہ بیانی سے کام لیتا ہے، وہاں بھی معجزہ فن متشکل ہوتا ہے۔ اس کے بعد روایتی قصیدے کی غزل بیان ہوئی ہے لیکن اس غزل میں خالد نے حضور پُرنور ﷺ کا سراپا مبارک بیان

کیا ہے۔ براہِ راست تخاطب میں خالد کا ادب اور عجز قابلِ ذکر ہے۔ آخر میں خالد بارگاہِ نبوت ﷺ میں ایک سائل کی طرح دامانِ تمنا پھیلاتا ہے۔

آقا اے آقا

جانِ استحسان

میری سمت نظر

میرے دین ایمان

میرا ہاتھ پکڑ

اے دستِ احسان (۱۷)

حق یہ ہے کہ قصیدے کی بلند آہنگی، علمی اصطلاحات، لفظی شکوہ، ترکیب سازی کا جادو اور تہہ در تہہ معانی کی ارزانی قصیدے کی جان ہوتی ہے لیکن خالد نے برعکس تجربہ کیا، مختصر بحر، دھیما لہجہ، سادہ گوئی جیسے عناصر ہی سے قصیدے کی وہ عمارت کھڑی کی کہ ناظرین سے خراجِ تحسین وصول کر رہی ہے۔ نعت کسی بھی ہیئت میں کہی جائے اگر اس میں عشقِ رسول ﷺ نہیں تو اس کا کوئی شعر کسی کو پسند نہیں آئے گا۔ خالد نے اس قصیدے میں عام روایتِ قصیدہ کے مطابق ذہن کا خطاب نہیں بلکہ دل کا بیان پیش کیا ہے، جذبہ صادق ہے اس لیے سادگی میں پرکاری کی شان پیدا ہو گئی ہے۔

دوسرا قصیدہ تائیہ ہے۔ اس کی بحر فعلن فعلن فعلن فع / فعل ہے۔ یہ نسبتاً مترنم بحر ہے۔ اس میں خالد نے آغاز میں برکھا رت کے ذکر کو جانِ تشبیب بنایا ہے۔ پھر حضورِ اکرم ﷺ سے خطاب شروع ہوتا ہے۔ خالد نے اپنے بیانِ عجز کا اظہار جس قرینے سے کیا ہے اس پر ہزار جادو بیانیاں قربان کی جا سکتی ہیں۔ اپنے حوالے سے دربارِ نبوت میں عرض پرداز ہے۔ خالد نے شہدائے کربلا کا ذکر کر کے قصیدے میں مرثیے کی خوشبو پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ ادبی لحاظ سے یہ اہم اضافہ ہے۔

آئے سرِ دریائے فرات

کچھ فلاحِ کشتِ حیات

قولِ مبیں، کردارِ مبیں

یہ چہرے ہیں یا آیات

کس کا بیٹا تھا اکبر اصغر

تھی کس کی سوغات

یہ احمد کی کونپل تھی

کوزے میں تھا بند فرات (۷۲)

خالد نے مرثیہ ہی نہیں بلکہ منقبت کو بھی نعتیہ قصیدے میں پیش کیا ہے۔ یہ ایک اور اہم رجحان ہے۔ قصیدہ کے آخر میں خالد نے حُسنِ طلب کے حوالے سے اپنے بزرگوں کی نجات کی درخواست کی ہے۔ اپنے عزیزوں اور دوستوں کے لیے خیر طلب کرنے کے بعد اپنے لیے سلامتی کا سوال کیا ہے۔ غور کیا جائے تو خالد کا دوسرا قصیدہ بے حد اہم ہے۔ پہلے قصیدے کی طرح اس میں اجزائے قصیدہ بیان ہوئے ہیں۔ دوسرے قصیدے میں فکری تنوع قابلِ داد ہے، قصیدے میں مرثیے اور منقبت کو شامل کر کے خالد نے فکر کی تنوع پیدا کیا ہے۔ بے شک دنیاوی بادشاہوں کے قصیدے ختم ہو چکے لیکن شاہِ لولاک ﷺ کا قصیدہ کبھی ختم نہ ہوگا، کیونکہ ان کا قصیدہ تو خود ذاتِ الٰہیہ نے بیان کیا ہے۔

خالد کا تیسرا قصیدہ "بادِ نوال" ہے۔ مختصر بحر میں یہ مترنم قصیدہ بھی فکری و فنّی لحاظ سے قابلِ ذکر ہے۔ اس قصیدے میں حضور نبی اکرم ﷺ کی خالص نعت سے متعلق چند منتخب اشعار بطور نمونہ درج ذیل ہیں۔

زوّارِ آفاق

معراجِ اقبال

سرسریر آرا

برہانِ متعال

خاکِ نشینِ حال

نیّرِ استقبال (۷۳)

خالد نے حضور پُر نور ﷺ کی سیرتِ مبارکہ کا نقشہ بھی پیش کرنے کی سعی کی ہے۔ خالد نے چھوٹی بحر میں اس پائے کے نعتیہ قصائد کہہ کر جو عظمت حاصل کی ہے تاریخ ادب میں اس کا ذکر احترام سے کیا جائے گا۔

رفیع الدین ذکی قریشی:

ان کی کتاب "مہرِ فاراں" میں ایک قصیدہ رائیہ ہے جو ۱۳۲ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کے اولین تین اشعار تمہیدیہ ہیں۔

کھل گئے ہیں میرے فکر و ذہن میں نکہت کے در

مدحِ سرکارِ دو عالم آج ہے پیشِ نظر

ایک محشر تھا بپا خیر الوریٰ سے پیشتر

زندگی تھی بس خسارہ ہی خسارہ سر بہ سر

آدمیت سرنگوں تھی، شطنیت تھی سرفراز

مقصدِ تخلیق سے تھا ابنِ آدم بے خبر (۷۴)

تشبیب میں شاعر نے سرکار ﷺ کی ولادت سے پہلے دورِ ابتلا کا نقشہ کھینچا ہے۔ پھر آپ ﷺ کی ولادت کی برکات اور دنیا کو حاصل ہونے والے فیوض کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد براہِ راست مدح شروع کی ہے۔ شاعر نے گریز میں کمال کیا اور ایک ہی شعر ایسا جچا تلا ہے کہ شاعر کو براہِ راست مدح تک لے جاتا ہے۔ گریز ملاحظہ ہو۔

آپ کی آمد تھی گویا اک نویدِ انقلاب

کر دیا جس نے نظامِ جبر کو زیر و زبر (۷۵)

شاعر مدح میں ۱۹ اشعار میں حضور ﷺ کی تعریف کرتا ہے اور آخری شعر میں مدحت کے ساتھ تمنا یا دعا کا رنگ بھی جھلکنے لگتا ہے۔ مدح لمبی ہے۔ بعد میں شاعر نے امتِ مسلمہ کی زبوں حالی کا نقشہ کھینچا ہے اور حسنِ طلب میں مسلمانوں

کے لیے قرونِ اولیٰ کی عظمت طلب کی ہے۔ "مہرِ فاراں" میں موجود رفیع الدین ذکی کا قصیدہ تکنیکی لحاظ سے اچھی کاوش ہے۔ قصیدے کے سب اجزا پورے ہیں۔ اس قصیدے کے بارے میں حفیظ تائب نے لکھا ہے:

> "آشوب امت کی تفصیلات ان کی نعت میں مسلسل اور جابجا ملتی ہیں۔ وہ آشوبِ زماں کے ساتھ ساتھ عظمتِ رفتہ کا ذکر بھی کرتے ہیں اور اس دورِ سعادت کے لوٹ آنے کے آرزو مند ہیں۔ وہ آشوب امت کے اسباب و علل کی طرف بھی اشارے کرتے چلے جاتے ہیں۔ آشوبِ ملت کے بیان کے بعد وہ اپنے آقا و مولا ﷺ سے نگاہِ التفات، استمداد و استعانت اور دعا کی التماس کرتے ہیں اور یوں ایک نہایت درد مند مسلمان اور شیدائی اسلام کے طور پر سامنے آتے ہیں۔" (۷۶)

عزیز لکھنوی:

ان کے نعتیہ مجموعے "صحیفہ ولا" میں نعتیہ قصیدہ ملتا ہے۔ یہ قصیدہ حسن و عشق کے مکالمے پر مبنی ہے۔ اپنے انداز کا یہ منفرد قصیدہ ہے۔ اس میں ڈرامائی عناصر متاثر کن ہیں۔ شاعر کا علمی شکوہ اور فن پر کامل گرفت نظر آتی ہے۔ اپنے خاص ڈرامائی کوائف کی وجہ سے یہ نعتیہ قصیدہ یادگار رہے گا۔ چند اشعار درج ذیل ہیں:

کہا یہ عشق نے پیغمبری موسیٰ کو دی میں نے
کہا یہ حسن نے وہ آگ تھی میری ہی سلگائی

کہا یہ عشق نے غش مجھ کو آیا طورِ سینا پر
کہا یہ حسن نے وہ آنکھ تھی میں نے ہی جھپکائی

کہا یہ عشق نے منزل میری ہے قلبِ حیدر میں
وہیں کرتا ہوں سیرِ عالم توحید و یکتائی (۷۷)

صوفی حاجی فضل الدین فدا کھیم کرنی:

فضل الدین فدا عمر بھر اخلاقیات و سیرتِ رسولؐ کے حوالے سے دورِ حاضر کے اخلاقی بحران کی اصلاح کے لیے سر گرم عمل رہے۔ وہ ممتاز نعت گو شعراء میں سے ہیں۔ ان کی کتاب "حدیثِ ایماں" میں صفحہ نمبر ۲۵تا۳۱پر ایک نعتیہ قصیدہ بھی ہے۔ یہ قصیدہ مدحیہ ہے اور بغیر تشبیب اور گریز کے ہے۔ یہاں کائنات پر آپؐ کے احسانات کا ذکر ہے۔ سرکارؐ کے جمال اور حسن مدینہ کا ذکر ہے۔ دنیا کو تہذیب و تمدن سکھانے میں آپ کا کردار، آپ کی نورانیت، سخاوت، شانِ محبوبی، معجزات، شفاعت، معراج، بدن کی خوشبو کا ذکرِ پاک ہے۔ آخر میں امت کے مصائب و مسائل بیان کیے ہیں۔ اسے اہم استغاثہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

مگر اسیرِ جہالت ہے ملت بیضا

حضورؐ در پئے آزار دین کے غدار

بتانِ حرص و حوس کے وہی پجاری ہیں

جو دے رہے تھے زمانے کو تیشۂ ایثار

یہ کور چشم ہیں متوالے خود نمائی کے

شعورِ زیست کے جلوے انہیں کہاں درکار (۷۸)

قیصر بارہوی:

قیصر بارہوی عصرِ حاضر کے اہم مرثیہ نگار ہیں۔ ان کے قصائد کا ایک مجموعہ "بارگاہ" کے نام سے چھپا ہے۔ اس میں ۳۴ قصائد ہیں۔ یہ سب قصائد مذہبی موضوعات پر ہیں۔ پہلا قصیدہ نعتیہ ہے جس کا عنوان "معراج" ہے۔ اس نعتیہ قصیدے کی تشبیب میں شاعر نے عالمِ حشر میں اپنے وزنِ عصیاں اور نقشۂ عدل کا ذکر کیا ہے۔ اس فضا سے باہر نکلنے اور مدح کی طرف آنے کے لیے شاعر کو گریز کے مضمون کی تلاش تھی، لہٰذا اس کے ذہن میں یہ خیال در آیا۔

ہاں مگر حشر کے میداں کا اسے خوف نہیں

جس کے اوپر شہِ کونین کا سایہ ہوگا

بخدا عظمتِ دارین ملے گی اس کو

ذکرِ محبوبِ خدا جس کا وسیلہ ہو گا

ہر بلندی اسے تسلیم کرے گی بخدا

جو بشر صاحبِ معراج کا شیدا ہو گا (۷۹)

یہیں مطلع ثانی کا جواز پیدا ہوا۔ یہاں سے مدح شروع ہوتی ہے لیکن معراج کے حوالے سے، کیونکہ یہی اس کا عنوان ہے۔

اے رئیسِ دو جہاں فخرِ وجودِ آدم

ہر زمانہ بخدا آپ کا صدقہ ہو گا

ہر زمانے پہ محیط آقا کی معراج کا ذکر

ہر ترقی کا سبب آپ کا چرچا ہو گا

یہ بجز نفسِ نبی کون بتا سکتا ہے

گفتگو کیسے ہوئی کس کا وہ لہجہ ہو گا (۸۰)

یوں دیکھا جا سکتا ہے کہ مشکل زمین کے باوجود شاعر نے قصیدے کے اہم اجزا تشبیب، گریز، مدح سے انصاف کیا ہے اور حق یہ ہے کہ قصیدے میں عرق ریزی و جگر سوزی سے کام لیا ہے۔ اشعار میں شکوہِ لفظی کی نسبت بیان کے تسلسل اور سہل کو مد نظر رکھا گیا ہے۔

میر افق کاظمی امروہوی:

ان کا مجموعہ "فروغ محامد" متعدد اصنافِ سخن اور ہیئتوں پر مشتمل ہے۔ نعتیہ قصائد بھی موجود ہیں۔ افق کے تین نعتیہ قصائد درج ہیں۔ ایک سے بڑھ کر ایک ہے۔ یہاں ان کے دوسرے نعتیہ قصیدے کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اس قصیدے کا عنوان "گلِ رعنائے رسالت" ہے۔ اس قصیدے کی تشبیب میں شاعر اپنی شاعرانہ عظمت کا ذکر کرتا ہے۔ اسی

طرح قصیدے کا اختتام اچانک اور ڈرامائی انداز میں ہوتا ہے لیکن کتنا درست اور جاذب روح ہے۔ اس کا اندازہ درج ذیل اقتباس سے ہو سکتا ہے۔

افقؔ ہو بعد درود و سلام ختم کلام

کہ نعت میں نہیں آسان خامہ فرسائی (۸۱)

اس قصیدے کے مطالعے سے افق کی قدرت شعر گوئی ظاہر ہوتی ہے۔ وہ الفاظ و مضامین پر زبردست دسترس حاصل ہے۔ وہ قصیدے کے فنی تقاضوں کو سمجھتے ہیں اور انہیں نگاہ میں رکھ کر قصیدہ کہتے ہیں۔ یقیناً وہ اپنے دور کے اہم قصیدہ نگاروں میں سے ہیں۔

نفیس فتح پوری (انصار حسین سید):

ان کا مجموعہ کلام "افکارِ نفیس" میں دو نعتیہ قصائد ہیں۔ پہلا قصیدہ لامیہ ہے۔ تشبیب میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل کے عرب کے ماحول کا نقشہ ہے۔ پھر اس سسکتی انسانیت پر خدا کو رحم آیا اور حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عالم رنگ و بو میں بھیجا گیا۔ یہی گریز ہے اور اس کے بعد مضامینِ مدح ہیں۔

صنعتِ خالق بے مثل کا شہکارِ عظیم

جس کی صورت سے نمایاں ہوئے انوارِ ازل

دے کے درس امن و اخوت کا زمانے بھر کو

نسل اور رنگ کا ذہنوں سے کیا دور خلل (۸۲)

حسن طلب کے حوالے سے بارگاہِ نبوت میں گزارشات دیکھیے:

فخر ہے ان کے غلاموں کی غلامی پہ مجھے

خاکِ پا ان کی بصیرت کو مری ہے کاجل

آپ کا نام رہے وردِ زباں تا بہ حیات

آپؐ ہی یاد ہوں جس وقت مجھے آئے اجل

صرف ہو عمرِ نفیس آپ کی مداحی میں

تا بہ مرگ آئے نہ پائے کبھی ایماں میں خلل (۸۳)

اشعار سادہ آسان اور رواں ہیں۔ یہ قصیدہ مختصر بھی ہے اور پر اثر بھی۔ دوسرا نعتیہ قصیدہ نونیہ ہے۔ اگرچہ پہلے قصیدہ (کل اشعار ۱۹) سے کچھ طویل (کل اشعار ۳۰) ہے لیکن سادگی اور سلاست میں پہلے قصیدے ہی کی طرح ہے۔ اختصار اور سادگی کے باوجود اجزائے قصیدہ کا پایا جانا ایک ایسی خوبی ہے جس کا ذکر کیا جانا ضروری ہے۔

ظفر شارب:

ظفر شارب کا نعتیہ قصیدہ "کاسۂ فکر" کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ قصیدہ فکر و فلسفہ کے مضامین، حالات حاضرہ، احوال امت اور مدح پیمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مشتمل ہے۔ علم کی شوکت اور محبت کی وارفتگی اس قصیدے میں ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ اس قصیدے کی تشبیب میں شاعر آج کی دنیا کے حالات پر نظر ڈالتا ہے۔ اسے سائنسی ایجادات نظر آتی ہیں اور وہ اقرار کرتا ہے کہ علمی طور پر آج دنیا بہت آگے جا چکی ہے۔ اس کے بعد معاً شاعر کو خیال آتا ہے کہ یہ سب سائنسی ترقی دراصل معراجِ پیغمبرؐ اسلام کے طفیل ہے۔ بس یہی گریز ہے۔

یہ مراد و رہے معراج پیمبرؐ کے طفیل

ارتقا ساری اسی کی ہے رہینِ منت

پھر نہ کیوں میں بھی اسی صاحبؐ معراج کی سمت

سر کو نیوڑھا کے بصد عجز کہوں "یا حضرت"

کاسۂ فکر میں بھر دیجے رموزِ انوار

تا کہ ہوتی رہے تمیزِ جنون و حکمت (۸۴)

بعد ازیں شاعر نے عشق و عقل کے حوالے سے ملتِ اسلامیہ پر اس کے علمی و تمدنی اثرات کا جائزہ لیا ہے۔ پھر رسول اکرم ﷺ کی بارگاہ میں استغاثہ پیش کیا ہے۔ اس کے بعد چند معجزاتِ پیغمبرؐ کا ذکر ہے۔

آپؐ کے دست تصرف کا اثر ہے ورنہ

سنگریزوں کی گواہی ہے خلاف خصلت

معبدوں میں جو بھڑکتی تھی وہ ٹھنڈی ہوئی آگ

آپؐ آئے تو ملی سارے جہاں کو راحت (۸۵)

عالم انسانیت پر آپؐ کے احسانات و فیوض کا ذکر بھی بڑے والہانہ انداز میں ہوا ہے۔ یوں ہم دیکھتے ہیں کہ اس قصیدے میں علمی شوکت بھی ہے اور ماضی و حال امت پر دردمندانہ تبصرہ بھی۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کی صفت و ثنا بھی ہے اور اپنی عقیدت کا والہانہ انداز بھی ہے۔ آخر میں حسن طلب کے پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔ چونکہ فکری لحاظ سے یہ ایک بلند پایہ قصیدہ ہے اور اس تائیہ قصیدے میں اجزائے قصیدہ بھی پورے شامل ہیں لہٰذا اسے نمایاں اور قابل ذکر قصیدوں میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

حفیظ تائب:

عہد حاضر کے بہت اہم نعت گو تھے۔ ان کا نعتیہ قصیدہ ان کے پہلے مجموعے "صلو علیه و آله" میں "آیہ نور" کے عنوان سے موجود ہے۔ ۱۴۹ اشعار پر مشتمل یہ قصیدہ فکر و فنی ہر دو اعتبار سے قابل تحسین ہے۔ قصدِ نعت کے وقت شعور و تحتِ شعور کی جملہ قوتوں کی یکجائی کے بیان قصیدے کا آغاز ہوتا ہے۔ روحِ مقدسؐ کی دستگیری کے فیض سے مدح شروع ہوتی ہے اور کائنات پر حضور نبی اکرم ﷺ کے احسانات کے خوبصورت ذکر تک جاتی ہے۔ یہ قصیدہ بے ردیف ہے۔ شعور، غفور قافیہ ہے۔ شاعر نے عام قصیدہ گو شعراء کے تتبع میں مدح کے اندر غزل کے قافیے دیار، قرار ہیں اور دور ردیف ہے۔ غزل کے بعد پھر مدح شروع ہوتی ہے۔ دعا و حسن طلب کے حصے میں شاعر کتنی دلکش دعا مانگتا ہے۔

حرزِ جاں ہو مجھے ثنائے رسولؐ

رگ و پے میں ہو کیف و جذب و سرور

قبر میری بحق ختم رسل

ہو فراغ و معنبر و پر نور

آخرت کے سبھی مراحل میں

میرے نزدیک تر ہوں میرے حضورؐ (۸۶)

انور جمال:

انور جمال نے دو نعتیہ قصائد (۱) میمیہ اور (۲) تائیہ لکھے ہیں۔ قصیدہ میمیہ کے آغاز میں ماہ تمام ساکنان چین سے مخاطب ہے۔ تشبیب یقیناً زبردست ہے لیکن یہیں سے گریز کا آغاز بھی ہوتا ہے۔ اس کے بعد براہ راست مدح شروع ہوتی ہے جو مطلع ثانی کے بعد بھی جاری رہتی ہے۔ انور جمال کا انداز مدحت بے حد دلکش اور زبان کوثر و تسنیم میں دُھلی ہوئی لگتی ہے۔ ایک خاص سرشاری اور وارفتگی کے عالم میں کہتے ہیں:

وہ نبی ورسول وپیغمبر

اس کی ہر سانس پر درود وسلام

خامشی اسی کی اعتکافِ صلوۃ

گفتگو اس کی ہے اذان صیام

اس کے قدموں کی دھول ہیں مہ ومہر

وہ شہ ارض آسمان خرام (۸۷)

حقیقت یہ ہے کہ انور جمال کا قصیدہ اپنے ڈرامائی عناصر، والہانہ پن، فن پر کامل عبور اور عقیدت کی فراوانی کے پیشِ نظر عہد حاضر کے اہم قصائد میں شمار کیے جانے کے قابل ہے۔ انور جمال ہی کا دوسرا قصیدہ تائیہ ہے جس کی تشبیب برکھارت سے تعلق رکھتی ہے۔ اس دعوی کے بعد گریز کی شوکت اور ایجاز کی عظمت دیکھیے:

صبح دم خالق باری کی تجلّی چمکی

آمد احمد مرسل کی ہیں ساری برکات (۸۸)

اس کے بعد براہ راست مدح شروع ہوتی ہے۔انور جمال کا یہ نعتیہ قصیدہ بھی اپنا جواب آپ ہے۔انور جمال کا نام اردو نعتیہ قصائد گو شعراء میں احترام سے لیا جائے گا۔انور جمال کا نعتیہ قصیدہ خصوصی ذوق و شوق کا مخزن ہے۔روانی، شکوہ علمی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احسانات کے ذکرِ جمیل نے اس قصیدے کو قابلِ ذکر بنا دیا ہے۔آغاز میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کی برکتوں کا ذکر بڑے والہانہ انداز میں کیا گیا ہے۔شاعر کہتا ہے یہ سب باغ و بہار آمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سبب سے ہے۔اس کے ساتھ ہی براہ راست تخاطب شروع ہوتا ہے۔ پھر آپ کی مدحت کے حوالے سے عجز و بیاں کو موضوع بنایا ہے۔عالم رنگ و بو پر احساناتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا والہانہ بیان قابل تحسین ہے۔

موسم گل ہے کہ ہے تیرے تبسم کا خراج

ابر پارے ہیں کہ ہے تیرے پسینے کی زکوٰۃ

ماہ و خورشید کہ کرتے ہیں تلاوت تیری

شاخِ گل، برگ شجر پڑھتے ہیں تیرے آیات

کاسہ بر کف ترے دہلیز پہ شاہان و ملوک

ترے دروازے سے پاتے ہیں سلاطیں خیرات (۸۹)

حافظ عبدالغفار:

ان کے نعتیہ قصیدہ دو سو بارہ اشعار پر مشتمل ہے اور قصیدے کے تمام اجزا کا حامل ہے۔اکثر قصیدے ردیف کے بغیر ہوتے ہیں کیونکہ ردیف مضمون کے تسلسل اور فطری بہاو میں رکاوٹ بن سکتی ہے لیکن حافظ کے اس قصیدے میں ردیف نے اپنا حسن دکھایا ہے۔تشبیب میں شاعر خود کو کسی دھن میں دیکھ کر کہتا ہے کہ فکر سخن ہے تو نعت کہنی چاہئے۔ نعت بھی اسی کے تمام آداب نعت گوئی کا لحاظ رکھا گیا ہو۔

لایئے بحرِ تخیل سے وہ موتی ڈھونڈ کر

ہو الگ سارے سخن دانوں سے لہجہ آپ کا (۹۰)

نعت گوئی کے آداب کے ذکر کے بعد گریز کا مرحلہ آتا ہے۔ پھر مدح کا حصہ شروع ہوتا ہے۔ چند اشعار مدح دیکھئے۔

منہ مرا چھوٹا ہے لیکن بات ہے کتنی بڑی
آپؐ کی محفل میں پڑھتا ہوں قصیدہ آپ ہے

یوں تو سارے انبیاء ہیں ذکر کے قابل مگر
ذکر ہے کون و مکاں میں سب سے اچھا آپ کا

کچھ نہ ہوتا گر نہ ہوتی ذات اقدس آپؐ کی
لے کے آیا ہے عدم سے ہم کو ہونا آپؐ کا

خیرہ کر سکتا نہیں اس آنکھ کو خورشید بھی
جلوہ فرما جس کی پُتلی میں ہو جلوہ آپؐ کا (۹۱)

حافظ نے قصیدے کی روایت کے تتبع میں قصیدے میں متعدد مطلعے استعمال کئے ہیں۔ آپؐ کی سیرت کا بیان اور عالمِ رنگ و بو پر آپؐ کے احسانات کے ذکر کے بعد طلب و دعا کا حصہ ہے۔ اپنے اجزا کے مکمل ہونے اور مجموعی تاثر کے حوالے سے یہ ایک کامیاب قصیدہ ہے جس کی تفہیم بھی مشکل نہیں۔

درجہ بالا بیان کردہ نمائندہ قصیدہ نگاروں کی فہرست مکمل نہیں ہے۔ اس میں مزید نام شامل کیے جا سکتے ہیں لیکن مقالے کے اختصار کے پیش نظر افضال احمد انور کے غیر مطبوعہ مقالہ "اردو نعت کا ہیئتی مطالعہ" سے نعتیہ قصیدہ نگاروں کی فہرست پیش کی جا رہی ہے۔

- اقبال سہیل
- حافظ مظہر الدین

- مولانا حسن رضا بریلوی
- حفیظ تائب
- صبا اکبر آبادی
- نیاز فتح پوری
- مولانا نعیم صدیقی
- شمیم یزدانی
- اصغر علی شاہ
- حافظ لدھیانوی
- خالد بزمی
- خالد علیم
- ریاض چودھری
- خالد احمد
- بشیر احمد تمنا
- راز کاشمیری
- حافظ چشتی تونسوی (۹۲)

حوالہ جات

۱۔عبدالحفیظ بلیاوی،المنجد،(کراچی:دارالاشاعت،۲۰۰۹ء)،ص۸۰۸۔

۲۔ایضاً،ص۸۰۷۔۸۰۸

۳۔سعادت سعید،"اردو قصیدہ کا تہذیبی وفنی مطالعہ"،(مقالہ برائے پی ایچ ڈی اردو، مملوکہ پنجاب یونی ورسٹی،لاہور،س ن)،ص۳۱۔

۴۔ایضاً، ص۳۴۔

۵۔حفیظ صدیقی، کشاف تنقیدی اصطلاحات، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵ء)، ص ۴۲۔

۶۔http://udb.gov.pk/result.php?search=%D8%AA%D8%B4%D8%A8%DB%8C%D8%A8&posi=offline Time 9:05 AM, Date 02-02-2020

۷۔ شمیم احمد، اصناف سخن اور شعری ہیئتیں،(لاہور: مکتبہ عالیہ، ۱۹۸۳ء)، ص ۴۹۔

۸۔ایضاً، ص ۵۰

۹۔سعادت سعید،"اردو قصیدہ کا تہذیبی وفنی مطالعہ"،ص ۴۳۔

۱۰۔ام ہانی اشرف،اردو قصائد کا سماجیاتی مطالعہ،(علی گڑھ:ایجوکیشنل بک ہاؤس،۱۹۹۹ء)،ص۱۷۔

۱۱۔ محمود الہیٰ،اردو قصیدہ نگاری کا تنقیدی جائزہ،(لکھنؤ:اترپردیش اردو اکادمی،۱۹۸۳ء)،ص۴۹۔

۱۲۔http://udb.gov.pk/result.php?search1=&search=%DA%AF%D8%B1%DB%8C%D8%B2&posi=offline

۱۳۔ام ہانی اشرف، اردو قصائد کا سماجیاتی مطالعہ،ص۴۹۔

۱۴۔احمد دہلوی،سید،فرہنگ آصفیہ،جلد چہارم(طبع جدید)،(لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۲ء)،ص۲۵۔

۱۵۔ایضاً،ص۲۵۔

۱۶۔عبدالسلام ندوی، شعر الہند ،جلد دوم،(لاہور: عشرت پبلشنگ ہاؤس،۱۹۶۵ء)، ص۳۲۸۔

۱۷۔ شمیم احمد،اصناف سخن اور شعری ہیئتیں،ص۴۹۔

۱۸۔ محمد نجف علی خان،احسن القواعد،(دہلی: مطبع مجتبائی،س ن)،ص۱۹۳۔

۱۹۔عبدالسلام ندوی، شعر الہند ،جلد دوم،ص۳۱۷۔

۲۰۔ایضاً،ص۳۲۰۔

۲۱۔سید عابد علی عابد،اصول انتقاد ادبیات،(لاہور: مجلس ترقی ادب،۱۹۶۶ء)،ص۴۵۶۔

۲۲۔سعادت سعید،" اردو قصیدہ کا تہذیبی و فنی مطالعہ،"ص ۴۹۔

۲۳۔شمیم احمد، اصناف سخن اور شعری ہیئتیں،ص ۴۹۔

۲۴۔صابر کلوروی،"اردو قصیدہ نگاری کا ارتقا" خیابان،شمارہ۱۳ (۲۰۰۱ء)،ص۳۴۔

۲۵۔شمیم احمد، اصناف سخن اور شعری ہیئتیں،ص ۴۹۔

۲۶۔تنویر حسین،اصناف ادب اردو،(لاہور:اورئینٹ پبلشرز،۱۹۹۳ء)،ص۴۸۔

۲۷۔حفیظ صدیقی،کشاف تنقیدی اصطلاحات،ص۱۴۲۔

۲۸۔گیان چند، ادبی اصناف،(گجرات،اردو اکادمی،۱۹۸۹ء)،ص۳۲۔

۲۹۔رفیع الدین ہاشمی،اصناف ادب،(لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۷۶ء)، ص ۴۱۔

۳۰۔سعادت سعید، "اردو قصیدہ کا تہذیبی و فنی مطالعہ"،ص ۵۷۔

۳۱۔ایضاً،ص ۴۹۔

۳۲۔شمیم احمد، اصناف سخن اور شعری ہیئتیں،ص ۴۹۔

۳۳۔سعادت سعید، "اردو قصیدہ کا تہذیبی و فنی مطالعہ"،ص ۴۰۔

۳۴۔عبدالعزیز خالد،منحمنا،(لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز،۱۹۷۵ء)،ص۷۳۔

۳۵۔ایضاً،ص۹۔۱۸۔

۳۶۔عبدالعزیز خالد،فارقلیط ،(لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز،۱۹۸۵ء)،ص۱۵۔

۳۷۔گوہر ملسیانی،عصر حاضر کے نعت گو،(صادق آباد: گوہر ادب پبلی کیشنز،۱۹۸۳ء)،ص۱۹۱۔

۳۸۔افضال احمد انور،"اردو نعت کا ہیئتی مطالعہ"،ص۲۰۵۔

۳۹۔حسین سحر،خالد۔ شخص و شاعر،(لاہور:آئینہ ادب،۱۹۷۶ء)،ص۴۳۔

۴۰۔ایضاً،ص۵۳۔

۴۱۔عبدالعزیز خالد،"نعت و نام رسول تہامیؐ"،سیارہ ، شمارہ ۳۱(۱۹۹۱ء)، ص۳۷۔

۴۲۔ایضاً، ص ۳۷۔۳۹۔

۴۳۔اثر لدھیانوی،عکس جمال،(گوجرانوالہ:یوسفی برادرز،۱۹۸۶ء)،ص۲۸۔

۴۴۔ایضاً،ص۲۹۔

۴۵۔اعظم چشتی،کلیات اعظم،(لاہور:خزینہ علم وادب،۲۰۰۰ء)،ص۵۵۔

۴۶۔ایضاً،ص۵۷۔

۴۷۔ایضاً،ص۵۷۔

۴۸۔ایضاً،ص۵۹۔

۴۹۔ایضاً،ص۶۰۔

۵۰۔حافظ لدھیانوی،کیف مسلسل،(فیصل آباد:بیت الادب،۱۹۸۹ء،ص۲۹۔

۵۱۔حافظ لدھیانوی،مطلع فاراں،(فیصل آباد:بیت الادب،۱۹۸۷ء)،ص۳۲۔

۵۲۔نعیم تقوی،بصیرت،(کراچی:مجلس افکار اسلامی،۱۹۷۸ء)،ص۷۔

۵۳۔رشید وارثی،خوشبوئے التفات،(کراچی:بزم وارث،۲۰۰۴ء)،ص۷۶۔

۵۴۔رئیس نعمانی،چراغ نو،(علی گڑھ:محمد ارشد،لوکو کالونی،۲۰۰۰ء)،ص۳۹۔

۵۵۔سجاد سخن،رنگ روشنی خوشبو،(کراچی:دبستان وارثیہ،۱۹۹۵ء)،ص۱۵۷۔

۵۶۔محمد شرف الدین البوصیریؒ، قصیدہ بردہ شریف ،منظوم اردو ترجمہ:محمد فیاض الدین نظامی،(لاہور: الفاروق بک فاؤنڈیشن، ۱۹۹۹ء)، ص ۲۷۷۔

۵۷۔فدا خالدی، م ص،(کراچی : اشتیاق پرنٹنگ پریس، ۱۹۸۳ء)، ص ۱۴۸۔

۵۸۔ایضاً،ص۱۵۲۔

۵۹۔نصیر الدین نصیر، دیں ہمہ اوست،(گولڑہ شریف:مہریہ نصیریہ پبلشرز،۲۰۰۰ء)،ص۵۲۔

۶۰۔ایضاً،ص۵۵۔

۶۱۔عابد نظامی،فیضان کرم،(لاہور:ضیاء القرآن پبلی کیشنز،۱۹۸۳ء)،ص۱۴۔

۶۲۔ایضاً،ص۵۔

۶۳۔ضیاء نیئر ، سفر نور،(لاہور: المدینہ پبلی کیشنز، ۱۹۷۷ء)، ص ۱۱۶۔

۶۴۔ محمد ذکی کیفی، کیفیات،(لاہور:ادارہ اسلامیات،۱۹۷۷ء)،ص۷۹۔

۶۵۔ایضاً،پشت سرورق۔

۶۶۔ جعفر بلوچ،بیعت،(لاہور:الفیصل،اردو بازار،۱۹۸۹ء)،ص۱۱۴۔

۶۷۔ایضاً، ص ۱۱۴

۶۸۔ایضاً، ص ۱۱۷۔

۶۹۔خالد احمد، تشبیب،(لاہور: التحریر، ۱۹۸۴ء)، ص ۱۳۔

۷۰۔ایضاً، ص ۴۹۔

۷۱۔ایضاً، ص ۵۹۔

۷۲۔ایضاً، ص ۱۰۳۔

۷۳۔ایضاً، ص ۱۱۴۔

۷۴۔رفیع الدین ذکی،سہر فاراں، (لاہور: نذر سنز، ۱۹۹۰ء)، ص ۱۹۔

۷۵۔ایضاً، ص ۲۰۔

۷۶۔ایضاً،ص۱۲۔

۷۷۔عزیز لکھنوی،صحیفہ ولا،(لکھنؤ:صدیق بک ڈپو،س ن)،ص۸۔

۷۸۔فدا کھیم کرنی، حدیث ایماں، (لاہور: ناشرانِ پسرانِ شاعر، ۱۹۸۹ء)، ص ۷۔

۷۹۔قیصر بارہوی،بارگاہ،(لاہور:بارہوی گولڈن جوبلی آرگنائزیشن،۱۹۹۲ء)،ص۱۲۔

۸۰۔ایضاً، ص ۲۰۔

۸۱۔میر افق کاظمی، فروغِ محامد، (ملتان: ناشر مصنف خود، ۱۹۶۶ء)، ص ۳۸۔

۸۲۔نفیس فتح پوری،افکار نفیس،(کراچی:ناظر پرنٹنگ پریس،۱۹۷۷ء)،ص۳۔

۸۳۔ایضاً، ص ۴۔

۸۴۔ظفر شارب، کاسہ فکر، (لاہور: علی مختشم، س ن) ، ص ۴۔

۸۵۔ایضاً، ص ۴۔

۸۶۔حفیظ تائب،صلو علیہ و آلہ،(لاہور:سیرت مشن پاکستان،۱۹۷۸ء)،ص۲۸۔

۸۷۔انور جمال، لا لوک لما،(ملتان :کاروانِ ادب، ۱۹۸۴ء)، منتخب اشعار، ص ۷۸ تا ۸۱۔

۸۸۔ایضاً، ص ۷۸ تا ۸۱۔

۸۹۔ایضاً، ص ۷۸ تا ۸۱۔

۹۰۔حافظ عبدالغفار، قصیدہ رسولِ تہامیؐ،(کراچی:انجمن ترقی نعت،۱۹۸۸ء)،ص۲۳۔

۹۱۔ایضاً،ص۲۴۔

۹۲۔افضال احمد انور،"اردو نعت کا ہئیتی مطالعہ"،ص۲۲۱۔

باب دوم

نعتیہ قصائد میں سیرت کے اجزا

تعارف:

انسانیت کے اس ہجوم میں نعت گو شعرا کی صورت میں لطیف روحیں ہر عہد میں موجود رہی ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے جذبات واحساسات، تفکر و تخیل، قوتِ مدرکہ اور تخلیقی استعداد سے نوازا ہے۔ ان کی قوتِ باصرہ، قوتِ متخیلّہ اور قوتِ ممیزہ جہاں باری تعالیٰ سے علمی اور وجدانی رعنائیاں پاتی رہی ہیں وہاں اس کے محبوب پیغمبرؐ کے حسن و جمال، سیرت و کردار، اخلاق و اطوار اور اسوۂ پُر انوار سے بھی فیض یاب ہوتی رہی ہیں۔ یہ شعرائے کرام حضورؐ کی زندگی سے حیات افروز حقائق کا ادراک کر کے اپنے خیالات کا اظہارِ مدحتِ محبوبِ ربّ جلیلؐ کی صورت میں صفحۂ قرطاس پر ثبت کرنے کی سعی کرتے رہے ہیں۔

عصرِ حاضر کے نعتیہ قصیدہ نگاروں کے لیے ارادتِ قلبی، اتباعِ سنتِ نبویؐ، تعلیماتِ قرآنی اور علم و آگہی کی تابانی جیسے تصورات متاعِ عزیز بن چکے ہیں۔ شعرائے کرام عقیدت و محبت کے جذبات کی دل کش کرنوں سے اپنے اشعار میں بہار دکھاتے ہیں۔ وہ ارفع و اعلیٰ اور عظیم موضوعات کو تہذیب و شائستگی کے اسلوب سے مملو اشعار میں بیان کرتے ہیں۔ مختلف انواع کے حرف وصوت کے موتی نعتیہ اشعار میں اپنی چھپ دکھاتے ہیں۔ نعت گو شعرائے کرام کو خیالات و تصورات کی ایسی رفعت ودیعت کی گئی ہے کہ سراجِ منیرؐ کے جمالِ کردار، حسنِ حیات اور تقدسِ اخلاق کے انوار قلب و نور کو جگمگاتے جاتے ہیں۔ سراپائے احمدِ مجتبیٰؐ کے ساتھ ساتھ سیرتِ سرورِ کائناتؐ کی تجلیات اور حالاتِ حاضرہ کے پُر آشوب لمحات میں جہدِ سپہ سالارِ اعظمؐ کی تابانیاں نعت گو شعرا کو وسیلہ اظہار عطا کرتی ہیں۔

نعتیہ قصائد کی صنف کا کینوس اسی قدر وسیع ہو چکا ہے کہ موضوعات میں عالم گیریت کا رنگ نظر آنے لگا ہے۔ اب یہ صنف تبرک ہی نہیں بلکہ عشق و عقیدت اور سیرتِ مطہرہ کی جلوہ گری کے ذریعے ادب کے پُر وقار معیار کی معراج بن چکی ہے۔

نعت، سیرت رسول پاکؐ کا ایک ایسا شعری بیان ہے جس میں فضائل کا حسن بھی ہے اور مسائل کا تذکرہ بھی۔ یہ صبح ازل کی ضو اور شام ابد کی لو ہے۔ اس میں شاعر لفظ، لفظ مبالغے سے بچتا ہے۔ عقیدت، عقیدے کی انگلی تھام کر چلتی ہے۔ دل کی دھڑکنیں، تاریخی صداقتوں سے ہم آہنگ رہتی ہیں اور شاعر اپنی ذات کے ساتھ کائنات لے کر چلتا ہے کیوں کہ تذکرہ اس ذات والا صفات کا ہوتا ہے جو حسنِ کائنات بھی ہے اور کائناتِ حسن بھی ہے۔

نعتیہ قصائد میں سیرت کا سب سے اول موضوع حضورؐ نے اپنی تعلیم اور عمل سے دنیا کی کایا پلٹ ہے۔آپؐ نے بے نواؤں کو حکمران، جاہلوں کو عالم، گمراہوں کو رہ نما، بدوں کو نیک اور ظالموں کو رحیم و کریم بنادیا۔آپؐ نے یہ حیرت ناک انقلاب تیغ و تبر یا جبر و استبداد سے نہیں، صرف اخلاق اور نرمی و رافت کے ذریعے برپا کیا۔آپؐ کی تعلیم کا نکتہ اول توحید ہے۔

اے صاحبِ لولاک! ترا نام مبارک — اقصائے دو عالم میں یونہی گونج رہا ہے
تو بحرِ سخا، موجِ کرم، کانِ عطا ہے — تپتے ہوئے صحراؤں پہ رحمت کی گھٹا ہے
طواف حرم کے ہیں ترے جن و ملائک — ہر لب پہ دم طوف درودوں کی صدا ہے
قرآں تیرے مصحف سیرت کا ہے عنواں — ہر قول ترا نطقِ خدا عقدہ کشا ہے
منصب ہے ترا ختمِ رسل، رحمتِ عالم — رتبے میں سوا تجھ سے فقط ذات خدا ہے
قدموں میں ترے ارض و سما کے ہیں خزانے — اعزاز تجھے قاسمِ نعمت کا ملا ہے
آسودہ ترے ذکر سے رہتے ہیں دل و جاں — اور نام ترا باعث ایجابِ دعا ہے
جاری ہے ازل سے ترا دریائے مروت — رتبہ جو تجھے مالک کوثر کا ملا ہے
ہستی ہے تری باعثِ تکوین دو عالم — قامت پہ تری خلعت لولاک لما ہے۔(۱)

سیرت نبیؐ کے حوالے سے قصائد آپؐ کی رحمت و رافت، رشد و ہدایت، نیکی و راست بازی، صدق و صفا، محبت و اخوت، اتحاد و یکجہتی، فقر و سادگی، عدل و مساوات، عجز و نیاز، امانت و دیانت، زہد و تقوی، سخاوت و قناعت، صبر و رضا، تعلیم و تعلم، علم و حکمت اور حسن عمل کو موضوع سخن بناتے ہیں۔ سیرت کے انہی ہتھیاروں سے حضورؐ نے دنیا میں یہ انقلاب عظیم پیدا کیا۔ یہی حضورؐ کی سیرت کے نکات ہیں جنھیں صدیوں سے سیرت نگار بیان کر رہے ہیں اور صدیوں تک بیان کرتے رہیں گے۔ نعتیہ قصیدہ نگار شعراء نے شاعرانہ انداز میں اپنے قصیدوں میں ان نکات پر روشنی ڈالی ہے جس کی تفصیل ذیل میں بیان کی جارہی ہے۔

حضورؐ سے پہلے:

حضورؐ کی ولادت باسعادت سے پہلے جو دنیا کی حالت تھی اس حوالے سے مختلف شعرا نے اپنے قصائد میں اس پہلو پر روشنی ڈالی ہے۔ مختلف قصیدہ نگار اپنے خاص انداز میں بیان کرتے ہیں کہ حضورؐ کی تشریف آوری اور بعثت سے قبل، جزیرۃ العرب کی اخلاقی، فکری، سماجی اور مذہبی صورت حال انتہائی دگرگوں تھی، بنا بریں نبی آخر الزماںؐ وہاں تشریف لائے۔ تاریخی کتب میں بھی عموماً ظہور قدسی کے پس منظر کے طور پر عموماً عرب ہی کی پریشان حالیوں کو پیش کیا جاتا ہے اور

یوں محسوس ہوتا ہے کہ حضورؐ کی بعثت کی ضرورت غالباً اور اولاً عرب ہی کو تھی مگر حقیقت یہ ہے کہ صرف عرب ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کم و بیش ہر اعتبار سے گھٹاٹوپ تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی، روشنی کی کسی کرن کے لیے ترس رہی تھی۔ چوں کہ رب العالمین کو ایک وجودِ ذی جودؐ کو رحمتہ للعالمین بنا کر بھیجنا مقصود تھا۔ اس لیے لازم تھا کہ اس ذریعۂ رشد و ہدایت کی طلب کسی ایک خطے میں نہ ہو بلکہ پوری کائنات اس کی منتظر ہو اور زبان حال سے اسے پکار رہی ہو۔ قیام پاکستان کے بعد لکھے جانے والے قصائد اس خاص پہلو روشنی ڈالتے ہیں کہ یہود و ہنود، نصاریٰ اور پارسی بالخصوص اور اہل عرب بالعموم جہل و گمراہی کے اس مقام تک پہنچ چکے تھے جسے قرآن کی بلیغ زبان لپکتے ہوئے الاؤ کے گڑھے کے کنارے سے تعبیر کرتی ہے۔

شعرائے کرام نے رحمت للعالمینی کی اس صفت جاوداں کو اپنے اشعار کی دولت بناتے ہوئے تخیلات کی بلند پروازی میں حقائق کو اپنے سامنے رکھا ہے۔ اس مضمون کی رعنائی، اس موضوع کی گہرائی اور وصف کی عالم آرائی کے ادراک سے ان شعرائے کرام کا اسلوب رنگارنگی کا سماں دکھاتا ہے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ نبی رحمتؐ کی رحمت کا بادل ہر کرہ کائنات پر برستا ہے۔ وہ رحمت عالمینؐ ہیں اس لیے ان کے احسانات بھی کون و مکاں کی حدیں عبور کر جاتے ہیں۔

نعتیہ قصائد آپؐ کے عطیات سے جگمگا رہے ہیں۔ اگر ہم دنیا میں اس رحمت کی ضیائیں دیکھیں، عرب و عجم کی انسانیت کو متمتع ہوتے دیکھیں تو عقل حیران اور عشق پریشان ہو جاتا ہے۔ مدحت نگاروں کی حسیت، ان کی عجز کی چاشنی، ان کے فکر کی چاندنی اور ان کے جذبے کی دل کشی، رحمت کی وسیع کائنات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ رحمت للعالمینؐ کی محبت میں کھلنے والے گل ہائے رنگارنگ اپنی بھینی بھینی، میٹھی میٹھی، مشام جاں میں اُتر جانے والی خوش بو سے ہر دل کو مہکا رہے ہیں۔

کمال انسانیت کی مظہر ہستی، داعی اسلامؐ کی تربیت الہامی بھی سیرت نبویؐ کا ایک پہلو ہے۔ خود خالق ارض و سماوات نے محمد رسول اللہؐ کو اپنی رہنمائی میں تربیت فرما کر مقام جلیلہ پر فائز فرمایا اور پھر کمال انسانیت اور کمال نبوت کا ایسا نمونہ بنا دیا کہ ہر وصف شمس و قمر کی طرح روشنی دیتا ہے اور جب اوصاف حمیدہ کا مطالعہ قرآن و سنت کے حوالے سے کرتے ہیں تو صفات عالیہ کی ایک کہکشاں پھیلی ہوئی پاتے ہیں، جس میں اوصاف کے مدارج کے لحاظ سے چھوٹے بڑے ستارے اپنی شان دکھاتے ہیں۔ قرآن خود جب اس عظیم انسانیت کی سیرت، شخصیت، احساسات و جذبات کی تصویر پیش کرتا ہے تو اسوہ حسنہ کا ہر پہلو دعوت اطاعت دیتا ہے۔ عالم ہائے فانی و جاودانی میں خصوصاً سرور کونین ﷺ کی صفت رحمت کے احوال کی نشان دہی کرتا ہے۔

اولم یکفھم انا انزلنا علیک الکتاب یتلی علیھم ۔ ان فی ذلک
لرحمۃ و ذکری لقوم یومنون۔ (العنکبوت51:2)

ترجمہ: کیاان لوگوں کے لیے یہ نشانی کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل کی ہے جو انہیں برابر سنائی جارہی ہے جو لوگ یقین لکھنے والے ہیں بلاشبہ ان کے لیے اس نشانی میں سراسر رحمت اور فہم وبصیرت ہے۔

یہ وہ ہدایت اور بارانِ رحمت ہے جو خالق کائنات نے رسول اکرم ﷺ کو عطا کی اور آپ نے اس رحمت کے ذریعے انسانیت کی مردہ روحوں میں حرکت و جنبش پیدا کر دی، انہیں تروتازگی بخشی، جس سے اس دنیا کے بے کس اور بے نو انمودِ زندگی سے تجدید حیات پا گئے۔ حضورؐ کی آمد سے قبل نسل انسانی کسی ایسے ہی مسیحا کے لیے ترس رہی تھی۔

نعتیہ قصائد کے گلشن میں مختلف رنگوں کے گلاب کھلے ہوئے ہیں لیکن محسن انسانیتؐ کی رحمت کا گلاب اپنا رنگ، اپنی بہار اپنا افتخار اور اپنا معیار الگ اور اعلیٰ نکھار رکھتا ہے۔ وہ شعرا جنہیں توفیق خداوندی ملی اور رحمت عالمؐ کی مدح سرائی میں خیالات کے نگینے، الفاظ و تراکیب کے قرینے اور اظہار و اسلوب کے خزینے ملے، انہوں نے رحمت کے ایسے گہرہائے گراں مایہ عقیدت خیر البشرؐ میں منتخب کیے کہ نعت کائنات، چمک دمک اٹھی، وہ اس عشق و محبت کی وادی میں سرگرداں نظر آئے، جہاں ہر طرف رحمت للعالمینؐ کی اسوہ حسنہ کی چاندنی بکھری اور نکھری ہوئی ہے۔ ہر جذبہ اس رحمت خاص کا تمنائی اور ہر خیال شفقت شہ کونینؐ کا شیدائی نظر آیا۔

صبح سعادت:

حضورؐ کی ظاہری دنیا میں آمد وہ عظیم واقعہ ہے جس سے ہر نعتیہ قصیدہ نگار سرشار اور روحانی تازگی محسوس کرتا نظر آتا ہے۔ ہر شاعر کا اپنا اندازِ بیاں اور اظہار عقیدت ہوتا ہے اس لیے مختلف شعرا اس موضوع کو اپنی طبیعت کے مطابق برتتے نظر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو احسنِ تقویم اور اشرف المخلوقات کے منصب پر فائز کیا اور عظمتِ انسانیت کو منوانے کے لئے آپؑ کو فرشتوں سے سجدہ کرایا گیا۔ آپؑ کو ارض و سمٰوات کی تمام ذی روح مخلوقات میں افضل اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو علم کی دولت سے مالا مال کیا اور تمیز خیر و شر کی نعمت سے نوازا۔ اس کے بعد وسیع و عریض کائنات کو آراستہ کر کے آپؑ کو سامانِ زیست فراہم کیا۔ آپؑ کی ذمہ داریوں میں خلیفۃ اللہ کا منصب اس لیے زیادہ وقعت اور باعثِ رفعت و فضیلت ہے کہ آپؑ ربّ کائنات کے نمائندہ تھے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے نفاذ کا مقدس کام آپؑ کے سپرد تھا۔

آدم علیہ السلام کی یہ ذرّیت اس میدانِ عمل میں بڑھتی چلی گئی۔ دنیا کے مختلف خطوں میں آباد ہوتی رہی اور خالقِ کائنات کی رضا و خوشنودی کے حصول کے لیے کچھ تو شیطانیت کے پنجۂ ظلم و ستم سے بچتی رہی اور باقی شر کی قوتوں کا ساتھ دیتی ہوئی غلط روی کا شکار ہوتی رہی۔ انھی خیر کی اطاعت گزار ذرّیت میں گروہِ انبیائے کرامؑ تشریف لائے جنھیں بنی نوع

انسان کی رہنمائی کے لیے منتخب کیا گیا۔ جنھیں علم و عرفان، فکر و وجدان کی میراث عطا کی گئی اور صحیفۂ وحی کے ذریعے اس دنیا کے اندر اللہ کی کبریائی اور وحدت و الوہیت کا کلمہ بلند کرنے کا کام سونپا گیا۔ انھیں انسان کے مقصدِ حیات سے بہرہ مند کیا گیا۔ انھیں خدائے ارض و سمٰوات نے ہر فوجی اور ہر جمال سے منور کیا۔

نعتیہ قصائد میں یہ حقیقت بڑی شد و مد سے پیش کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام میں سے ایک ایسی برگزیدہ ہستی کو منتخب کیا جو خاتم النبیّن اور رحمت للعالمینؐ ہیں۔ آپؐ پر آخری کتابِ نور و ہدایت نازل فرمائی۔ اسی کتابِ مبین میں انک لعلی خلق عظیم کی سند جاری کر کے ازل سے ابد تک آنے والے پورے عالمِ انسانیت میں آپؐ کو بلند ترین مقام پر فائز کر دیا۔ یہی نہیں آپؐ کی فضیلت و احترام کے ظہور کو واضح کرنے کے لیے خود درود و سلام بھیجا اور فرشتوں کو بھی یہ فرض سونپا بلکہ اس عظیم ہستی پر درود و سلام بھیجنے کا فرمان تمام اہل ایمان کے لیے جاری فرمایا:

"ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی یا ایھاالذین امنو صلوعلیہ وسلمو اتسلیما۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے ملائکہ نبیؐ پر درود بھیجتے ہیں۔ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔ (الاحزاب ۵۶:۳۳)"

خالقِ کائنات نے جس طرح اپنے پیغمبر، محسنِ انسانیت، حضرت محمدؐ کی تزئین و آرائش فرمائی، اسی طرح آپؐ کو اخلاقِ حسنہ کا کامل و اکمل نمونہ بنا دیا۔ آپؐ کی فضیلت و عظمت کا منھ بولتا ثبوت شبِ اسریٰ کا وہ سفر ہے جس میں ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبرؑ صف در صف کھڑے ہوئے اور سیادتِ عامہ اور امامتِ عظمیٰ کا فریضہ سرورِ کائنات ﷺ نے ادا کیا۔ وہ پیکرِ عظیم جس کے لیے خود ربّ کائنات نے ارشاد فرمایا: ورفعنا لک ذکرک (اور تمھاری خاطر تمھارے ذکر کا آوازہ بلند کیا)۔

رسول پاکؐ کی تشریف آوری کو نعتیہ قصائد میں اس کائنات کے ایک ایسے عظیم واقعے کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے جو اپنے دور ہی کے لیے نہیں بلکہ ہر دور کے لیے انقلاب آفرین ثابت ہوا۔ آپؐ ہی وجہِ وجودِ کائنات تھے۔ آپؐ ہی ازل انوار تھے اور ابد آثار بھی اور آپ ہی کے لیے رنگ و نور کے قافلے صدیوں سے مصروف سفر بھی تھے اور شہید جستجو بھی۔ نعتیہ قصائد سے یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ جہاں جہاں روشنی ہے وہ حضورؐ ہی کے دم قدم سے ہے اور جہاں جہاں تاریکی ہے وہ اجالے کے لیے اسی نور کی طرف لپک رہی ہے کہ آپؐ ہی کی محفل تجلی کی روشن سحر ہے۔ آپؐ کا وجودِ پاک الوہی انوار کا پرتو، آپؐ ہی کے فرمودات، سعادت و ہدایت کی مشعل، آپ ہی کی کتاب انسانیت کے لیے آخری ضابطہ حیات اور آپؐ ہی کی اطاعت اخروی سرخ روئی کی واحد ضمانت ہے۔ آپؐ ہی کی سیرت نے ہمیں نورِ بصیرت بخشا، آپ ہی

کے نقش پاک کی چاندنی سے دنیا کا غم کدہ تابندہ ہوا، آپؐ ہی سے قلب مضطر کو سوز کی دولت ملی، آپؐ ہی کے طفیل انسان کو خود آگہی اور خدا شناسی کی نعمت عطا ہوئی۔

نعتیہ قصائد معکوس حالت کو پیش کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ اگر آپ تشریف نہ لاتے تو فکر و نظر کی دنیا ویران، علم و عمل کے سلسلے افسردہ، اخلاق و کردار کے گلزار پژمردہ اور بصارت و بصیرت سے کائنات تاریک اور حالات کی وہ دبیز تاریکی اور گہری ہوتی جاتی جو ظہور قدسی سے قبل کائنات پر مسلط تھی۔ ظہور قدسی سے قبل کا غبار اور بعد کا نکھار خود بولتا ہے کہ آپؐ کی ذات گرامی قدر ہمارے لیے ایک عظیم احسان ربی ہے اور ان سے زیادہ اجمل، احسان اور اکمل انسان پر آج تک طلوع نہیں ہوا اور نہ ہو گا۔

انقلابِ عظیم:

انقلاب عظیم کے حوالے سے نعتیہ قصائد میں یہ خیالات ملتے ہیں کہ زندگی کا کوئی نظام، فکر کا کوئی منشور اور سوچ کا کوئی رخ اس وقت تک بہترین نتائج پیدا نہیں کر سکتا جب تک اس کے ساتھ صاحبِ فکر کا اپنا کردار شامل نہ ہو۔ سوز و تپش سے خالی دل، یخ بستہ سینوں کو سیماب کا اضطراب نہیں دے سکتا۔ لفظی خوش نمائی، دلوں کی ویران پگڈنڈیوں کو بہار کی رعنائی عطا نہیں کر سکتی۔ گویا عمل کا حسن ہی فکر کو تاثر عطا کرتا ہے۔ نعتیہ قصائد سیرت کے اس پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نبی پاکؐ انبیائے کرام کی طویل فہرست کا مطلع ہونے کے ساتھ ساتھ مقطع بھی تھے۔ آپؐ نے قرآن پاک کو ایک ضابطے کے طور پر پیش کیا اور اس ضابطے کی عملی تکمیل اپنی سیرت سے کر دی۔ اس سے یہ نتیجہ حاصل ہوا کہ آپؐ کے رخِ کردار نے آپؐ کے پیش کردہ دستور کو ازلی، ابدی اور عملی بنا دیا۔ اسوہ و اصول کی یہی وہ جامعیت ہے جس کی بناء پر دین اسلام قابلِ تحسین ہونے کے ساتھ ساتھ قابلِ تقلید بھی ہے۔

نعتیہ قصائد میں یہ تصور بار بار دہرایا گیا ہے کہ سرورِ کون و مکاںؐ نے اپنے عملِ حسین سے اخلاق کے جواہر پارے لٹائے جن میں دائمی تحریم و تکریم اور مثالی اخلاقی اقدار کی رعنائیاں ہیں۔ اسی لیے آپؐ کو خلقِ عظیم کا معمار کہا گیا ہے جس میں حق و صداقت کی جملہ صفات ہیں اور آپؐ کی تعمیر کردہ عمارت اس قدر پائیدار ہے کہ اس کی خوب صورتی دنیا کے آخری لمحے تک قائم و دائم رہے گی۔

نعتیہ قصیدہ گو اس حقیقت کو بھی حرزِ جاں بناتے ہیں۔ ان کی زندگیاں اگر رسولِ اکرمؐ کی محبت سے لبریز نہیں، ان کا عشق اگر سیّد عالمؐ کی زندگی سے منور نہیں، ان کے خیالات و جذبات میں تعلیماتِ معلمِ اعظمؐ سے پُر جمال نہیں تو ان کے

اشعار بھی بے معنی اور بے مقصد ہوں گے۔ ان کی فکر کے سوتے جب بحرِ اخلاقِ رسولؐ سے فیض پائیں گے تو ان کا نعتیہ کلام بھی پُر تاثیر ہو گا۔

شعرائے حمد و نعت کی کیفیت تسلیم شدہ ہے کہ ان کے جذبات و احساسات اور اظہارِ خیالات کا رُخ اوّلین خدا کی طرف ہوتا ہے جو نفس اعلیٰ و کامل ترین ذات ہے جو نفسِ انسانی کا ملجا و ماویٰ ہے اگر خدا کی ہستی کے سوا کسی اور شے کو ہم منشائے حیات اور غایت ہستی قرار دیں گے تو یہ حق کے خلاف اور نفسِ انسانی پر ظلم ہو گا۔ اب اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت عظمیٰ ہے کہ محمدؐ اللہ کے آخری نبی ہیں جن پر تمام اخلاقی اقدار مکمل ہو چکی ہیں اور ان کا فرض یہ بھی تھا کہ انسانی شخصیت کی تعمیر و تشکیل کا فریضہ ادا کریں۔ بنی نوع انسان کو نیکی کے خوگر بنائیں اور گناہوں سے اجتناب کا درس دیں۔ انھی صفاتِ عالیہ کو ہم اخلاقِ محسنِ انسانیت ﷺ قرار دیتے ہیں اور شعرائے نعت نے صفتِ اخلاق کو نعت کا موضوع بنایا۔

نشر توحید:

نعتیہ قصائد میں حضورؐ کی سیرت مبارکہ کا اولین نکتہ نشرِ توحید قرار دیا جاتا ہے۔ حضورؐ نے نعرہ توحید اس وقت بلند کیا جب خانہ کعبہ میں جو خدائے واحد کے لیے تعمیر ہوا تھا ۳۶۰ بت نصب تھے۔ ملک حجاز کے ہر گھر میں ایک بت موجود تھا جس کی پوجا صبح و شام ہوتی تھی ایسے شہر میں جو بت پرستوں کا گڑھ ہو، نعرۂ توحید بلند کرنا آسان بات نہ تھی۔ حضورؐ نے اس راہ میں بہت سے مصائب جھیلے اور مسلسل تیرہ برس تک توحید کی اشاعت کی اور کچھ لوگوں کو اپنا ہم خیال بنایا۔

محسن انسانیتؐ کی زندگی کے شب و روز شمس و قمر کی طرح روشن ہیں۔ کہیں توحید و رسالت کے قمقمے ٹمٹماتے ہیں تو کہیں محبت و شفقت اور اُلفت و رحمت کے لمحے جگمگاتے ہیں۔ آپ کی زیست کی ایک ایک ساعت دعوت حق و صداقت اور قرآنی احکامات کو دلوں میں بسانے کی ریاضت اور تکلیف و صعوبت برداشت کرنے میں بسر ہوئی۔ ظلم و ستم کا وہ کون سا حربہ ہے جو استعمال نہیں کیا گیا۔ طائف کے لہو رنگ لمحات نعتیہ قصائد میں لالہ زار اور زر نگار ہیں۔ پیکر خوش ادا نے زخم کھائے مگر زبان مبارک سے دعاؤں کے پھول برسائے۔ طائف کے سوق و بازار، لات کے پجاری تین بھائی عبد یالیل، مسعود اور حبیب بنو ثقیف کے سردار، خون خوار، خیر کی اقدار سے بے زار، رحمت عالمؐ کی اسلام کی دعوت سے بپھر گئے۔ ذہنی کم مائیگی کا اظہار کرتے ہوئے رحمت کائناتؐ کے درپے آزار ہوئے۔ غنڈوں، اوباش لڑکوں اور بازاری گماشتوں کو اُبھارا۔ پتھروں کی بارش، نازک بدن جسم اطہر لہولہان ہو گیا۔ خون بہنے لگا، جوتے لہو سے بھر گئے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ پتھروں کے سامنے ڈال بنے، سر پھٹ گیا۔ کیسی حالت ہے، محسن انسانیت درندوں کے چنگل میں نڈھال، اہل طائف کے کردار سے ملال مگر اپنے فرض کی ادائیگی میں خالق کائنات کی راحت دوام اور الطاف و اکرم کے امیدوار ہیں۔ محبت جوش میں آتی ہے دعا کے لیے ہاتھ بلند ہو جاتے ہیں۔

"اے خالق ارض و سماوات! میں اپنی کم زوری، اپنی بے بسی اور لوگوں کی نگاہوں میں اپنی بے قدری کی فریاد لے کر تیری ہی بارگاہ میں حاضر ہو رہا ہوں۔ اے رحم کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے! تو ہی بے سہاروں کا سہارا ہے۔ عاجزوں کا مالک ہے اور میرا مالک بھی تو ہے۔ مجھے تو کن کے سپرد کر رہا ہے۔ بیگانوں کے یا ان دشمنوں کے، جنھیں میرے اوپر قابو پانا آسان ہو؟ اگر تو ناراض نہیں تو مجھے کسی کی بھی پروا نہیں کیوں کہ تیری حفاظت میرے لیے بہت وسیع ہے۔ میں تیری ذات کے نور کی پناہ میں آتا ہوں جو تمام اندھیروں کو اُجالے میں بدل دیتی ہے۔ مجھے تیری ہی رضا درکار ہے۔ نیکی کی طاقت اور بدی سے بچاو کی طاقت تجھی سے ملتی ہے۔"

حضرت جبریل امین علیہ السلام کی آواز گونجتی ہے۔ "اے محمد! اللہ نے سب کچھ سن لیا ہے۔"

اس وقت پہاڑوں کا فرشتہ حاضر ہے۔ آپ جو چاہیں حکم فرمائیں۔ فرشتہ حاضر ہوا اور کہا کہ اگر آپ حکم فرمائیں تو میں اہل طائف کو ان کے دونوں طرف اونچے کھڑے پہاڑوں کی درمیان کچل ڈالوں۔

مگر رحمت للعالمین ﷺ نے فرمایا:

"مجھے رحمت للعالمین ﷺ بنا کر بھیجا گیا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ ان کی پشت سے اللہ تعالی ایسے لوگ پیدا کرے گا جو صرف ایک اللہ کی عبادت کریں گے اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہیں کریں گے۔"(۲)

اس سے بڑھ کر رحمت کی مثال اور کہاں سے مل سکتی ہے کہ دشمنوں کی خطائیں بھی معاف ہوئیں بلکہ ان کے لیے دعائیں ہوئیں۔ فتح مکہ کے بعد خون کے پیاسوں، قریش کے سرداروں کو معاف کرتے ہوئے فرمایا: لا تثریب علیک الیوم۔ آج تم پر کوئی الزام نہیں، جاو تم سب آزاد ہو۔ شاعروں نے اپنے نعتیہ قصائد میں آپؐ کی سیرت پاک کے اس پہلو پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

رحمت و رافت:

حضور رسالت مآبؐ کی سیرت کا تابندہ آفتاب حضورؐ کی رحمت للعالمینی ہے، جس سے دنیا کا ہر ادنی و اعلیٰ، گورا و کالا، دوست و دشمن، حتیٰ کہ جانور بھی مستفیض ہوئے۔ وہ پیغمبر سیرت کہ جس کے کردار کی بلندیوں کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔ وہ پیغمبر سیرت جس نے پتھر کھا کر پھولوں کی بشارت دی، جو اپنی راہ میں بچھائے گئے کانٹوں پر چل کر جنت کے گل زاروں

کی خوشخبری سے نوازتا رہا، جو اپنے لہو کے پیاسوں کو ادائے رحمت سے نوازتا رہا، قتل کے منصوبے بنانے والوں کو جان کی امان دیتا رہا، گالیاں دینے والوں کو رحمت کی دعائیں دیتا رہا۔ وہ صاحبِ نعت جو جانِ سیرت تھا۔ وہ بغض و حسد میں دبے ہوئے دلوں کو فکر کی طہارت عطا کرتا رہا۔ راہِ حق سے بھٹکے ہوئے انسانوں کو صراطِ مستقیم پر گامزن کرتا رہا۔

وہ دوسروں کا حق غضب کرنے والوں کو انسانی حقوق کا احترام سکھاتا رہا۔ وہ بے یاروں کا یار اور الم رسیدگانِ ہستی کی آخری ڈھارس تھا وہ پیٹ پر پتھر باندھ کر دنیا بھر کے خزانے تقسیم کرتا رہا۔ وہ پیغمبر سیرت جس نے نہ کہنا سیکھا ہی نہیں تھا جو قاسمِ انعاماتِ ربانی تھا مگر کئی کئی وقت کے فاقے کاٹتا تھا۔ جس نے عرب کے بادیہ نشینوں کو قیصر و کسریٰ کی قبائیں عطا کیں، گرتے ہوؤں کو اوپر اٹھایا اور گم راہوں کو خدا کی معرفت عطا کی۔ وہ پیغمبر سیرتؐ وہ مرکز نعت، وہ مرجع عقیدت کہ جس کی سیرت سے قیامت تک اپنے ہی نہیں بلکہ اغیار بھی خوشہ چینی کرتے رہیں گے۔ شعرا نے حضورؐ کے بحر رحمت، دریائے کرم ،لطف و شفقت اور مہر مروت کی طغیانیاں اپنے اشعار میں دکھائی ہیں۔

سرورِ کائنات ﷺ کی محبت و شفقت کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ بنی نوع انسان، حیوانات، جمادات سب آپؐ کی نگہِ التفات میں یکساں تھے۔ تکالیف و مصائب میں مبتلا ہر کہہ و بے کہہ اور کس و بے کس آپؐ کی توجہِ کریمانہ سے اپنی تلخیاں فراموش کر کے شاداں و فرحاں زندگی سے لطف اندوز ہو جاتا تھا۔ یتیم ہو یا مسکین، غریب ہو یا محتاج آپؐ کی دست شفقت سے فیض یاب ہو کر زندگی کی کش مکش میں خوشی خوشی حصہ لیتا تھا۔ رحمتِ عالم ﷺ کی حیاتِ طیبہ دل نوازی، غریب پروری اور مشفقانہ خصائل سے لبریز ہے۔ کتنے ہی واقعات زبان زدِ عام و خاص ہیں۔ محسنِ انسانیت ﷺ زخم ہائے جسم و جاں اور پریشان حال، گریباں چاک انسانوں کے چارہ گر و غم گسار بنے۔ ان کے زخموں پر مرہم رکھا اور ان کے پھٹے ملبوس کو رفو کیا۔ خصوصاً یتیموں اور بے وارثوں سے محبت آپ کو تھی یہ عالم ہست و بود اس کی مثال دینے سے قاصر ہے۔

رحمت للعالمین ﷺ نے اپنی رفیقۂ حیات حضرت عائشہ صدیقہ سے فرمایا:

> اے عائشہ کسی مسکین (سائل) کو اپنے دروازے سے خالی ہاتھ نہ پھیر و خواہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ دینے کو ہو۔ اے عائشہ غریبوں سے محبت رکھو اور ان کو اپنے سے نزدیک کرو اللہ تم کو اپنے نزدیک کرے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح، باب فضل الفقرا)

قرآن حکیم کی مختلف آیات سے یہ بات وضاحت سے ہماری رہنمائی کرتی ہے کہ یاد رکھو ارحم الراحمین کی ذات صرف اور صرف اللہ کی ذات ہے۔ باقی سب مخلوقِ خدا، جن و انس اور جن میں انبیائے کرام اور مرسلین عظام بھی شامل ہیں، اپنے خالق و مالک، حاکم و مدبر اور اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں۔ اس لیے صنفِ نعت کا یہ موضوع و مضمون بھی بے حد احتیاط طلب کرتا ہے۔ قرآنی آیات و احکامات اور ارشادات سرورِ کائنات ﷺ اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ ذاتِ واحد و لا

شریک سے زیادہ کوئی رحمٰن و رحیم نہیں ہے۔ رحمت للعالمین ﷺ کی رحمت کے دائرے کو ربّ العالمین کے دائرہ رحمت سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے۔ یوں اہل ایمان پر لازم ہے کہ اس فرق کو حرزِ جاں بنائیں اور اس میں اطاعت رحمت للعالمین ﷺ، اطاعت ربّ العالمین ہے۔ اگر ان حدود و قیود کا خیال نہ رکھا جائے گا تو اس افراط و تفریط کا نتیجہ اللہ تعالیٰ کی ناراضی میں داخل ہو جائے گا، لہٰذا رحمت کے اظہار میں بھی بے حد توجہ درکار ہے۔ الوہیت اور رسالت کا اپنا اپنا مقام ہے۔

خلقِ عظیم:

اخلاقِ حسنہ کی یہ سب سے اعلیٰ صفت ہے جسے ہر پیغمبر کی فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے۔ امانت و دیانت اور ایفائے عہد بھی اس شجرِ وصف کی شاخیں ہیں۔ سرورِ عالم ﷺ کی شانِ صداقت کی گواہی تو آپؐ کے بدترین دشمن بھی دیتے تھے۔ بعثِ رحمت للعالمین ﷺ سے قبل بھی مکہ کا ادنیٰ و اعلیٰ فرد، بچہ بچہ سب آپ کو صادق و امین پکارتے تھے۔

انبیاء کا مشن دیگر مصلحین سے ہمیشہ مختلف رہا ہے کہ مفکرین صرف فکر دیتے ہیں عمل کا نمونہ نہیں دیتے، شاعر صرف سمع و بصر کو جنت عطا کرتے ہیں مگر من کی دنیا کو نور عطا نہیں کرتے، مقنن قانون کا ضابطہ دیتے ہیں مگر خود کو اس قانون کے مطابق نہیں ڈھالتے، جب کہ انبیا نظریے کے ساتھ ساتھ عمل کا خوب صورت نقش بھی پیش کرتے ہیں اور عمل کی یہی صالحیت، دلوں میں ترازو ہو جایا کرتی ہے۔ نبی پاکؐ آیہ کائنات کے لیے وہ معنی دیریاب تھے جس کی تلاش میں رنگ و بو کے قافلے ازل سے رواں دواں تھے۔ اس لیے آپ نے انسانیت کو آخری دستور حیات عطا کیا جو بہر اعتبار مکمل اور بہر نوع قابل عمل ہے۔ اسی مکمل ضابطہ حیات کی ایک ایک شق کی عملی تفسیر اسوۂ رسولؐ ہے۔ قرآن ایک الوہی ضابطہ حیات ہے اور نبی پاکؐ کی حیات مطہرہ اس کی دل آویز وضاحت۔ اس الوہی قانون زنگی کو اگر قرآن صامت کہتے ہیں تو حضورؐ قرآن ناطق ہیں۔ قرآن متن ہے اور سیرت خیر الانامؐ اس کی جامع تشریح۔ متن بھی اکمل ہے اور تشریح بھی اجمل ہے۔ اس اکمل و اجمل کے امتزاج میں کسی اضافے و ترمیم کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تکمیل کے بعد اضافہ و ترمیم بے کار ہو جایا کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ نظام حیات پریشان، آلودہ درماں اور بے سر و ساماں انسانیت کی رگوں میں یوں اتر گیا ہے جیسے باد سحر گاہی کا نم، شاخِ گل کے ریشے ریشے میں سما جاتا ہے۔

مشرق و مغرب میں ہر جگہ، ہر مقام پر صبح و شام، روز و شب، خالق ارض و سمٰوات کے ذکرِ ربوبیت و الوہیت کے بعد ذکر، رفعتِ ہادی برحق ﷺ گونجتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سیّد البشرؐ کو جہاں زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی کا فریضہ انجام دینے کے لیے تیار کیا، بنی نوع انسان کو دنیوی اور اخروی فلاح سے ہم کنار کرنے کے لیے اوصافِ جمیلہ سے نوازا، وہاں آپؐ کو اخلاقِ حمیدہ کی تمام خصوصیات کا حامل بھی بنایا۔ اس اخلاق کے کامل ترین نمونہ کی شہادت خود آں حضرت ﷺ کے اس ارشاد سے بھی ملتی ہے جب رحمت عالم ﷺ نے فرمایا: انما بعثت لاتمم المکارم والا خلاق جب کہ ایک روایت میں

بعثت لاتمم حسن الاخلاق۔ میں اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاقی خوبیوں کو کمال تک پہنچادوں۔ قرآن حکیم نے ایک اور مقام پر آپؐ کے اخلاق کی عظمت وفضیلت کے سوال کو احسن طریقے سے حل کر دیا ہے۔

"قل ان صلاتی و نسکی و محیای و مماتی لله رب العٰلمین

لاشریک له وبذالک وانااول المسلین (انعام۱۲۳،۱۲۲)

ترجمہ: اے محمدؐ کہہ دیجئے میری نماز، میرے تمام مراسم عبدیت، میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اللہ ربّ العالمین کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لیے مجھے مامور کیا گیا ہے اور میں اوّل المسلمین ہوں۔"

قرآن کریم کی یہ آیت حضور علیہ السلام کے اعلیٰ ترین اخلاق کے بارے میں بیان کرتی ہے، بے شک یہ اعلیٰ اخلاق کا بلند ترین مقام ہے۔ پیغمبرِ اسلام ﷺ کو اپنی لازوال کوششوں، اپنی روزمرہ زندگی، اپنے افعال اور اپنے پیغمبرانہ اعجاز سے اخلاقِ عالیہ کی تکمیل کے لیے مامور کیا گیا تھا، آپؐ کو اخلاقِ مروجّہ کی تشہیر کے لیے نہیں بھیجا گیا تھا بلکہ آپؐ کو ان اخلاقِ عالیہ اور اخلاقِ حسنہ کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا تھا جو آپؐ کی بعثت سے قبل مفقود تھے۔

المختصر یہ کہ نعتیہ قصائد آپؐ کو اوّل المسلمین قرار دیتے ہیں کہ آپؐ کی مثل کوئی دوسرا نہیں ہے۔ ان مباحث سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ قرآن کریم کی حکم کے مطابق سرورِ عالم ﷺ نے خود ان اخلاقِ عالیہ پر عمل کر کے دکھایا، ان پر عمل کرنے کا حکم صادر فرمایا اور ان اعمالِ رذیلہ سے ہمیشہ اجتناب فرمایا جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا۔ یعنی تشکیلِ معاشرہ اور اُمتِ بیضا کی فضیلت میں ان دونوں زاویوں پر زور دیا، ارشادات کے ساتھ ساتھ عملی اقدام پر بھی توجہ فرمائی۔ محمد انوار الحق، اپنے مضمون "اوصافِ رسول" بشمول نقوش رسول نمبر شمارہ ۳ میں سیرت طیبہ کے دو طرح کے اعمال کا ذکر کرتے ہیں۔ اول وہ اعمال جن کے لیے حضورؐ نے اجر وثواب کا مژدہ سنایا اور دوم وہ اعمال جن سے ممانعت فرمائی گی۔ آپ لکھتے ہیں:

پہلی شاخ میں شامل جن فضائل کا اظہار فرمایا ان کے اجر وثواب کا مژدہ سنایا وہ یہ ہیں۔ خوش اخلاقی، عفوودرگزر، حلم و تحمل، صلح جوئی، توکل خوش کلامی، اطاعتِ والدین، رحم، غصے کو پی جانا، حیا، صلۂ رحمی، راست گفتاری، ایفائے عہد، عبادت، تعزیت، مہمان نوازی، سخاوت، میانہ روی، اجازت طلبی، حیوانوں پر رحم، زبان کی حفاظت، سادگی، استغنا، غربا کی اعانت، حلال رزق، مشورہ، سلام، بچوں پر شفقت، عدل وانصاف، انکسار، تواضع، باہمی امداد، صداقت وامانت وغیرہ۔

دوسرے ارشادات جو ممانعت کے زمرے میں آتے ہیں یہ ہیں: خیانت، دروغ گوئی، قطع رحمی، تمسخر، بدگمانی، غیبت، بے حیائی، بخل، حسد، بغض و کینہ، تکبر،، ریاکاری، بدکاری وغیرہ۔

خلق عظیم ہونے کا بالکل فکری اور منطقی مفہوم یہ ہے کہ انسانیت کو اس کا خالق جس درجۂ کمال پر پہنچانا چاہتا تھا وہ محمد ﷺ کی شخصیت میں جلوہ گر ہو گیا۔ اب قیامت تک نہ کوئی اس درجۂ کمال کو پہنچے گا نہ لائق اتباع ٹھہرے گا۔ ہر آنے والے کو خواہ وہ مہدی ہو یا مسیح موعود، محمد ﷺ کی اتباع کرنی ہو گی۔ اب نہ کسی کی شریعت چلے گی، نہ کوئی غیر مشروط اطاعت و فرماں برداری کا مرکز بنے گا نہ کسی پر وحی نازل ہو گی، نہ کتاب حکمت اور میزان اُترے گی کیوں کہ ان سب کے نزول کا مقصد اسوۂ حسنہ اور خلق عظیم کی صورت میں پورا ہو گیا ہے۔ اب کوئی نیا نبی آکر کیا کرے گا۔ کیا وہ انسان کے اخلاق کو اس کے آگے لے جا سکے گا جہاں محمد ﷺ چھوڑ گئے؟"(۳)

نعتیہ قصائد اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں کہ خود اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے اخلاقِ حسنہ کی تکمیل پر مہر ثبت کر دی اور خود رسولِ اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع میں تصدیق کر دی۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اُمتِ مسلمہ کو بھی بشارت دیتا ہے کہ تمھاری عظمت و فضیلت کا دار و مدار اطاعتِ نبی اکرم ﷺ پر ہے جن پر دین و اخلاق کی تمام رفعتیں مکمل ہو گئیں۔

"الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا۔ (المائدہ:۳)

ترجمہ: آج میں نے تمھارے دین کو تمھارے لیے مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو تمھارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے۔"

چناں چہ نظامِ مکارمِ اخلاق بھی جو دین کا ایک شعبہ ہے خود بخود رحمتِ عالمؐ پر مکمل ہو گیا ہے۔ اب ہادیٔ برحقؐ سے محبت کا نظام بھی پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا جس کی بنا پر مومن کا فرض بن گیا ہے کہ وہ محسنِ انسانیتؐ سے محبت کا فرض ادا کرے کیوں کہ رسول اکرمؐ سے محبت در حقیقت باری تعالیٰ ہی سے محبت ہے۔ قرآن میں اس کی وضاحت موجود ہے۔

"قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ و یغفرلکم ذنوبکم واللہ غفور رحیم (آل عمران:۳۱)

ترجمہ: اے نبیؐ! لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمھاری خطاؤں کو در گزر فرمائے گا وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔"

نعتیہ قصائد کے مطابق خالقِ کائنات نے رسول اکرمؐ کے اسوۂ حسنہ کو زندگی گزارنے اور کامیابی حاصل کرنے کا بہترین نمونہ بھی قرار دیا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے اطاعتِ رسولؐ بنیادی شرط ہے اور اس سے اللہ خوش ہوتا ہے اور اپنے مومن بندوں سے محبت کرتا ہے۔ اسی طرح اللہ یہ بھی تقاضا کرتا ہے کہ رسولِ اکرمؐ کے اسوۂ حسنہ یا اخلاقِ حسنہ کی پیروی کرو۔

"من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ (النسا:۸۰)

ترجمہ:۔ جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے دراصل اللہ کی اطاعت کی۔"

اللہ ربّ العزت نے جناب رسالت مآبؐ کو اس کائنات کے ہر زمانے اور ہر فرد انسانی کے لیے رہبر و رہنما، رحمت للعالمینؐ اور خلقِ عظیم کا مثالی نمونہ بنا کر مبعوث فرمایا۔ زمان و مکاں کی قیود جب تک قائم رہیں گی، محسن انسانیت ﷺ کی رسالت کا دائرہ قائم و دائم رہے گا۔ اسی طرح رحمت عالم ﷺ کا رخشندہ و تابندہ اسوۂ حسنہ بھی ہر انسان کی زندگی کا نور بنے گا۔ آپؐ کا حسنِ اخلاق، جذبۂ ترحم معاشرتی و معاشی ضیا بار کردار، اُمت مسلمہ کی صلاحیتوں کو پُر بہار بنانے کے لیے اور دنیا میں نیکی کی عمل داری کے لیے آپؐ کی اخلاقی اقدار مہر عالم تاب کی طرح تاباں رہیں گی۔ دنیا میں تمام نسلِ آدم سرور کائنات کے اخلاقِ پُر انوار سے مستفید ہوتے رہیں گے۔

خلق عظیم کے حوالے سے نعتیہ قصائد کا اہم پہلو یہ ہے کہ حضور رسالت مآبؐ کے خلق کو قرآن مجید کہا گیا ہے۔ آپؐ نے خود فرمایا کہ میں دنیا میں مکارمِ اخلاق کے قیام کے لیے آیا ہوں۔ حضورؐ کی سیرت میں خلق کو بھی بہت اہمیت حاصل ہے۔ شعراء نے اپنے نعتیہ قصائد میں حضور اکرمؐ کے اخلاق حسنہ پر قابلِ قدر زورِ قلم صرف کیا ہے۔

اس رحمت و رافت اور محبت و شفقت کی تاریخ جامع مکارم اخلاق، تاجدار حرم کے اسوۂ حسنہ کی تابانیوں سے آج بھی ضیا بار ہے۔ یہ تجلیات اپنے اندر قرآن حکیم کی بے شمار کرنیں محفوظ کیے ہوئے ہیں۔ اس دنیائے فانی میں جگمگ جگمگ کر رہی ہیں، گفتار خیر الوریٰ، تصورات مقتدائے انبیا اور پیکر صدق و صفا اپنے اندر ایسے لمحات رکھتی ہے جو نور سحر بن کر تاریکی شب چیرتے ہوئے رحمت کی شعاعیں پھیلا رہی ہے۔ دل جوئی، غریب پروری اور حق رسی آپ کی سیرت کے ضوفشاں دائرے ہیں۔ صداقت و حقیقت اور لطافت و نظافت کے یہ جذبے جب تخلیق نعت کے شاعرانہ رویے سخن کی کشت شاداب میں گل ہائے رنگا رنگ بن کر مہکتے ہیں تو قلب و نظر کو بھی احساس عقیدت کی ضیائیں عطا کرتے ہیں، شرط یہ

ہے کہ شاعر، رحمت للعالمین ﷺ کے اسوہ عظیم کی نزاکتوں، فضیلتوں، حقیقتوں، شہادتوں اور ظرافتوں میں پنہاں جاں گداز صداقتوں کا فہم و شعور رکھتا ہو۔ جناب عزیز احسن کی یہ بات ایک کسوٹی بن جاتی ہے کہ :

> "شاعری میں آفاقی کشش (Universal Appreal) پیدا کرنے کے لیے بلالحاظ موضوع شعر کو شعر بنانا ہوگا کیوں کہ شاعری کا کوئی قاری یا سامع موضوع کی معلومات حاصل کرنے کے لیے شاعری کی طرف مائل نہیں ہوتا وہ تو شاعری پڑھنے اور سننے کا خوگر ہوتا ہے۔ اسی طرح نعت کا قاری یا سامع بھی اپنے شعری ذوق کی تسکین کے لیے نعت پڑھے گا۔ مجرد معلومات کے لیے تو وہ تاریخ و سیرت کی کتب بھی دیکھ سکتا ہے۔"(۴)

سخن وروں نے نعتیہ قصائد میں کریم و مکرم، صاحب خیر و مقسم اور حلیم و حکیم ﷺ کے اوصاف کریمانہ، جذبات رحیمانہ اور کردار شفیقانہ کی مختلف معاشرتی سطح پر پھیلی کرنوں کو مدحت کی زینت بنایا ہے۔ یہ کارواں نعت گل ہائے عقیدت بانٹتا، ہر عہد میں عشق و محبت سرور کائنات ﷺ کی شمعیں جلاتا چلا آرہا ہے۔ نعتیہ قصائد کا جدید عہد بھی رحمت کی گھٹاؤں سے شبنمی موتی حاصل کر رہا ہے۔ دل کی کلیاں چٹک کر رحمت کی خوشبو چاروں طرف پھیلا رہی ہیں۔

عدل و مساوات :

اسوۂ حسنہ کی کلیاں گلستانِ اخلاق و ادب میں چٹکتی ملتی ہیں۔ معاشرتی زندگی ہو یا معاشی پہلو ہر قیام پر اخلاقی اقدار ضیا بار نظر آتی ہیں۔ احترامِ انسانیت کا درسِ منور بھی ادنیٰ و اعلیٰ کی تخصیص کے بغیر جاری رہا۔ مساوات کی قدر کا حسیں اسلوب آقا اور خادم کو ایک صف میں کھڑا کر دینے سے ملا، ایک ہی دستر خواں پر بیٹھنے سے ملا۔ مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا "انما المومنون اخواۃ" اسی خلقِ عظیم کی دلیل ہے جہاں انکساری و سخاوت، صداقت و امانت، عفو و رحم زہد و قناعت کے درخشاں نمونے آپؐ کے اخلاقِ عالیہ کی ضیائیں پھیلاتے ہیں وہاں آپؐ کی مساوات پسندی کی جہتیں بھی منزلِ مقصود کا پتہ دیتی ہیں۔

محسنِ انسانیتؐ کی نظر میں امیر و غریب، صغیر و کبیر، آقا و غلام سب برابر تھے۔ آسمانِ نبوت میں چند چمکتے ستارے ایسے بھی تھے جو سرداران قریش کے غلام رہ چکے تھے صہیب رومی اور بلال حبشی ان میں مصائب کی تند و تیز چکیوں میں پستے رہے مگر رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں پہنچے تو سیّدنا بلال اور سیّدنا صہیب بنے اور روسائے قریش سے کسی طرح کم رُتبہ نہیں رکھتے تھے۔ شعرائے نعتیہ قصائد خلقِ عالیہ کے اس گل پُر ضیا سے اپنے کلام کو تابانی عطا کرتے ہیں۔ کامل و اکمل نبی ﷺ کے اخلاقِ حسنہ کا ایک دریائے کرم قرآن حکیم کی اس آیت کا حسیں بہاؤ رکھتا ہے جس میں حلم، رحم اور عفو کی ہدایت موجزن ہے اور سرزنش کی طغیانی کا نام و نشاں بھی موجود نہیں۔

"والکاظمین الغیظ و العافین عن الناس والله یحب المحسنین۔

(آلِ عمران:14)

ترجمہ:۔ اور غصے کو پی جانے والے اور لوگوں سے در گزر کرنے والے، اور اللہ بھلائی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

حیاتِ طیبہ کا مطالعہ اس بات کا شاہد ہے کہ جناب سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والتحیات نہایت ہی رحیم المزاج واقع ہوئے تھے اور حتی المقدور اپنے بڑے سے بڑے دشمنوں کو بھی معاف فرمادیتے تھے۔ قریش مکہ سے زیادہ سخت دشمن آپؐ کے اور کون تھے۔ آپؐ نے ان کے ہاتھوں کتنی تکلیفیں اٹھائیں۔ مگر فتح مکہ کے وقت آپؐ نے فرمایا: لا تثریب علیکم الیوم و ھوارحم الراحمین۔

غلاموں پر رحمت و شفقت محسن انسانیت ﷺ کی سیرت مطہرہ کا ایک ایسا باب ہے جس کے دل خراش واقعات نے آپ کے قلب رقیق کو بے حد متاثر کیا، ایسے ایسے کرب ناک اور دردانگیز سانحات آپ کی زندگی میں رونما ہوئے کہ آں حضور ﷺ کی داڑھی مبارک غم واندوہ کے سبب آنکھوں سے برسنے والی برسات سے بھیگ جاتی، کلیجہ چھلنی ہو جاتا مگر حوصلہ و بردباری کی تلقین ان غلاموں اور لونڈیوں کو جذبہ صبر سے لبریز کر جاتی۔

جب گل ہائے توحید کے پیغام کی خوش بو باد سحر گاہی کے دوش پر سوار ہو کر جگہ جگہ پہنچتی اور امیر ہوں یا غریب سب کے دلوں کو گدگداتی تو ایسے لوگوں کے دل کی کلیاں بھی کھل اٹھتیں جو بے یار و مددگار اور غلاموں، لونڈی یا پھٹے پُرانے کپڑوں میں ملبوس، شام و سحر مزدوری کرنے والے، دوسروں کے رحم و کرم پر زندگی گزارنے والے انسان نحیف و نزار تھے۔ سرداران قریش کی شبانہ روز سختیاں، بلال ہوں یا عمار، یاسر ہوں یا خباب، سمیہ ہوں یا ابو نکیہ علیہم الرضوان سب کی زندگیاں اجیرن کرنے لگیں۔ موسم کی سخت گرمی، تپتی ریت اور سنگ لاخ زمین ان کے جسم و جاں سے خون نچوڑ لیتیں، ان مظالم کا مشاہدہ رسول رحمت ﷺ کو بھی خون کے آنسو رُلا جاتا۔

"رحمت کے کتنے زاویے کتنے دائرے ہیں جو ہر دل گداز، صاحب عجز و نیاز کو اپنی تحویل میں لے لیتے ہیں۔ لونڈی، غلام اور خادم کی خبر گیری اور نیک سلوک کے لیے حسین و جمیل ارشادات آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں:

1) لونڈی، غلام تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ نے ان کو تمہارا ماتحت بنادیا ہے۔ جس کے پاس لونڈی یا غلام ہو، وہ اُسے برابر کھلائے، برابر کا پہنائے، طاقت سے بڑھ کر اس سے کام نہ لے مشکل کام میں اس کی مدد کریں۔

2) لونڈی یا غلام کو آزاد کرنا اپنے آپ کو دوزخ سے چھڑا لینا ہے۔
3) ایک نے پوچھا، خدمت گار کو کہاں تک معاف کیا جائے، سرور کائنات ﷺ نے فرمایا: "دن میں ستر دفعہ۔"(۵)

مخزنِ شفقت، عین عنایت، مصدرِ رافت ﷺ کی حیات طیبہ کا ایک ایک لمحہ، ایک ایک لحظہ اور ایک ایک نکتہ خواہ وہ مکی دور کا ہو یا مدنی دور کا، ظلمت دہر میں روشنی کا مصدر، رحمت و رافت کا مظہر ہے۔ غلاموں، باندیوں، کنیزوں اور لونڈیوں کا یاور ہے۔ عصر حاضر بھی نہایت پُر آشوب ہے، کمزور قوم طاقتور حکمران کے ظلم و ستم کا نشانہ بن رہی ہے۔ بربریت کی تاریخ پھر دہرائی جارہی ہے۔ وہ مراحل جو نبی رحمت، پیکر شفقت اور خزینہ صداقت کے زمانے میں دولت ایمان سے فیض یاب ہونے والوں کے لیے تلخ اور جور و ستم کا جنگل بنے ہوئے تھے موجودہ دور میں پھر اہل ایمان کی آزمائش کا سبب بنے ہوئے ہیں، آگ کے شعلے بھڑکتے ہیں اور مظہر رحمت مہر نبوت ﷺ کے غلاموں کو جلا کر راکھ کر دیتے ہیں۔ فکر و شعور کے نور سے منور، حسان طبائع، تخلیقی قوت کی نعمت کے امین شعرائے کرام اس عہد کی بارود کی بارش میں موت کے گھاٹ اُترتے مسلمانوں کو دیکھتے ہیں تو راحت قلب پریشان، رحمت دو عالم و عالمیان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں مظالم کی بوچھار کا منظر اپنے سامنے پاتے ہیں۔ محسن انسانیت ﷺ کے لب لعلیں سے نکلتی دعاؤں، دل کی گہرائی سے اُبلتی دلدوز صداؤں اور جاں گداز آہوں کی تاثیر سے اپنے تصورات و خیالات اور فکر و شعور کو حلم و حکمت کا مرقع بنا لیتے ہیں، پھر رحمت کے بحر سے ہوائیں ایسے بخارات لے اُٹھتی ہیں جن میں گہرہائے لطافت چمکتے دمکتے ہوتے ہیں جو چمنستان مدحت پر نچھاور ہو جاتے ہیں۔ شعرائے نعت اس جمال رحمت سے اسلوب کی دل کشی، فکر و نظر کی آگہی، انتخاب الفاظ و تراکیب کی ساحری اور استعارات و کنایہ کی تازگی پاتے ہیں۔ یوں نعت درد کا درماں، ظلمت دہر میں ضوفشاں اور لطف و محبت کا بیاں بن جاتی ہے۔ سرور کونین ﷺ کی ہدایت و رحمت کے گل ہائے پُر بہار مہکنے لگتے ہیں۔ پھر نعت ہر زخم کا مرہم بن جاتی ہے، موجہ دریائے رحمت بن جاتی ہے۔

اس فیض عام کی تلاش میں ذہین و فطین، دلدادگان صنف نعت، شعرائے کرام سرگرداں ہیں۔ رحمت للعالمین ﷺ کی غلامی کا طوق کا گلے میں ڈالنے کے خواہاں ہیں۔ آقائے نامدار شہر طیبہ کے تاجدار، سید ابرار ﷺ کی رحمت و شفقت کے طلب گار ہیں، وہ جانتے ہیں کہ اس غلامی پر ہزاروں آزادیاں قربان ہیں۔ یہ وہ رحمت ہے جو سخن وری کا وقار ہے، جس میں خیالات و افکار کا لہلہاتا گلزار ہے اور اسی میں عزت و عظمت و رفعت و افتخار ہے۔

فقر و غنا:

معاشرتی و سیاسی زندگی میں عدل و انصاف کی اہمیت کسی سے مخفی نہیں پھر اخلاقِ حسنہ میں عدل و انصاف ایسا پُر بہار پھول ہے کہ جس کی خوش بو سے تقویٰ معراجِ کمال کو پہنچتا ہے۔ خالقِ کائنات نے عدل و انصاف کے متعلق اپنی کتابِ مبین میں جس حُسین میں فرمان جاری کیا ہے:

اے نبیؐ! ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ تمھاری طرف نازل کی ہے تاکہ جو راہِ راست اللہ نے تمھیں دکھائی ہے، اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو۔ (النساء ۱۰۵:۴)

رحمتِ عالم ﷺ کا اسوۂ حسنہ احکام خداوندی کا روشن نمونہ ہے۔ آپ کی سیرت طیبہ میں اخلاقِ عالیہ کا یہ پھول مہکتا ملتا ہے بلکہ ربّ کائنات نے اہلِ ایمان کو سرورِ کائنات ﷺ کی اطاعت میں اس قدر کی طرف توجہ دلائی ہے اور باہمی اختلافات میں حضور ﷺ کو قاضی مقرر فرمایا ہے:

اے نبیؐ! یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو، اس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ کامل طور پر تسلیم کر لیں۔ (النساء ۶۵:۴)

اخلاق عالیہ کا یہ وصف ہر انسان کو متقی اور بااعتماد بناتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ معاشرے کی ترقی اور بھلائی بلکہ حکومت کی بقا کا راز اس میں مضمر ہے۔ اسی لیے تو عدل کو حکومت کی ریڑھ کی ہڈی کہا جاتا ہے، اعتبار و اعتماد کے سوتے اسی سے پھوٹتے ہیں۔ محسنِ انسانیتؐ کی حیاتِ طیبہ بچپن سے لے کر آخری عمر تک ان اقدارِ عظمیٰ سے لبریز ہیں۔

امام الانبیا ﷺ کی حیاتِ مطاہرہ میں ایسے اخلاقِ حسنہ کے بے شمار گہر ہائے گراں مایہ چمکتے دمکتے ملتے ہیں۔ یہ پُر انوار جذبات و احساسات نعت کی متاعِ عزیز کو ضو فشاں کرتے ہیں۔ محبت کے یہ نغمے احساس کی تاروں کو جھنجھوڑتے اور صدائے پُر تاثیر سے پاکیزگی عطا کرتے ہیں۔ عدل و انصاف کے مرحلے میں دیانت در آتی ہے جو سرمایۂ حیات ہے۔

گلشنِ نعت میں گل ہائے خلقِ عظیم چودہ صد سال سے مہکتے اور اپنی بہار دکھاتے آرہے ہیں۔ اردو نعت بھی برصغیر پاک و ہند بلکہ تمام عالم میں اپنے جمال، بے مثال کا نور پھیلاتی چلی آرہی ہے۔ خلقِ عالیہ کا موضوع بھی اپنی وسعت کے لحاظ سے لاثانی ہے۔ رحمت للعالمین ﷺ کا احسانِ عظیم یہ ہے کہ آپؐ نے اپنے عمل و کردار سے اخلاقیات کے ایسے رنگا رنگ پھول کھلائے ہیں کہ اگر انسانیت آج بھی اپنے دامن میں ان سے چند پھول بھر لے اور اپنے عمل کی زینت بنا لے تو یہ دنیا جنت کا نمونہ بن جائے۔ سیرتِ مطہرہ، اسوۂ حسنہ اور اخلاقِ عالیہ کے موضوعات شعرائے نعت کے احساسات و جذبات کی

تاروں پر مضراب کا کام دیتے ہیں اور ان کے تخیل کو معراج اور اسلوب میں نکھار پیدا کر کے اردو شعر و ادب کو زرخیز بناتے ہیں۔

جب ہم گلستانِ مدحت میں اخلاقیات کی بہار جاوداں میں داخل ہوتے ہیں تو صدق وصفا، جود وسخا، ایثار وعطا، رحم و کرم، عفو و حلم، محبت و شفقت، حسنِ سلوک و شجاعت، صبر و استقامت، زہد و قناعت، عدل و انصاف، امانت و دیانت، مساوات و سخاوت کیسے کیسے اخلاقِ عالیہ اور اسوۂ حسنہ کے نگینے سرزمینِ نعت کو منور کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ایک تڑپ ہے، ایک اضطراب ہے، ایک آرزو ہے، ایک جذبۂ شاداب ہے۔ ایک سچائی ہے، ایک خلوص ہے، ایک محبت ہے، ایک حقیقت ہے جو ہر نعت گو کے قلبِ معطر میں موجزن ہے۔ اسوۂ حسنہ کی جھلک اخلاقِ مطہرہ کی چمک اور سیرتِ عظمیٰ کی دمک بصیرت افروز اور لطف اندوز ہے۔ نعت نگار اپنے تقدس آمیز جذبہ اور وجدانِ صادقہ سے اخلاقِ عالیہ کے سورج اُگاتے چلے جاتے ہیں۔ ان کی وسعتِ نظر اور کشادگیِ قلب صنفِ نعت میں سرمایۂ حیات اور فلاحِ دارین کی حسین کرنیں شامل کرتی نظر آتی ہیں۔

اصنافِ سخن میں صنفِ نعت کی جلوہ نمائی اور اس کے مضامین کی رعنائی فصاحت و بلاغت، تشبیہات و استعارات اور تراکیب و الفاظ کی ایسی چاندنی بکھیرتی ہے جس سے تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں اور کدورتیں دھل جاتی ہیں بلکہ نعت تو سوئے جذبوں کو جگاتی ہے انسانیت کے لیے فضا کو اس طرح سازگار بناتی ہے کہ ہر کہہ و مہہ حبِ سرورِ کائناتؐ اور اتباعِ ہادیؐ کو اپنی زندگی کا اثاثہ سمجھنے لگتا ہے۔

حضور سرورؐ کی سیرت طیبہ کا ایک نمایاں پہلو سادگی، فقر و توکل، میانہ روی، کفایت شعاری اور فضول خرچی کی ممانعت ہے۔ دُرِّ یتیم، پیکر لطف عمیمی، صاحب قرآن کریم کے اسوہ حسنہ کا ہر شعبہ گلستان فصل بہار کی طرح سرسبز و شاداب اور آفتاب و ماہتاب کی طرح ضیا بار ہے۔ آپ کی رحمت کا بحر بے کراں خصوصاً شب و روز طغیانی پر رہا۔ کون سا لمحہ ہے جب لطف و کرم کی موجیں اُٹھ اُٹھ کر قرآن حکیم کے فرمان:

"ویطعمون الطعام علی حبه مسکینا و یتیما و اسیرا۔

(الدھر 8:76)

ترجمہ: اور کھلایا کرتے تھے کھانا اللہ کی محبت میں مسکین کو، یتیم کو اور قیدی کو۔"

نبی رحمت، معدن شفقت، نازش سند امانت اور چشمہ علم و حکمت ﷺ کو یتیموں سے جو دلی محبت اور قلبی اُنسیت تھی، اس کا سبب قرآن مجید کی یہ شہادت بھی ہے:

"الم یجدک یتیما فاوی۔ وو جدک ضلالا فھدی ۔
ووجدک عائلا فاغنی۔ فاما الیتیم فلا تقھر۔ (الضحیٰ93:6-9)

ترجمہ: کیا اس نے تمھیں یتیم نہ پایا پھر جگہ دی اور تمھیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی اور تمھیں حاجت مند پایا پھر غنی کر دیا، تو یتیم پر دباؤ نہ ڈالو۔"

محبت کی ادائیں نرالی ہوتی ہیں، کس قدر پُر ہدایت اسلوب ہے۔ رب کائنات نے یتیموں کے سر پر ہاتھ رکھنے اور ان کی کفالت کرنے کا فرمان جاری فرمادیا۔ اسی تعلیم سے منور ہو کر رحمت عالم ﷺ نے بھی اپنا اسوہ حسنہ پُر بہار بنایا اور اپنی اُمت کو بھی یتیم کی خبر گیری اور نیک سلوک کی ہدایت فرمائی:

"عین ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ خیربیت فی المسلمین بیت فیہ یتیم یحسن الیہ و تربیت فی المسلمین بیت فیہ یتیم لیسا الیہ۔ (ابن ماجہ ج3، ص521)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں کے گھروں میں وہ گھر سب سے بہتر ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہے اور مسلمانوں کے گھروں میں سب سے بدتر وہ گھر ہے، جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ بُرا سلوک کیا جاتا ہے۔"

یتیم سے محبت اس کی قدر و منزلت کے لیے رحمت للعالمین، شافع المذنبین، اکرم الاکرمین ﷺ کے اس ارشاد نے صنف نعت کو بھی درخشاں تصورات، قندیل نورِ کرم کے جذبات اور لطف و محبت کے نغمات عطا کیے ہیں۔ احساسات کے دائرے میں جب خواجہ کون و مکاں، راحت قلب، پریشاں کی چشم انسانیت کے مضامین در آتے ہیں تو نعت نگار کے مصدر بصیرت و عرفان سے بے نظیر و بے مثال گل ہائے عقیدت جنم لیتے ہیں۔ تخلیق کی باد بہاری چمنستان مدحت کو خلد عنبریں اور فردوس بریں کی نشاط جاوداں کی عظمتیں عطا کرتی ہے۔ نعت پھر سرچشمہ برکات، خطبہ عرفات اور رحمت سرور عالم ﷺ کی خیرات بن جاتی ہے۔ شاعر کی تمناؤں اور آرزوؤں کا انتساب بن جاتی ہے بلکہ قارئین اور سامعین کے قلب و نظر کو شاداب کر جاتی ہے۔ نعت میں یتیم سے محبت، رحمت حق کی بارش کا سماں پیدا کرتی ہے۔ ایسے روح پرور مناظر نگاہوں میں سما جاتے ہیں کہ ان کی درخشانی اور جزو سمجھ کر اپنے جذبات افکار و تصورات کا جلوہ سامانی منزل مقصود حیات کی راہ روشن کرتی ہے۔ شاعر نعت کے رحمت کے مضمون کو اپنے جذبات و احساسات کے لیے ایک تحریر سمجھ کر تخلیق شعر میں اپنا خون جگر ڈال دیتا ہے اور اشعار نعت کو سدا بہار بنا دیتا ہے۔

علم ودانش:

آپؐ کے پیش نظر معاشرتی اعتبار، تہذیبی وقار اور تمدنی نکھار تھا۔ ایک ایسے معاشرے کا قیام جو دنیا میں زندگی کے ہر میدان میں پارسائی کا سبق دے۔ آپؐ معلم تھے اور معلم کی صنعت روح انسانی ہوا کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ کی تعلیم وتربیت نے تاریخ کو ایسے انسان عطا کیے جو زندگی کے حقیقی مقصد سے آشنا تھے، جن میں خود آگاہی کے ساتھ ساتھ خدا آگاہی بھی تھی۔ جن پر علم و نظر کی عظمتیں اور فکر و عمل کی رفعتیں ناز کرتی تھیں۔

ہادی برحقؐ پر جبلِ نور کی غارِ حرا میں جب پہلی وحی نازل ہوئی اور آپؐ اس بارِ گراں سے مضطرب ہوئے اور اسی عالمِ اضطراب میں گھر تشریف لائے تو آپؐ کی رفیقۂ حیات اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے الفاظ آپؐ کی راست گفتاری اور صداقت وامانت پر مہر تصدیق ثبت کرتے ہیں جو آپؐ کے اخلاقِ حسنہ پر بے ساختہ آپ کی زبان سے ادا ہوئے:

> آپؐ غم نہ کھائیں، اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی ضائع نہیں کرے گا بلکہ آپؐ کو سرفراز فرمائے گا کیوں کہ آپؐ اقربا سے حسنِ سلوک (صلۂ رحمی) کرتے ہیں، ہمیشہ سچ بولتے ہیں، یتیموں اور مسکینوں کی دست گیری فرماتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں۔ گرے پڑے لوگوں (محتاجوں، درماندوں) کی مدد کرتے ہیں۔ امانت دار، خوش خصائل، نیک فطرت اور بلند حوصلہ ہیں۔ (صحیحین وسیرتِ کبریٰ)

مظہر رحمت، مصدرِ رافت اور مخزنِ شفقت ﷺ کی تربیتی رحمت، تعلیمی عظمت اور تدریسی ندرت کی بہاریں لامتناہی ہیں جن کے بارے میں ہر قصیدہ نگار نے اپنی فہم اور وسعت کے اشعار نظم کیے ہیں۔ جمالیاتِ رحمت کی کرنیں مکی اور مدنی دونوں ادوار میں اذہان، قلبی رجحان اور اخلاقی عرفان کو جلا بخشتی رہی ہیں۔ یہ ایسا دور تھا جس میں انسانیت کا کھردرا پن عام تھا۔ جہالت کے طرزِ کہن میں ہر کوئی اپنے اپنے سلیقے کے مطابق زندگی گزار رہا تھا۔ قبائلی نظام کی عمل داری تھی اور ہر قبیلہ مطلق طاقت اور اقتدار کے حصول میں مگن تھا۔ عرب معاشرہ حقیقتاً ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھا۔ عرب کی یہ وہ کیفیت تھی جس میں رحمت للعالمین ﷺ مبعوث ہوئے، تین سال تک اپنے عزیزوں اور اقربا کو دعوتِ اسلام سے فیض یاب کرتے رہے اور پھر رحمت ورافت کا یہ چلن کوہِ صفا پر قالو لا الہ الا اللہ تفلحوا کا نعرہ بلند کرتا ہوا چاروں طرف بڑھنے لگا۔

تعلیم وتعلم کا یہ سلسلہ دارِ ارقم تک پہنچا اور پھر پھیلتا چلا گیا۔ گنواروں، بدوؤں اور کندہ ناتراش انسانوں کو تہذیب وتمدن، اخلاق واطوار اور سیرت وکردار کی خصوصیات سے روشناس کرتا انسانیت کی معراج تک پہنچاتا رہا۔ یہ صورت گری،

یہ چارہ گری اور یہ آدمیت کی برتری، سینوں میں پنہاں خودسری کو نکالتی رحمت پیمبری کا عمل دُہراتی چلی گئی۔ دنیا نے دیکھا، صحرانشیں، جنگ و جدل کے شوقین، مزاجاً عیاش و رنگین اور اخلاقاً سنگین لوگ، قوت میں شاہین، زیر تعلیمات یٰسین اور صاحبانِ دین متین بنے۔ یہ ہدایت، رحمت اور محبت انسانی کی کلیاں، بہار غنچۂ وحدت، چشمہ علم و حکمت اور محبوبِ ربّ العزت نے چٹکائیں اور عرب و عجم میں مہکائیں۔

رحمت کی ان ضیاؤں نے شعرائے نعت کی تصوراتی بساط، جذباتی نشاط اور وارداتی انبساط کو مسرت و شادمانی کے نور سے منور کیا۔ ان کے خیالات نے مدحت میں اس رحمت کے مختلف رنگ ظاہر کیے ہیں۔ شہر مدینہ، رحمتوں کا خزینہ اور پیکر جود و سخا کی سخاوتوں کا گنجینہ ہے۔ دریائے رحمت کے سارے دھارے یہاں بہتے ہیں۔ کہیں نبی رحمت ﷺ کی تجویز پر عثمانؓ جاری و ساری ہوتا ہے اور کہیں آیۃ قرآنی:

"من ذالذی یقرض اللہ قرضا حسنا فیضعفہ لہ اضعا فا کثیرۃ۔ (البقرہ2:235)

ترجمہ: کون ہے وہ جو قرض دے اللہ کو قرضِ حسنہ تاکہ بڑھا چڑھا کر واپس کرے اللہ اُسے کئی گنا۔"

تذکرۂ گلستانِ طیبہ، اشعارِ مدحت سرورِ انبیا ﷺ اپنے مفاہیم و تشریحات میں لطف و محبت بھی رکھتے ہیں اور لطف و رحمت کے آبگینے بھی، پھر نعت جذبہ شوقِ فراواں اور غم عشق کا درماں بن جاتی ہے۔ حضور رسالت مآبؐ امی تھے مگر بحر العلوم تھے۔ حکمت و دانش کے جو موتی انہوں نے اہل علم پر برسائے ان کی درخشانی اور تابانی سے اہل دانش کی آنکھیں آج تک خیرہ ہیں۔ شعرا نے حضورؐ کے درس علم و حکمت پر خوب خوب روشنی ڈالی ہے۔

حسن و جمال:

نعتیہ قصیدہ نگاروں کے لیے حضورؐ کا حسن و جمال ایک دل پسند موضوع ہے۔ آپؐ ہر لحاظ سے حسن و جمال کا پیکر ہیں۔ تقویٰ و پاکیزگی کا مظہر ہیں، وہ تمام پیغمبرانہ اوصاف جو چہرہ نبوت کا غازہ ہیں، آپؐ کی ذات میں موجود ہیں۔ آپؐ کے رخِ زیبا میں ہر نوع کے عشاق کے لیے تسکینِ نظر کا وافر سامان موجود ہے۔ آپؐ خلاصہ انسانیت ہیں، آپؐ کی کوئی ادا غیر جمیل نہیں، آپؐ سیرت و عمل کا بہترین نمونہ ہیں اور جسم و قالب سے لے کر روح کی گہرائیوں تک آپؐ میں حسن ہی حسن ہے۔ گویا معاشرے میں سیرت و کردار کا حسن ابھارنا ہی نبی کریمؐ کی بعثت کا مقصد تھا۔

جب کسی مدحت نگار کا تخلیقی زاویہ خلوص کا مظہر ہو اور جذبے کا دائرہ صداقت کا احاطہ کیے ہوئے ہو پھر درد و الم کی اس فضا میں رحمت للعالمینؐ کے سیرت و کردار، اسوہ عظیم کے انوار کا احساس تخیل کی لوح پر یوں چمکتا ہے کہ ایک قوس

قزح پھیل جاتی ہے۔اس میں رحمت کا رنگ سب سے نمایاں ہوتا ہے۔جب موضوع واردات قلبی بن کر اظہار کا جامہ پہن لیتا ہے تو اس مظہر سے تخلیقی قوت کا اندازہ ہوتا ہے۔تصورات واحساسات کا تنوع کے کئی دائرے، کئی زاویے صفحہ قرطاس پر کھنچتا ہے، جن میں حسیات کی صداقتیں اور واقعاتی حقیقتیں کچھ ایسا معجزہ فن دکھاتی ہیں کہ اسلوب وانداز میں جامعیت کی ایک کہکشاں پھیلی دکھائی دیتی ہے۔رحمت کا احاطہ کرنے والے یہ اشعار رسول رحمتؐ کے تیئیس سالہ عہد رسالت میں کھینچ کر لے جاتے ہیں۔

شجاعت:

حضورؐ کی سیرت کا ایک نکتہ شجاعت بھی ہے۔اس میں جہاد بالنفس اور جہاد بالسیف دونوں شامل ہیں۔رحمت و رافت اور عجز و نیاز کی فراوانی کے باوجود حضورؐ کی شجاعت اور سطوت بھی ضرب المثل ہے۔شعراء نے نعتیہ قصائد میں حضورؐ کی اس خصوصیت پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

نعتیہ قصائد میں یہ حضورؐ کی شجاعت کے متعلق یہ پہلو سامنے آتا ہے کہ آپؐ جیسا رحیم و کریم، شفیق و قسیم، حسیب و ندیم اور رحمت للعالمینؐ نہیں ملے گا۔آپؐ ایک ایسے شجر سایہ دار اور رحمت پروردگار ہیں کہ آپؐ کی رحمت ورافت بحر ناپیدا کنار ہے۔مدحت کے نغمات الاپنے والا شاعر اس ابدی صداقت کو اپنے اسلوب کی فصاحت و بلاغت میں نگینوں کی طرح جڑ کر ایسی مرصع کاری انجام دیتا ہے کہ رحمت کے علوم و معارف کو ہر مومن کی متاع عزیز بنا دیتا ہے۔خود بھی رؤف الرحیمؐ کے در سے نعمت عظمیٰ پاتا ہے اور قاری کو بھی اس لطف و کرم کی بارش سے نہال کر دیتا ہے۔شعرائے کرام ان اشعار میں رحمت عالم کی عظمت و عزیمت، شفقت و رحمت اور معرفت و حکمت کے پیش کردہ خیالات کی خوشہ چینی کی۔

حضورؐ کی شجاعت کا صحیح اندازہ اسے رحمت کے معانی کے تناظر میں دیکھ کر ہوتا ہے کہ آپؐ کا ہر عمل دراصل ایک حکمت تھا۔یہی حکمت حقیقاً صحیح بصیرت کا نام ہے اور صحیح قوت فیصلہ کا نام ہے۔یہ ایسی دولت ہے کہ جس شخص کو خالق کائنات نے عطا کر دی، وہ صراط مستقیم پر گامزن رہے گا وہ کبھی بھٹکے گا نہیں، وہ پھونک پھونک کر قدم رکھے گا، وہ رضائے الٰہی کے حصول کی تگ و دو کرے گا۔دنیوی کامیابی اس کے قدم چومے گی اور اُخروی فلاح اس کی منتظر ہو گی۔حکمت کی تعلیم میں رحمت للعالمین ﷺ نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ صرف کیا۔بنی نوع انسان پر ان کی رحمت کا ثمر دنیا کے ہر حصے میں تابانیاں عطا کرتا دکھائی دیتا ہے۔سرور عالم ﷺ نے اپنے سحاب رحمت سے چھم چھم بارش برسائی ہے جو کشت انسانیت میں روئیدگی کا باعث بنی ہے۔حکمت و معرفت کا تذکرہ ارشادات نبوی ﷺ سے بھی ملتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابو خلاد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم کسی بندے کو دیکھو کہ اُسے دنیا میں زہد اور کم گوئی عطا ہوئی ہے تو اس کی قربت اختیار کرو کیوں کہ اُسے حکمت القا ہوتی ہے۔" (البیہقی فی شعب الایمان)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حکمت ایک بڑی نعمت ہے۔ اپنی حقیقت کے لحاظ سے ایک نور اور الہامی ادراک ہے۔ اس کا اظہار مختلف شکلوں میں ہوتا ہے۔ حکمت دلوں میں عرفان اور ایمان اور ذہنوں میں فہم و بصیرت کی صورت میں جگہ بناتی ہے اور زندگیوں میں اس کا اظہار شرافت و پاکیزگی، فیاضی و رحمت، احسان شناسی و اعلیٰ خصلت اور عظیم کردار و انسانیت کی شکل میں ہوا کرتا ہے۔ سرور کونین ﷺ نے رحمت کے ان تمام دھاروں کو انسان کی زندگی میں رواں دواں کیا ہے۔ آپ کی رحمت کا یہ پہلو قدم قدم پر جگمگاتا ہے۔ یہ نہ صرف انفرادی قوت کو جلا بخشتا ہے بلکہ اجتماعی کامیابی کا بھی ذریعہ بنتا ہے۔ قومیں اسی نعمت و حکمت اور رحمت و معرفت سے دنیا میں سرفراز ہوئیں۔ نعت کے گلشن میں یہ گل ہائے پُر نور اپنی بہار دکھاتے ہیں۔ شعرائے نعت نے بھی اس رحمت حکمت کے نور سے بزم ہائے نعت اور اپنی فکر و نظر کے دلوں کو منور کیا ہے۔

نبی رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت اقدس میں رحمت و شفقت کے وہ نگینے کس قدر پُر تاثیر، باعث توقیر اور سراجاً منیر کی تنویر ہیں جو معاشرے کے محتاج رہین امواج اور لقمہ تاراج انسانوں کے علاج شافی کا سبب بنتے ہیں۔ محسن انسانیت ﷺ نے ضرورت مندوں، مسکینوں، بے کسوں اور بے نواؤں کی دست گیری اور دل گیری میں اپنے اخلاق کریمانہ سے دلوں کو موہ لینے والا کردار ادا کیا ہے۔ رحمت عالم ﷺ نے محض زبانی ہدایات سے احتیاج کو دور نہیں کیا بلکہ اپنے حسن عمل کی درخشاں مثالیں قائم کیں۔ قرآن حکیم میں ربّ کائنات نے فرمایا ہے:

"وفی اموالھم حق للسائل و المحروم

(الذاریات 19:51)

اور ان کے مال میں مانگنے والوں اور محروم لوگوں کا حق ہے۔"

رسول اکرم ﷺ اسی حکم کی سراپا تصویر ہیں، آپ کی سیرت میں بہت سے واقعات اس پُر نور عمل کی تصدیق کرتے ہیں۔ کون سا صاحب ایمان ہے جو رحمت للعالمین ﷺ کے فقرا اور مساکین کے لیے فکر مند ہونے سے آگاہ نہیں ہے۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک قوم نہایت پراگندہ حالت میں آپ کے پاس آئی، ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے تھے۔ ابھی دن کا آغاز تھا، کچھ لوگ ننگے بدن، ننگے پاؤں تلواریں لٹکائے ہوئے آئے۔

سب مضر قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ان کی محتاجی دیکھ کر نبی رحمت ﷺ کا چہرہ بدل گیا۔ پہلے آپ اندر گئے، پھر نکلے اور بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اذان دو۔انھوں نے اذان دی، نماز تیار ہوئی، آپ نے نماز پڑھی پھر خطبہ پڑھا اور فرمایا:

"اے ایمان والو! ڈرو اپنے مالک سے جس نے تم کو پیدا کیا ایک جان سے، پھر اس کی بیوی پیدا کی اسی میں سے پھر پھیلایا ان دونوں میں سے بہت سے مرد اور عورتوں کو۔ڈرو اس اللہ سے اور دیکھے ہر آدمی جو اس نے بھیجا ہے کل کے روز کے لیے، یعنی قیامت کے لیے سامان کیا ہے؟ صدقہ آدمی کا اشرفی سے، روپے سے ہے، کپڑے سے ہے، ایک صاع گیہوں سے ہے، ایک صاع جو سے ہے، یہاں تک کھجور کے ٹکڑے سے۔

پھر ایک انصاری صحابی ایک تھیلی روپوں کی لایا جو اس کی ہتھیلی میں نہ سماتی تھی۔ پھر اور لوگوں کا تانتا بندھ گیا۔ یہاں تک کہ دو ڈھیر اونچے اونچے کھانے اور کپڑے کے ہو گئے۔راوی کہتے ہیں اس موقع پر میں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف دیکھا۔آپ کا چہرہ خوشی کی وجہ سے سونے کی طرح چمک رہا تھا۔"(مسلم: ج2، ص95)

اسی طرح موسیٰ بن انس اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی کا کوئی سوال رد نہیں فرمایا۔ ایک مرتبہ ایک شخص کو آپ نے دو پہاڑوں کے درمیان پھیلا ہوا ریوڑ عنایت فرما دیا، وہ شخص اپنی قوم میں جا کر کہنے لگا کہ اسلام لے آؤ کیوں کہ محمد ﷺ اتنا دیتے ہیں کہ اپنے فقیر ہونے کی بھی پروا نہیں کرتے۔(مسلم: ج4، ص36)

جود و سخا:

عصرِ حاضر میں بڑھتی تاریکیوں، کدورتوں، حرص و ہوس کی آندھیوں، بد کرداروں کی خصلتوں، غیبت و دروغ گوئی کے گھومتے بگولوں اور بے حیائی اور ریاکاری کے طوفانوں کے سامنے بند باندھتی ہوئی اخلاقِ نبوی کی قوتوں اور ضیاؤں کا مشاہدہ کریں۔ یہ تجلیات اگرچہ نعت کی صنف میں وسیع نہیں ہیں لیکن جس قدر موجود ہیں اسوۂ رحمتِ للعالمین ﷺ کی تجلیات اور اخلاقِ عالیہ کے فضائل سے مالا مال ہیں۔

پاکستان ہی نہیں دنیا کے ہر حصے پر مفلسی کے بادل چھائے دکھائی دیتے ہیں مفلسی کی شرح زیادہ سے زیادہ ہوتی چلی جا رہی ہے۔ غریب، غریب تر اور امیر، امیر تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔دولت کے پجاری، حرصِ اقتدار کے دیوانے اور ملکی دولت پر قابض صنعت کار و جاگیر دار اور اب محافظانِ وطن سے لے کر عام تاجر تک عوام کو لوٹنے میں مصروف ہیں۔ یتیم، مسکین، حاجت مند، غریب اور کم وسائل رکھنے والے لوگ نامساعد حالات میں خود کشیوں پر مجبور ہیں۔ان حالات میں اخلاقِ نبویؐ کی جود و عطا اور سخاوتِ بے بہا صنفِ نعت میں اپنی بہار دکھاتی ہیں۔ سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والتحیات کی فیاضی اور

فراخ حوصلگی دنیا میں بے مثال تھی۔ یہ جود وسخاوت نمود و نمائش کے شائبہ سے پاک تھی۔ آپؐ کی روز مرہ زندگی میں ایسی جود وعطا کی مثالیں دمکتی ملتی ہیں کہ دنیا کے فیاضوں کی عملی زندگی ذرے کے برابر نظر آتی ہے۔

"آپؐ کے اس جود وسخا کے متعلق جو حضرت سعید خدری بیان کرتے ہیں۔ یہ اشعار اخلاقِ حسنہ کی اسی تصویر کو پیش کرتے ہیں کہ ایک دفعہ انصار میں سے بعض نے رسول اللہ ﷺ سے کچھ مانگا۔ آپؐ نے انھیں عطا کر دیا، انھوں نے دوبارہ دستِ سوال دراز کیا۔ آپؐ نے دوبارہ ان کو عنایت فرمایا۔ وہ بار بار سوال کرتے رہے اور آپؐ عطا فرماتے رہے یہاں تک کہ ساری رقم جو آپؐ کے پاس تھی ختم ہو گئی۔ اب آپؐ سے فرمایا، تم لوگ اطمینان رکھو جو کچھ میرے پاس ہو گا تم سے بچا کر نہیں رکھوں گا۔ (صحیحین)

آپؐ کی سخاوت کی ایک روایت حضرت انس نے بیان کی ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے بکریاں مانگیں جو دو پہاڑوں کے درمیان تھیں۔ آپؐ نے وہ سب اسے دے دیں۔ وہ شخص اپنی قوم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے لوگو! مسلمان ہو جاؤ بخدا محمدؐ اتنا کچھ دیتے ہیں کہ محتاجی کا ڈر نہیں رہتا"۔ (مسلم)

محسنِ انسانیت ﷺ نے دیا ہی نہیں حد درجہ فیاضی دکھائی اور اپنے اور پرائے کی تخصیص نہیں رکھی۔ سخاوت کے یہ درخشاں زاویے ہر شاعر کے جذبات کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں اور ان کا اسلوبِ بیان بھی دلربا بن جاتا ہے۔

معجزات:

صنف نعت میں محبوب رب جلیل ﷺ کی رحمت کا مضمون متقدمین سے متاخرین تک اور گزشتہ تین دہائیوں سے شعرائے کرام کی قلبی تمناؤں کا محور مرکز رہا ہے۔ یہ ایسا نور ہے جو رحمت دو عالم ﷺ کے اسوہ حسنہ کے آسمان سے روئے زمین پر اس طرح بکھر رہا ہے کہ آج بھی بشری کم زوریوں اور زندگی کی لاچاریوں کے اندھیرے کو دور کر رہا ہے۔ یہ نور لازوال ہے۔ اس کی خصوصیات بے پایاں ہیں۔ یہ ہر شاعر کے ترانے کی روح بنتا ہے۔ اس نور سے عنایات کی ایسی کرنیں پھوٹتی ہیں کہ ساری دھرتی جگمگا اُٹھتی ہے۔ یہ قرآن حکیم کی آیات سے ساون کے بادل کی طرح برستا ہے، ارشاداتِ نبی رحمت ﷺ کے ایک ایک حرف، ایک ایک لفظ سے ٹپکتا ہے۔ یہ موضوع ہر شاعر کے دل کی دھڑکن بن جاتا ہے۔ خیال و فکر سے لے کر جذبہ اظہار تک اس موضوع کی ضیائیں شاعر کو تڑپاتی اور آرزوؤں کو گرماتی رہتی ہیں۔ کیا اس سے بڑھ کر کوئی اور انعام ہو سکتا ہے کہ قلب و زبان شاعر رحمت کی شیرنی، شفقت کی تابانی کی دولت سے مالا مال ہو جاتے ہیں۔ جب نعت کے نغمے رحمت کی چاشنی لے کر عالم شہود پر آتے ہیں تو نہ صرف شاعر بلکہ قاری سامع کو بھی نکہت نشاں کر جاتے ہیں۔

شعرائے کرام قرآن حکیم سے کئی آیات کا حوالہ لاتے ہیں جس میں آپ کو سراپا رحمت قرار دیا گیا ہے۔ اس امر کا اظہار بھی نظر آتا ہے کہ اس کائنات کے انسان جس قدر فیضان رحمت کے محتاج ہیں، اس کی خبر خالق کائنات کو ہے، اس لیے پروردگار نے رحمت کو اوپر لازم کر لیا ہے۔ اللہ کی رحمت کل کائنات پر چھائی ہوئی ہے قرآن حکیم میں خالق ارض و سماوات نے اس رحمت کے لیے اپنے قرآن کو نازل کرنے کا پوری محبت سے ذکر کیا ہے:

"یاایھالناس قدجاء تکم موعظة من ربکم و شفاء لمافی الصدور ۔ وھدی ورحمة للمومنین۔ (یونس57:10)

ترجمہ: لوگو! تمہارے پاس رب کی طرف سے نصیحت آگئی ہے۔ یہ وہ چیز ہے جو دلوں کے امراض کی شفا ہے اور جو اسے قبول کر لیں ان کے لیے رہنمائی اور رحمت ہے۔"

اس کو انسان کی رہنمائی کے لیے پیش کرنے والا رحمت للعالمین ہے تو یہ کتاب ہر انسان کو پیغام رحمت دیتی ہے اور اس کی دنیا و آخرت کی فلاح بنتی ہے۔ پھر رحمت للعالمین ﷺ کی ہدایت و شفقت، رحمت و محبت انسانیت کے لیے اخلاقی، سماجی اور معاشی و معاشرتی اقدار لے کر آئی، جب یہ انسان ایک اُمت بنے تو یہ اُمت رحمت کہلائے اور خدائے عزوجل نے اسے بہترین اُمت قرار دیا۔

"کنتم خیر اُمة اُخرجت للناس۔ (آل عمران11:13)

تم ہو (اے مسلمانو! وہ) بہترین اُمت جو نکلے انسانوں کی رہنمائی کے لیے۔"

سرور کائنات ﷺ کی رحمت للعالمینی کا جو فریضہ خالق کائنات نے سونپا، وہ بھی سراسر رحمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم و عرفان کے بحر بے کراں سے نوازا۔ قرآن کریم عطا فرما کر ہر قسم کی دنیوی اور روحانی، فکری اور وجدانی تجلیات فراہم کیں۔ آیات قرآنی کی تلاوت کی رحمت سے عالم و فاضل، مفکر و مدبر، شاعر و ادیب کو دنیائے فانی کے انسانوں کو بہار زیست کے حصول کا سلیقہ سکھانے کی تعلیم دی۔

دارارقم وہ پہلی جامعہ ہے جو دعوت اسلام کے پانچویں سال قائم ہوئی۔ جب مکہ میں ظلم و ستم کی آندھیاں چلنے لگیں، سرداران قریش نے اہل حق پر اپنی سختیاں تیز کر دیں۔ مٹھی بھر اہل ایمان کو امان کی تلاش ہوئی تو رحمت عالم ﷺ بے قرار ہو اُٹھے۔ بنو مخزوم کا ایک حسین و جمیل نوجوان ابو عبداللہ ارقم بن ابی الارقم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں خود درخواست گزار ہوا اور کوہ صفا کے دامن میں اپنی وسیع حویلی کو حضور اکرم ﷺ کی نذر کر دیا، مسلمان اس میں جمع ہو کر آپ سے ہدایت اور علم لدنی حاصل کرتے۔ مشرکین کی مجال نہیں کہ اس میں داخل ہو سکیں۔ رحمت للعالمین ﷺ کا

چہرہ مبارک جوش مسرت سے ٹمٹما اُٹھا۔ آپ نے پیش کش قبول فرمائی۔ دارار قم اہل حق کا مرکز بن گیا۔ جو ایمان لاتا کشاں کشاں اس مہکتی فضا میں چلا آتا۔

رحمت سرور عالم ﷺ سب کو اپنے دامن میں سمائے چلی جاتی۔ رات اپنی زلفیں بکھیر دیتی تو دارار قم کی فضا رحمت کون و مکاں ﷺ کی تلاوت سے گونج اُٹھتی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین آپ کی تلاوت قرآن کے رموز کائنات پاتے۔ رحمت کا وہ کیسا سماں ہوگا کہ دارار قم کی دیواروں سے باہر قریش کے سردار چھپ چھپ کر آتے اور تلاوت سنتے۔ جوں ہی ایک دوسرے کا سامنا ہوتا، شرمندہ ہوتے۔ یہ حضور اکرم ﷺ کی تلاوت، رحمت کا وہ بہتا دریا ہے جس سے سب سیراب ہوئے۔ محسن کائنات ﷺ کی اس رحمت کا تذکرہ آج بھی دعوت عمل دیتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے، اس آیت کریمہ پر غور فرمایئے:

"لقدمن اللّٰہ علی المومنین اذبعث فیھم رسولا من انفسھم یتلوا علیھم ایتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتب و الھکمۃ۔ (آل عمران 164-3)

ترجمہ: یقیناً اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان میں ایک رسول انھی میں سے بھیجا، جو انہیں اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب اللہ کی تعلیم دیتا ہے اور حکمت سکھاتا ہے۔

حکمت و دانائی اور فکر و شعور سے منور رسول رحمتؐ کی تعلیم انسان کی دنیوی زندگی کا اثاثہ ہے۔ اسی رحمت نے آدمی کو اشرف المخلوقات بنایا۔ صاحب تخلیقات و تعلیمات بنایا۔ وہ اس کائنات میں خیر کثیر کا مالک بنا۔ کیا یہ ظلوماً جہولاً انسان پر بے پایاں رحمت، جاوداں شفقت نہیں؟ کیا اس رحمت کی بدولت انسان ستاروں پر کمندیں نہیں پھینکتا؟ سمندروں کا سینہ نہیں چیرتا؟ فضاؤں کو تسخیر نہیں کرتا؟ وہی انسان جو پہلے تاریکیوں میں بھٹکتا، نان و نفقہ کو ترستا، زمین پر مور و ملخ کی طرح رینگتا اور انسانیت کا اعلیٰ مقام پانے کے لیے تڑپتا تھا، آج رحمت للعالمین ﷺ کی رحمت سے لبریز تعلیمات سے اس کائنات کا انسان معاشرتی، معاشی اور تہذیبی اقدار سے پوری طرح آشنا ہے۔ رحمت عالم ﷺ نے رنگ و نسل کے تفاخر کو اپنے پاؤں تلے کچل دیا ہے۔ کدورتوں کے بت پاش پاش کر دیے ہیں۔ سرکش و خود سر قعر مذلت میں جا گرے ہیں۔

رحمت و شفقت کی بادِ بہاری رواں دواں ہے۔ محبت کی کلیاں چٹکتی اور انس و محبت کے غنچے کھلتے ہیں۔ نعت کی سر زمین میں رحمت کے ایسے ایسے پھول مہکتے ملتے ہیں، جن کی نکہتیں ضمیر انسان کو بیدار کرتی اور اقدارِ محبت سے لبریز کرتی ہیں۔ تعلیمات رحمت کی کرنیں، شفقت و الفت کی ضیائیں اس جہان انسانیت کو تابانی عطا کرتی ہیں۔ آج یہ دور جسے ہم نعت کا

دور کہتے ہیں ایسے مضامن کو اپنے اشعار میں سموئے ہوئے ہے، جن کا رنگ دل کش، جن کا اسلوب پُر بہار، جن کا پیغام دلربا ہے۔ آیئے اس چمنستانِ نعت کی رحمت کی کلیوں اور شفقت کے پھولوں سے مشام جاں معطر کریں۔ رسول اکرم کے اخلاق حسنہ کی تو قرآن بھی گواہی دیتا ہے:

"وانک لعلی خلق عظیم (القلم40:68)

اور آپ بڑے خلق پر پیدا ہوئے ہیں"

آپ کے اخلاق کی رعنائیاں ہر شعبہ زندگی میں روشن ہیں۔ آپ کے اسوہ کا ایک پہلو فیاض بھی ہے۔ فیاض لائق تحسین وصف ہے، جس میں رحمت کی لہریں رواں دواں ہیں۔ محسن انسانیت ﷺ کی ایک حدیث، اخلاقی محاسن کی اصل روح فیاضی کا کس قدر جامع تصور پیش کرتی ہے۔

> "حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، "کیا تم جانتے ہو کہ سب سے بڑا فیاض کون ہے؟" صحابہ نے عرض کیا، "اللہ اور اس کے رسول ﷺ خوب جانتے ہیں" آپ ﷺ نے فرمایا۔ "اللہ سب سے بڑھ کر فیاض ہے، پھر اولاد آدم میں سب سے بڑھ کر میں فیاض ہوں۔" (بیہقی)

اگرچہ حضور رسالت مآبؐ کی پوری سیرت ایک معجزہ ہے۔ قرآن مجید ایک دوامی اعجاز ہے۔ اس کے علاوہ حضورؐ کی اشارات سے اور بھی معجزے رونما ہوئے ہیں۔ مثلاً معجزہ شق القمر، رجعتِ آفتاب وغیرہ۔ شعراء نے اپنے کلام میں حضورؐ کے معجزات کے حوالے بھی دیے ہیں۔

منتخب نعتیہ قصائد میں سیرت کے اجزا

آرزو اکبرآبادی:

حضورؐ کی آمد سے قبل کے دور کا ذکر کرتے ہوئے آرزو اکبرآبادی جہاں اس زمانے کی خامیوں کا ذکر کرتے ہیں وہیں پر حضورؐ کی آمد کے متعلق مثبت سوچ بھی پائی جاتی ہے۔ان کے قصیدے میں یہ پہلو بھی بخوبی دیکھا جا سکتا ہے کہ تاریکی کی شب بہت جلد ختم ہو جائے گی اور زمانے میں پائے جانے والے مسائل عنقریب ختم ہو جائیں گے۔اس حوالے سے آرزو اکبر آبادی تبریزی اپنی کتاب 'کیف بہاراں' کے ایک قصیدے میں اس پہلو پر روشنی ڈالتے ہیں۔ شاعر رجائی انداز اختیار کرتے ہوئے کہتا ہے کہ آپؐ کے آنے سے باطل کا نظام دہل جائے گا۔آپؐ کے جلوؤں سے مخلوق کے دل چمک جائیں گے۔ آپؐ کی ذاتِ پاک تمام عالمین کے لیے آرام کا باعث ہو گی اس لیے آپؐ رحمتہ للعالمین کہلائے گی:

رعب سے جس کے دہل جائے گا باطل کا نظام — جس کے قدموں سے مراتب پائیں گے ہفت آسماں

جس کے جلوؤں سے چمک جائیں گے دل مخلوق کے — جس کی ہستی افتخار و نازشِ ہر دو جہاں

رحمتہ اللعالمیں کہلائے گی جس کی حیات — جس کی ذات پاک ہو گی باعث آرام جاں

جس کی شہرت ایسے چھا جائیگی بزم دہر پر — جیسے اطراف دو عالم میں اذانِ قدسیاں

جیسے ہو سرمستیوں پر ساقی روزِ ازل — مشتری کی مانگ، جیسے چرخ پر ہو زر فشاں

جیسے ساون کی اندھیری رات میں کوئل کی کوک — جیسے بھادوں کی سنہری دھوپ میں مہر تپاں (۶)

اعظم چشتی:

اس بد ترین دور میں جب حضور رسالت مآبؐ کی ولادت باسعادت ہوئی، حضورؐ نے ان حالات کو بہتر بنانے کے لیے کیا کیا کارنامے سرانجام دیے،اس کو اجمالی طور پر مختلف شعراء نے یوں بیان کیا ہے۔اعظم چشتی اس سلسلے میں رقم طراز ہیں کہ آپؐ کے نور سے سارا جہان روشن ہو گیا۔ بڑے بڑے شہنشاہ آپ کے پاؤں کی خاک ہیں۔آپؐ قدسیوں کی جان کا سکوں ہیں۔

نور سے اس کے ہر جہاں روشن — ذکر سے اس کے لامکاں معمور

ناز بردار جن کے زہرہ جبیں — زیر پا جن کے قیصر و فغفور

رازداں جن کا جبرائیل امیں ریزہ خواروں میں شبلی و منصور

وہ کہ ہیں قدسیوں کی جاں کا سکوں وہ کہ ہیں فرشتوں کے دل کا سرور(۷)

انور جمال:

انور جمال اس حوالے سے لکھتے ہوئے حضورؐ کی آمد کو تسکین وجود کی دولت سے تشبیہ دیتے ہیں۔اسی طرح حضورؐ کی بعثت کو شاعر تزئینِ حیات کی صورت سے تشبیہ دیتا ہے۔شاعر کہتا ہے:

تیری آمد ہے کہ ہے دولتِ تسکینِ وجود تری بعثت ہے کہ ہے صورتِ تزئینِ حیات(۸)

انور جمال سیرتِ رسولؐ کا ذکر کرتے ہوئے اس پہلو کی طرف بھی روشنی ڈالتے ہیں؛

شب گزیدوں کے لیے تیری ہدایت خورشید تیرہ بختوں کے لیے تیری قیادت لمعات

تیرے اقوال سے پھوٹا ہے شعورِ ہستی ترے افعال سے ٹوٹا ہے غرورِ ظلمات

تری شفقت ہے کہ ہے مردہ گلوں پر شبنم تری رحمت ہے کہ ہے خشک زمیں پر برسات

تراخاموش تکلم ہے کہ ہے جوہر قند حرف شیریں ہیں ترے لب پہ کہ ہے شاخِ نبات(۹)

انور جمال حضورؐ کی ذات کو غموں کا مداوا اور بجھتے دلوں کی تسلی قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

کون ہے بجھتے ہوئے دل کی تجلی؟ تیرا نام کون ہے بے سروسامان کی تسلی؟ تری ذات

کاسہ بر کف تری دہلیز پہ شاہان وملوک ترے دروازے سے پاتے ہیں سلاطیں خیرات

علم والوں کا جو ہے چرخ وہ ہے تیری زمیں عقل والوں کی جو صدیاں ہیں وہ تیرے لمحات(۱۰)

سیرت رسولؐ کے مختلف پہلوؤں کے اظہار میں ایک پہلو یہ بھی ہے کہ شاعر اپنی کم علمی کا اعتراف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ وہ جتنی مرضی کوشش کر لے لیکن حضورؐ کے حسن و جمال کے اوصاف مناسب طریقے سے بیان نہیں ہوتے۔ کہیں انجیل میں لکھے ہوئے ہیں اور کہیں تورات آپؐ کے اوصاف کی گواہی دے رہی ہے۔انور جمال اپنے قصیدہ تائیہ میں کہتے ہیں کہ نعت مضمون تو ہو سکتا ہے اگر حضرت جبرائیلؑ کے پر شاعر کے قلم بن جائیں اور چشمہ زمزم شاعر کی دوات بن جائے۔

کہیں انجیل میں لکھے ہیں محامد تیرے کہیں اخلاق کی دیتی ہے گواہی تورات

نعت مضمون ہو اور فکر و تخیل میرا پر جبریل قلم، چشمۂ زمزم ہو دوات(۱۱)

اسی قصیدے میں آگے چل کر وہ بیان کرتے ہیں کہ وہ جتنی مرضی کوشش کر لیں ان سے حضورؐ کے اوصاف بیان نہیں ہوں گے۔ اس لحاظ سے کوئی نہ کوئی پہلو تشنہ رہ جاتا ہے۔ یوں وہ اپنی ناتوانی کو قبول کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان کی بلاغت میں تعریفِ نبیؐ کی سکت نہیں ہے اور نہ ہی فصاحت میں مجال ہے۔ شاعر جو مرضی تشبیہات اور استعارے استعمال کر لے لیکن اس سے وہ علامات نہیں لائی جا رہی جن سے شانِ نبیؐ کا حق ادا کر سکے۔ اس بات کو شاعر یوں کہتا ہے کہ ایسی علامات موجود نہیں ہیں جو نعت میں حضورؐ کے حسن و جمال کی تصویر کشی کر سکیں۔ شاعر کہتا ہے:

لاکھ پہلو تری توصیف کے رہ جاتے ہیں — کس قرینے سے لکھوں تیرے کمالات وصفات

نہ بلاغت میں سکت ہے نہ فصاحت کی مجال — نہ علامات میں ہمت نہ تشاکل کی بساط

کسی ایجازِ بیاں سے نہیں ہوتی تسکین — کسی تشبیہ و کنایہ سے بھی بنتی نہیں بات

حرفِ تشبیہ و تلامیح بھی آتے نہیں کام — استعارات و تماثیل بھی دیتے نہیں سات

منطق و فلسفہ و حکمت و دانش خاموش — علم و ادراک و تفکر ہیں کہ ہیں بے اوقات (۱۲)

حضور علیہ والسلام کے حسن و جمال کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے:

موسمِ گل ہے کہ ہے تیرے تبسم کا خراج — ابر پارے ہیں کہ ہے تیرے پسینے کی زکوٰۃ

تیرے چہرے کی ضیا سے متسلسل ہوئی صبح — تری آنکھوں کی کرن سے متزلزل ہوئی رات

ترے ہونٹوں سے ھواللہ احد کیا نکلا — گر پڑے ٹوٹ کے قدموں پہ ترے لات و منات (۱۳)

نصیر الدین نصیر:

پیر نصیر الدین نصیر اپنی کتاب 'دیں ہمہ اوست' میں شامل قصیدے میں حضورؐ سے نسبت کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

اس کی ہر بات بنی ان ھوالا وحی — اس کا ہر فعل بنا حجت و برہان و اصول

نسبت اس سے نہ اگر ہو تو محاسن بھی گناہ — وہ شفاعت پہ ہو مائل تو ذمائم بھی قبول

وہی قرآں، وہی معنی، وہی مفہوم و مراد — وہی علت، وہی غایت، وہی اصل معلول

سینہ پاک ہے وہ مصحف اسرار الٰہ — نہ سمجھ پائے جسے عرصۂ دانش کے فحول (۱۴)

پیر نصیر الدین نصیر کا لہجہ ناصحانہ بھی ہو جاتا ہے۔ وہ قصیدے میں براہ راست اہل عقل سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں:

فلسفی! تجھ کو عبث دھن ہے اسے پانے کی
ہو چکا جب کہ تیری عقل کا سلطاں، معزول

دیدۂ عقل سے دیکھ اس کو نہ مردِ ناداں
کہ دلائل سے الجھنا ہے خرد کا معمول

عقل تو اپنی حقیقت سے بھی ناواقف ہے
کیا سمجھ پائے اسے، جو کہ ہے مافوق عقول

داعی مشرب توحید بھی یہ بات سنے
شاید آجائے اسے راس یہ حرف معقول

صرف توحید کا شیطان بھی قائل ہے، مگر
شرطِ ایماں ہے محمد کی اطاعت، یہ نہ بھول (۱۵)

جعفر بلوچ:

جعفر بلوچ کی نظر میں دین کی سربلندی و اکملیت حضورؐ کے فیضانِ پاک سے ہے۔ شاعر کی نظر میں آپؐ تمام خلقت کے لیے رحمت بن کر آئے ہیں۔ ان کی رحمت ہر عالم کے لیے ہے اور آپ کا لطف عمیم ہر جگہ ہے۔ اسی طرح آپ کے امین و صادق ہونے کی حقیقت کو آپؐ کے دشمن بھی مانتے تھے۔ شاعر کہتا ہے:

ہر دل جو ادب گہِ وفا ہے
پیغمبر پاک کا حرا ہے

لولاک لما خلقت الافلاک
ہر مطلع زیست پر لکھا ہے

عالم عالم ہے ان کی رحمت
اور لطفِ عمیم جا بجا ہے

ہیں آپ امین و صادق
دشمن بھی یہ بات مانتا ہے (۱۶)

حافظ لدھیانوی:

حافظ لدھیانوی 'کیف مسلسل' میں بیان کرتے ہیں کہ حضورؐ کی آمد سے قبل اور بعد عرب کی زمین بدل گئی ہے۔ اس سلسلے میں اگر غور کیا جائے تو یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ ظہور اسلام سے قبل، مصر تہذیب و تمدن اور صنعت و حرفت میں ممتاز و منفرد تھا۔ اس کا یہ معاشرتی اور ثقافتی ارتقا مذہب کے زیر اثر تھا مگر ظہور قدسی کے وقت، یہ تہذیب آخری سانس لے رہی تھی اور ساتھ ہی ساتھ ہندوستان، بابل، نینوا، چین اور یونان کا تمدن اپنی ظاہری چمک کے باوجود عملاً بے اثر ہو چکا تھا۔ بعد میں جب اس تہذیب و ثقافت اور علم و ہنر پر اسلامی اقدار و علوم کا پرتو پڑا تو نہ صرف اس کا اپنا رخ بدلا بلکہ اس نے اپنے انداز سے دنیا کے دیگر خطوں کو بھی متاثر کیا۔ مصر میں حضرت موسیٰ فرعون کے ہاں پرورش پاتے رہے اور انہی کے ہاتھوں فرعونیت غرق دریا ہوئی۔ وہ بنی اسرائیل کو لے کر فلسطین میں چلے گئے اور وہیں حضرت عیسیٰ کا ظہور ہوا۔ زرتشتی، مسیحیوں کے ساتھ ایک طویل عرصہ تک محو پیکار رہے مگر ایرانیوں اور عیسائیوں نے اس جدل و پیکار میں اپنے

مذہب کو ایک دوسرے پر مسلط نہ کیا بلکہ وہ ایک دوسرے کے مذہبی آثار اور اقدار کا احترام کرتے رہے اور انہوں نے اپنے اپنے مذہب کو، اپنے اپنے ملک تک محدود رکھا۔ چھٹی صدی عیسوی کے بعد مسیحیت عقائد کے اعتبار سے مسخ ہو گئی۔

اساسی اصولوں کی جگہ فروعی مسائل نے لے لی، فرقہ بندی نے اجتماعیت کو پارہ پارہ کر دیا۔ ہر فرقہ خود کو حق پر اور دوسرے کو غلط سمجھنے لگا۔ یوں لفظی ہنگامے اور مناظراتی تنازعے گلی کوچوں تک پھیل گئے۔ فکر و نظر کا اختلاف دست و بازو کے تصادم تک آپہنچا۔ پس حضورؐ کی بعثت سے قبل یہ زمین عام زمین کی طرح تھی لیکن حضورؐ کی بعثت کے بعد اس کا عالم ہی اور ہے۔ یہ بنی آدم کی عظمت کا نشان بن گئی ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ کعبہ کا جمال بھی حضورؐ سے وابستہ ہو گیا ہے۔ لیکن آپ لکھتے ہیں:

وہ رحمت دو جہاں، وہ مرادِ کون و مکاں — ہے کائنات کے اسرار کا وہی محرم
ہے جس کا شہرِ حسیں انتخاب عالم کا — نثار جس کی لطافت پہ گلستانِ ارم
نگاہ شوق نے ان راستوں کو چوما ہے — جہاں پہ سید کونین کے پڑے ہیں قدم
یہ وہ زمیں تو نہیں جس پہ روز و شب گزرے — زمینِ شہر نبیؐ کا ہے اور ہی عالم
پناہ عالمیاں آستاں خلد نشاں — رہینِ منت سرکارؐ عظمت آدم (۱۷)

رشید وارثی:

سیرت محمدیؐ کے محاسن لا محدود ہیں۔ اگر ہم حضورؐ کی سیرت کے محاسن عمر بھر بھی بیان کرتے رہیں تو وہ ختم نہیں ہوں گے کیونکہ حضورؐ محسن انسانیت ہیں۔ رشید وارثی انہیں خیالات کو اپنے قصیدہ خطابیہ بعنوان "توصیف نبی اکرم ﷺ" میں بیان کرتے ہیں:

اللہ بیاں کرتا ہے اوصاف نبیؐ کے — اس بندۂ عاجز کو کہاں تابِ ثنا ہے
اے صاحبِ لولاک! تیرا نام مبارک — اقصائے دو عالم میں یونہی گونج رہا ہے
تو بحرِ سخا، موجِ کرم، کانِ عطا ہے — تپتے ہوئے صحراؤں میں رحمت کی گھٹا ہے
طواف حرم کے ہیں ترے جن و ملائک — ہر لب پہ دمِ طواف دردوں کی صدا ہے
قرآں ترے مصحفِ سیرت کا ہے عنواں — ہر قول ترا نطق خدا عقدہ کشا ہے
منصب ہے ترا ختم رسل، رحمتِ عالم — رتبے میں سوا تجھ سے فقط ذاتِ خدا ہے

قدموں میں ترے ارض و سما کے ہیں خزانے　　اعزاز تجھے قاسمِ نعمت کا ملا ہے (۱۸)

رشید وارثی اپنے قصیدہ خطابیہ بعنوان "توصیف نبی اکرم ﷺ" میں معجزاتِ نبیؐ کا ذکر کرتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں کہ حضورؐ کی ہستی دو عالم کی تکوین کا باعث ہے۔ سورج کی رجعت پر آپؐ کا تصرف واضح ہے اور اس کا ثبوت حضورؐ نے گزرے وقت کو پیچھے لا کر دیا۔ اسی طرح آپؐ نے انگلی کے اشارے سے چاند کو دو ٹکڑے کر دیا۔ پیڑوں کو رفتار عطا کرنے کا معجزہ بھی حضورؐ نے ظاہر کیا۔ صرف یہی نہیں آپ نے مضطر کو تسکین اور انسانی تہذیب آپؐ کے جلوہِ سیرت کی وجہ سے معرضِ وجود میں آئی۔ آپ کہتے ہیں:

ہستی ہے تری باعثِ تکوین دو عالم　　قامت پہ تری خلعتِ لولاک لما ہے

شاہد ہے تصرف پہ ترے رجعتِ خورشید　　دو نیم قمر تیرے اشارے سے ہوا ہے

پیڑوں کو ترے حکم نے رفتار عطا کی　　سنگریزوں کو مٹھی نے تری نطق دیا ہے

مضطر کو ترے لطف نے تسکین عطا کی　　کشکولِ بصیرت کو دُرِ دید ملا ہے

تاباں ترے جلوؤں سے ہے رخسارِ تمدن　　تہذیب ترے جلوۂ سیرت کی ضیا ہے (۱۹)

رشید وارثی آگے جا کر مزید معجزات بیان کرتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں:

یثرب تیری آمد سے ہوا طیبہ و طابہ　　کیا خاکِ قدم گاہ میں تاثیر شفا ہے

پر سوختہ ہو جائے جہاں طائرِ سدرہ　　وہ عالمِ بالا بھی تری جلوہ سرا ہے

ہاں محفل کونین کا تو صدر نشیں ہے　　انداز ترے کارِ خلافت کا جدا ہے

بخشا ہے تجھے حق نے ہر اک شے پہ تصرف　　اور قادر مطلق تو فقط ذاتِ خدا ہے (۲۰)

سید محمد یوسف علی:

حضورؐ کے خلق عظیم پر بات کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپؐ نے دنیا میں آکر لوگوں کو زندگی گزارنے کے آداب سکھائے۔ آپؐ نے لات و منات سے ہٹا کر لوگوں کو توحید کے ذریعے عظمتِ انسان سے متعارف کروایا۔ یوں آپؐ کے احسانات ہر ایک پر ہیں۔ یہی نہیں بلکہ آپؐ نے ہر عمل جو بتایا اس کو عملی طور پر کر کے دکھایا تاکہ امتیوں کے سامنے ہر عمل کی ایک مثال قائم ہو جائے۔ یوں آپؐ کی ذات بابرکات آنے والی تمام نسلوں کے لیے اسوہ کامل ہے۔ سید محمد یوسف علی اپنی کتاب "نغمہ عندلیب" میں اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

پایاہی نہیں قلب شناسائے پیمبرؐ — دیکھی ہی نہیں چشم ادادانِ محمدؐ

زاھد کو خبر کیا دل عشاق سے پوچھو — اللہ کا عرفان ہے عرفانِ محمدؐ

کھولے لب رحمت تو کھلا رنگ شفاعت — اے صل علےٰ لعل درافشانِ محمدؐ

وہ اہل عرب جن کی سخاوت کے تھے شہرے — ان پر جو گراں تھی تو بس اک نانِ محمدؐ

یہ ضد تھی کہ کوئی نہ رکھے رشتہ امداد — کوئی نہ رہے سلسلۂ جنبانِ محمدؐ

رہتا ہے رہے حوصلہ دست و گریباں — ہوتا ہے تو ہو، چاک، گریبانِ محمدؐ

سو طرح کا فکر اور اکیلا دلِ حضرت — سو قسم کے صدمے تھے اور اک جانِ محمدؐ

کفار عرب دیتے تھے چن چن کے تکالیف — بدخواہ گنے جاتے تھے خواہانِ محمدؐ

سہتے تھے مسلمان جو کفار کی ایذا!!! — ہر آن بڑھا جاتا تھا حرمانِ محمد

اللہ رے ثابت قدمی۔ کہتے تھے حضرتؐ — قربان خدا ایسی دو صد جانِ محمدؐ

جب ان کے بھی امکان سے باہر ہوئیں باتیں — قدرت نے کہا ہم ہیں نگہبان محمدؐ(۲۱)

حافظ سید محمد یوسف علی نعتیہ مجموعہ "نغمہ عندلیب" کے نعتیہ قصیدے میں حضورؐ کے معجزات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

دہن کیا، انگلیوں سے فیض کے چشمے ابلتے ہیں — نشانی حق کی لفظوں سے نہیں ہاتھوں سے کھینچی ہے

نہیں قوسِ قزح، کچھ عکس ہیں رنگیں کلائی کے — کمانِ اوج چرخ چنبریں ہاتھوں سے کھینچی ہے

قمر شق ہو، برابر ہو، یہ کس کو دسترس حاصل — لکیر اعجاز کی اے مہ جبیں! ہاتھوں سے کھینچی ہے

کہیں ڈوبا ہوا سورج بھی نکلا ہے، کہو کس نے — طناب خیمۂ عرش بریں ہاتھوں سے کھینچی ہے

نیاز عشق کے قربان، ناز حسن کے صدقے — فلک پانوں سے روندا ہے زمیں ہاتھوں سے کھینچی ہے

شب معراج اگر ہوتے تو ہم بھی پوچھتے حق سے — یہ کس نے صورت حسن آفریں ہاتھوں سے کھینچی ہے

قیامت میں جو کر دے بند، راہیں نارِ دوزخ کی — وہ دیوار، آپؐ نے گویا یہیں ہاتھوں سے کھینچی ہے(۲۲)

سید نظر زیدی:

اپنی کتاب "نورٌ علیٰ نور" میں موجود نعتیہ قصیدے میں حضورؐ کے عدل و مساوات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضورؐ کے عدل و مساوات کی بدولت شاہی دربار میں غلاموں کو بھی مسند زرتار ملی۔ آپؐ نے عرب و عجم کا فرق ختم کیا، امارات کے نشے کو اتارا۔ آپؐ نے آقا اور غلام کو برابر کر دیا۔ شاعر تو یہاں تک کہتا ہے کہ حضورؐ کے ہاتھوں ہی عقلِ انسانی تہذیب سے گلنار ہوئی۔

ہے آپؐ کا دربار وہ دربار، کہ جس میں — پائی ہے غلاموں نے جہاں مسندِ زرتار
باقی نہ رہا فرق عرب و عجم کا — اک راہ سے گزرے ہیں یہاں بر مبر و تاتار
اترا ہے امارت کا نشہ آپؐ کے صدقے — ٹوٹا ہے یہیں نسل کے اصنام کا پندار
ہے دستِ اسامہؓ میں یہاں پرچم توقیر — ہیں زید یہاں جیشِ صحابہ کے سپہدار
ہمسر کیا بوذرؓ کا بلالؓ حبشیؓ کو — بو جہل سے افضل ہوئے سلمانؓ خوش اطوار
کسریٰ کی جبیں پر ہے یہاں عرقِ ندامت — قیصر کی جبیں غرہ شاہی سے گرانبار
انصاف سے دیکھیں تو ہوئی آپؐ کے ہاتھوں — انسان کی جبیں پر تو تہذیب سے گلنار (۲۳)

شہاب دہلوی:

شہاب دہلوی کا نعتیہ قصیدہ ان کی کتاب 'موج نور' میں موجود ہے۔ اس قصیدے کا عنوان "معراج نبوت" ہے۔ یہ قصیدہ اس لحاظ سے اہم ہے کہ دوسرے قصائد سے کافی حد تک مختلف ہے۔ اس میں راوی خاموش نہیں ہے بلکہ اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ موجود ہے اور ایک کہانی کی صورت میں اپنے حالات و کیفیات کا ذکر کر رہا ہے۔ اس قصیدے کے اندازِ بیاں کو پیش کرنے کے لیے درج ذیل اشعار پیش کیے جا رہے ہیں:

ہاتھ سے دامن امید نہ چھوڑا پھر بھی — اور کوئی نہ پڑا دل کی لگن میں بھی خلل
آخر اک سجدۂ مستانہ کیا حق نے قبول — جذبِ صادق کا دے دیا اللہ نے پھل
مجھ کو سجدے میں دکھائی دیا اک بقعۂ نور — جانبِ عرش رواں جیسے ہوئی کوئی مشعل
میں نے دیکھا کہ ہے اک تاج بھی اسکے سر پر — جگمگاتے ہوئے دو چاند بھی ہیں زیر بغل

ایک خاتم بھی نظر آتی ہے زیب انگشت　　جسم اطہر سے ہے لپٹا ہوا زریں کمبل

انبیاء جتنے ہیں صف بستہ کھڑے ہیں سر راہ　　اور فرشتے بھی ہیں ہمراہ بشکل جدول

منتظر رحمت حق ہے کہ حبیب آتا ہے　　عرش کے کنگروں پر دیکھی فروزاں مشعل (۲۴)

اس انداز میں شاعر ایک لے میں بہتے ہوئے تشبیب سے مداح کی طرف آتے ہیں۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اکثر نعتیہ قصائد میں تشبیب پائی ہی نہیں جاتی بلکہ براہ راست مدح سے قصیدے کا آغاز ہوتا ہے۔ اس حوالے سے یہ قصیدہ مختلف ہے کہ تشبیب میں شاعر اپنی کیفیات بیان کرتا ہے اور گریز کے ذریعے مدح اور تشبیب کے درمیان ربط پیدا کرتا ہے اور مدح میں اپنی طرف سے حق مدح ادا کرتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ حضورؐ کی ذات بابرکات وہ ہستی ہے کہ جس کو نور مجسم کہا جانا چاہیے۔ آپؐ کا کوئی ثانی اور بدل نہیں ہے۔ آپؐ کے ممتاز و افضل ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ آپؐ ہی کی وجہ سے باطل کی کمر ٹوٹی اور کعبے کے بت گر پڑے۔ آپؐ کے نعرہ توحید سے سارے بت بے توقیر ہو گئے۔ شاعر کہتا ہے:

یہ وہ ہستی ہے جسے نور مجسم کہیئے　　یہ وہ ہستی ہے کہ جس کا کوئی ثانی نہ بدل

مرتبہ ارفع و اعلیٰ ہے سبھی سے جس کا　　جو ہے سب نبیوں میں ممتاز، ہے سب سے افضل

جس کو رحمت کا لقب بارگاہ حق سے ملا　　جو ہے انساں مگر انساں ہے بہر شکل اکمل

جو ہے خیر البشر و رحمت بزم کونین　　اتقیا کی جو صفوں میں رہا سب سے افضل

جس نے باطل کی کمر توڑی عصائے حق سے　　جس کی ہیبت سے گرے کعبے کے بت سر کے بل

نعرہ توحید کا دنیا میں لگایا جس نے　　بے حقیقت نظر آنے لگے لات و ہبل

جس نے مخلوق میں انسان کا بڑھایا رتبہ　　ساری اقوام میں جس نے کیا ہم کو افضل (۲۵)

صبا اکبر آبادی:

حضورؐ نے نوع انسانی کو عدل و مساوات سے روشناس کیا۔ رنگ و نسل، نام و نسب، آقا و مزدور کے امتیاز مٹا کر ایک عالم گیر برادری قائم کی، جس کی بنیاد اخوت پر ہے۔ شعراء نے حضورؐ کی سیرت کے اس پہلو پر خوب خوب طبع آزمائی کی ہے۔ اس سلسلے میں صبا اکبر آبادی کا قصیدہ بطور نمونہ پیش کیا جا سکتا ہے۔ آپ کہتے ہیں:

در سے بھی، صاحب در سے بھی ہے نسبت میری　　باب جنت نہ رہے کیوں، مرے شعروں میں کھلا

وہی در جس کی ہیں دربان، ملائک کی صفیں　　وہی در جو ہے سراپائے کرم بحرِ سخا

وہی در جس پہ تھے جبرئیل امیں بھی بہ ادب — وہی در جس کا ہے یہ سارا جہاں زلّہ ربا

صاحب لوح و قلم، سرور سردار امم — سید عرش حشم منتخب ہر دو سرا

پیکر نور ازل تکملہ علم و عمل — نقش بے مثل و بدل، سارے جہاں میں یکتا

وہ رسولؐ عربی، ہاشمی و مطلبی — جانِ عالی نسبتی، رہبر نوحؑ و موسیٰؑ

جس کے دامان عطوفت میں زمانے کو پناہ — وہ یتیموں کا سہارا ہے ہے، ضعیفوں کا عصا

جس کے اخلاق نے تسخیر کیے قلب و نظر — جس کے انصاف کا ہے سارا جہاں مدح سرا(۲۶)

ضیاء نیّر:

ضیاء نیّر کی کتاب "سفرِ نور" میں نعتیہ قصیدہ بعنوان "نعتیہ قصیدہ در مدح سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم" موجود ہے۔ اس قصیدے کی خاصیت یہ ہے کہ اس میں حضورؐ کی رحمت و رافت اور شجاعت پر نکتہ آفرینی کی گئی ہے۔ شاعر حضورؐ کی ذات بابرکات کو وجہ عظمت انسان قرار دیتے ہیں۔ آپؐ جان لوح و قلم ہیں۔ ضیاء نیّر اس حوالے سے لکھتے ہیں کہ جملہ موجودات کی تکوین کا باعث آپؐ ہیں۔ عالم افلاک وارض آپؐ کے نعلین کی بدولت قائم ہے۔ آپؐ ہی کی وجہ سے پوری نسل انسانی کو مقصد حیات سے آشنائی حاصل ہوئی۔ آپؐ کے پاس تمام امتوں کی قیادت ہے اور آپؐ کی امت تمام امتوں پر افضل ہے۔ آپ اس بارے میں یوں کہتے ہیں:

ازل سے تا ابد وجہ عظمت آدم — رسول اول و آخر پیمبر اعظم

وہ آفرینش ہستی کی بائے بسم اللہ — وہی ہیں مطلع تخلیق جانِ لوح و قلم

وہ چمنستانِ ازل کی بہارِ پائندہ — ہے نخلِ زیست میں جن کا وجود صورتِ نم

وہی ہیں باعثِ تکوینِ جملہ موجودات — کہ فوق عرش ہوا جن کا اسم پاک رقم

انہی کے نعلین پاک کے تصدق سے — نظام عالم افلاک وارض ہے قائم

انہی کے سر پہ ہے تاجِ قیادتِ کبریٰ — وہی ہیں رہبر اقوام و میر جملہ امم

وہی ہیں جن کی رسالت ہے لایزال مدام — کہ نصب ان کا ہے ایوانِ دو جہاں پہ علم

سراپا رشد و ہدایت ہیں روشنی کی مثال — جناب سید ﷺ ابرار کے نقوشِ قدم

حصار رحمتِ دارین میں ہے نوع بشر — محیط کون و مکاں ہے انہی کا کافِ کرم

انہی کی راہنمائی کا ہے جہاں محتاج　　ہو وہ جہانِ عرب یا کہ ہو جہانِ عجم

رموز کہنہ و نوان پہ آئنہ ہیں تمام　　کہ ہے مثال کف دست ان پہ سب عالم(۲۷)

حضورؐ کی شجاعت کے حوالے سے بات کرتے ہوئے شاعر ضیاء نیئر رقم طراز ہیں کہ دنیا میں کسی کو تاب نہیں کہ حضورؐ کے مقابلے کی سوچ بھی ذہن میں لا سکے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ آپؐ وہ شمع ہیں جس کو خود خدا نے روشن کیا ہے۔آپؐ شجاعت میں اپنی مثال آپ ہیں۔آپؐ جب میدان میں اترتے تھے تو صفِ غنیم میں لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔آپؐ کی شجاعت کا ہی پہلو تھا کہ انجمن میں آپؐ شفیق و خلیق بن جاتے تھے۔اس طرح آپؐ صرف صحابہ کرام کے لیے ہی نہیں بلکہ عدو کے لیے بھی سراپا لطف و کرم بن جاتے تھے۔ضیاء نیئر اس عنوان کو یوں نظم کرتے ہیں:

کوئی بھی صرصرِ دوراں بجھا نہیں سکتی　　فروغ گیر ہے جو اک چراغ طاقِ حرم

وہ شمع جس کو خدا نے کیا ہو خود روشن　　کسے ہے تاب کہ لو اس کی کر سکے مدھم

دم وغا تھے شجاعت میں آپ اپنی مثال　　رسول ﷺ ہاشمی وہ قبلہ گاہ اہل ہمم

صف غنیم میں لرزہ تھا ان کی آمد　　گداز کرتی تھی آہن کو ان کی تیغ دودم

تھے اس قدر وہ سرِ انجمن شفیق و خلیق　　کہ تھے عدو کے لئے بھی سراپا لطف و کرم

رموز کہنہ و نوان پہ آئنہ ہیں تمام　　کہ ہے مثالِ کفِ دست ان پہ سب عالم

خدا کی ذات ہو وصاف جن کی سرتاسر　　کسے مجال کرے ان کے وصف و مدح رقم

زبان دل سے بیاں ہو حدیث شوق کہ ہے　　ورائے نطق و بیاں ذکرِ سید عالم(۲۸)

عبدالعزیز:

عبدالعزیز اپنے قصیدے میں آمد مصطفیٰؐ کی صبح کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

ہے چشم سیہ روکش نجم ثاقب　　رخ دلربا صبح کا کوکبہ ہے

کنار شفق میں لڑی موتیوں کی　　گل نو دمیدہ لبوں پر فدا ہے

چلے تو تو خوشبو چلے آگے آگے　　بدست صبا مجمرِ غالیہ ہے

چمکتی ہے بجلی سی ابر سیہ میں　　ترا چہرہ زلفوں میں لودے رہا ہے

ہے گنجینہ علم لدنی کا سینہ　　سر پشت نقش نبوت کھدا ہے

ہے روئے مدور، منیر و منور　　نجوم درخشاں میں کس کی ضیا ہے (۲۹)

عزیز فیضانی:

عزیز فیضانی حضورؐ کے معجزات کا ذکر کرتے ہیں تو اس کے ساتھ ساتھ اخلاق حسنہ کے دوسرے پہلوؤں کو اپنے قصیدے کا حصہ بناتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

حق تعالیٰ نے کرائی تجھے سیر افلاک　　عرش اعظم پہ تو پہنچا ہے بجسم اطہر

خلق بنیاد تری، خلق بھی پھر خلق عظیم　　نام رحمت ترا، رحمت وہ جو ہے سب پر

تیرے دم سے ہوئی توحید کی آواز بلند　　تو نے آباد کیا آ کے پھر اللہ کا گھر

کیوں خدا تجھ کو کہیں ہم کہ مزا تو یہ ہے　　تو نے سب کام خدائی کے کیے ہو کے بشر

دی شجر اور حجر نے بھی گواہی تیری　　تیری انگلی کے اشارے سے ہوا شق قمر

قدسیوں کو تری آمد سے ملی دل کی مراد　　منتظر تیرے ہی دیدار کی تھی سب کی نظر

قدسیوں نے شب معراج کیا تجھ کو امام　　ہے ترا مسجد اقصیٰ میں فلک پر منبر

چشم 'مازاغ' نے جو عرش پہ دیکھا، دیکھا　　'مارآی' کی جو حقیقت ہے کھلی ہے کس پر

جا نہ سکتا تھا جہاں کوئی وہاں تو پہنچا　　یعنی جلتے تھے جہاں حضرت جبریلؑ کے پر

جتنے انعام ملے تجھ کو ملے ہیں کس کو　　تیرے مولا نے عطا تجھ کو کیا الکوثر (۳۰)

حضورؐ کی شجاعت کا ذکر کرتے ہوئے شاعر آپ کو بیک وقت رہنما، رہبر اور دلبر قرار دیتا ہے۔ آپؐ نے ہر کام پہلے خود کر کے اس کی مثال قائم کی پھر دوسروں کو وہ کام کرنے کی تلقین کی۔ اسی طرح جنگ میں بھی آپؐ سب سے آگے رہے۔

رہنما بھی ہے نمونہ بھی ہے دلبر بھی ہے　　ڈھونڈ کر لا نہیں سکتا کوئی تجھ سا رہبر

کام کرنے تھے جو خود کر کے دکھائے تو نے　　مستعد تھا تو رہ حق میں، سفر ہو کہ حضر

جاں نثاروں کے بھروسے پہ نہ بیٹھا گھر میں　　خود لڑا جنگ کے میدان میں آگے بڑھ کر (۳۱)

آپؐ کے علم و ہنر کے حوالے سے اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے شاعر رقم طراز ہے کہ یہ مناصب و مدارج آپؐ کے لیے ہیں۔ شاعر کہتا ہے:

علم کا تاج، خلافت کا علم اس کو ملا
بڑھ گیا نوری و ناری سے یہ خاکی پیکر

سامنا رنج و مصیبت کا، شہادت کی تڑپ
عہدہ و نور نبوت کا مقام برتر

تھے مگر اصل میں اے سیدِ کل تیرے لیے
یہ مناصب، یہ مدارج، یہ فضائل یکسر

یہ مناصب تیری خاطر ہی سنبھالے سب نے
لے لیے تو نے عیاں وقت پر اپنے آکر

تیغ اسلام کا جوہر ہے تیرا حسن سلوک
بیٹھنے کے لیے دشمن کو بچھادی چادر

تو رسولِ عربی، تو جہاں کا والی
تو امام رسلؑ اور شافع روز محشر (۳۲)

فدا خالد دہلوی:

فدا خالدی دہلوی اس سلسلے میں رقم طراز ہیں کہ آپؐ کی بعثت سے قبل ساری دنیا کی فضا ابتر تھی اور ہر طرف جہالت کی تیرگی چھائی ہوئی تھی۔ ہر ایک ذہن میں نفرت، کدورت، عداوت پر بغض بھرا ہوا تھا۔ یہ صورت حال صرف شخصی معیار پر نہیں تھی بلکہ اجتماعی طور پر یہی صورت حال تھی۔ ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کے وجود کو برداشت نہیں کرتا تھا۔ خاندانی طور پر یہ حالت ایسی تھی کہ عورت کو ذلت کی علامت سمجھا جاتا تھا اسی لیے بعض لوگ اپنی بچیوں کو پیدا ہوتے ہی دبا دیتے تھے۔

ابتر تھی فضا، تیرگی جہل تھی چھائی
ناواقف اسرارِ محبت تھی خدائی

ہر ذہن میں وہ بغض و عداوت کا دھواں تھا
جاری تھی ہمہ وقت قبیلوں کی لڑائی

وہ رات کے پردے میں دہلتے ہوئے انجم
دشمن نظر آتا تھا جہاں بھائی کا بھائی

دھبے تھے کدورت کے ہر آئینہ دل پر
دشوار نظر آتی تھی باطن کی صفائی

ہر ذہن پہ وہ تشنہ نخوت تھا مسلط
ہر شخص کو درکار تھی اپنی ہی بڑائی

دختر کو دبا آتے تھے زندہ ہی زمیں میں
نادان سمجھتے تھے برائی کو بھلائی

انسان بکا کرتا تھا انسان کے ہاتھوں
تھی گردنِ مفلس پہ رواں تیغ طلائی

زیبائش محفل تھے کھنکتے ہوئے ساغر
رقصاں تھا سرِ راہ طرب حسن خفائی

محفوظ نہ تھی عفت و عصمت کسی صورت
تھا جام بکف بزم میں ہر دست حنائی

انسان کا انسان لہو چوس رہا تھا
کہتے تھے جسے سود وہ تھی ان کی کمائی

یوں دل میں بسے رہتے تھے افعال قبیحہ
جیسے کسی تالاب کے پانی پہ ہو کائی

وہ اپنا مددگار سمجھتے تھے بتوں کو
انسانوں کے ذہنوں پہ تھی پتھر کی خدائی

عزیٰ تھا خداوند کہیں لات و ہبل تھا
تھے ان کی نگاہوں میں یہی ان کی روائی

ناواقف آداب تمدن تھا ہر اک دل
جائز تھی انہیں لوٹ، جوا، سود، گدائی

لایا جو کوئی قافلہ اسباب تجارت
سب ٹوٹ پڑے اس پہ لٹیروں کی بن آئی

وہ جبر کے نغموں سے فضا گونج رہی تھی
مظلوم کی آواز نہ دیتی تھی سنائی

اس طرح جکڑ رکھا تھا زنجیر ستم نے
مشکل تھی درِ عدل پہ انسان کی رسائی

دیتے تھے عجب طرح غلاموں کو اذیت
حق بات کوئی کہدے تو مرتا تھا بن آئی

تھا فخر رعونت پہ انہیں نازبدی پر
بگڑی جو کہیں بات تو تلوار اٹھائی

خود اپنی ہی تعریف میں پڑھتے تھے قصیدے
کرتے تھے بڑے فخر سے خود اپنی بڑائی (۳۳)

فدا خالدی دہلوی اس سلسلے میں کہتے ہیں کہ حضورؐ کی بدولت تنویر ہدایت متشکل نظر آئی۔ آپؐ نے آکر جہاں انسان کی گردن جور و ستم سے چھڑائی وہیں پر بندوں کو عظمتِ رب سے بھی متعارف کروایا۔ آپؐ نے لوگوں کے ذہن ہی برائی سے متنفر کر دیے اس طرح برائی سے جنم لینے والے تمام مسائل ختم ہو گئے اور انسان ایک عظیم انقلاب کے لیے تیار ہو گیا۔

منسوب ہوا نام محمدؐ سے وہی نور
تنویر ہدایت متشکل نظر آئی

بندوں کو خبردار کیا عظمتِ رب سے
گردن ستم و جور سے انساں کی چھڑائی

تبدیل کیے ذہن برائی کی طرف سے
نفرت رہی باقی نہ عداوت نہ لڑائی

وہ ذات گرامی جسے اللہ نوازے
وہ جس کے لیے محفلِ کونین سجائی (۳۴)

فدا فضل دین کھیم کرنی:

فدا فضل دین کھیم کرنی اپنی کتاب 'حدیث ایمان' میں بلا عنوان ایک قصیدہ بیان کرتے ہیں۔ یہ قصیدہ اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس میں حضورؐ کے حسن و جمال کو ندرت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ شاعر حضورؐ کے حسن و جمال کو لوح قلم سے حاصل ہونے والی انتہائی اعلیٰ درجے کا جمال قرار دیتا ہے۔ جبکہ آپؐ کی آمد سے قبل ہر طرف ظلمتوں کا غبار چھایا ہوا

تھا۔ آپؐ کی آمد سے ظلمتوں کا غبار چھٹ گیا۔ شاعر حضورؐ کی ذات کو حرف کن کی تفسیر قرار دیتا ہے۔ آپؐ کا جلوہ ہر دو جہاں پر طاری ہے۔ اسی طرح شاعر حضورؐ کے بدنِ عطر بار کو اس جہان میں خوشبوؤں کی وجہ قرار دیتا ہے شاعر کہتا ہے۔

نائے لوح و قلم حرفِ انتہا کا جمال — وقیعِ ارض و سما خُلد آگہی کا وقار

حُروفِ کن کی مُفسّرِ ہے آپؐ کی صورت — حدیثِ مظہرِ فطرت ہے آپؐ کی گفتار

جمال ہر دو جہان ہے حضورؐ کا جلوہ — مُحیطِ کون و مکاں ہے حضورؐ کے انوار

وہ عطر بار بدن ہے کہ جس کی خوشبو سے — چمن چمن میں جہاں کے ہے آپ کی مہکار

ضیائے مہرِ شریعت ہیں آپؐ کے جلو سے — جمالِ صبحِ طریقت ہے آپ کی سرکارؐ

حضورؐ آپ کی صورت ہے شرح سورہ نور — حضورؐ آپ کی قامت ہے قامتِ انوار

حضورؐ شانۂ اقدس پہ مہرِ یزدانی — حضورؐ آپ کا سینہ خزینۂ اسرار

حضورؐ آپ کا فیضِ نگاہ کیا کہنا — صحابہ معرفت و آگہی سے ہیں سرشار

شریعت آپؐ کی آئینۂ طلب کو جِلا — طریقت آپ کی اَسرارِ زیست کا اظہار

حضورؐ قربِ الٰہی ہے آپ کی قُربت — حضورؐ خاصۂ خاصانِ محفلِ غفّار

حضورؐ آپ نے بخشی ہے اُس کو دارائی — غلام بن کے ہوا ہے جو حاضرِ دربار (۳۵)

آپؐ کی راحت و رافت کا ذکر کرتے ہوئے شاعر کہتا ہے کہ آپ غمزدہ انسانیت کے دکھوں کا مداوا کرنے والے ہیں ۔ گنبد خضریٰ کے سائے میں انسانیت کے دل و دماغ منور ہوتے ہیں۔ آپ ہی کے دم سے انسانیت کو اللہ تعالیٰ سے رحمت کی نوید دی ہے۔

محمدؐ عربی بر گزیدہ و غم خوار — خُدا کی صنعتِ تاباں کا خوبرو شہکار

وہ آب و تابِ زمانہ وہ تابدار یتیم — الوہیّت کے سمندر کا گوہرِ شہوار

دل و دماغ مُنوّر ہیں جس کے سائے سے — نبیؐ کے گنبدِ خضریٰ کے ہیں در و دیوار

جسے ہی نہ کہیں بھی دوائے تشنہ لبی — جمالِ ساقیِ کوثر سے ہو گیا سرشار

نویدِ رحمتِ باری مکارمِ اخلاق — ازل کا حُسن ہیں دُنیا میں آپ کی اقدار (۳۶)

فدا فضل دین اس عقیدے میں آپ کی آمدِ بابرکت کا ذکر کرتے ہیں تو اس کے ساتھ عرب کے ماحول کی منظر کشی بھی کرتے ہیں۔ عرب آپؐ کی آمد سے قبل ظلمتوں کا غبار تھا۔ آپؐ نے قدم رنجا فرمائے تو وہ انوار کا پیکر بن گیا۔ آپؐ کی آمد سے عرب کی فضا نکھر گئی اور رحمتوں کی بہار کی وجہ سے چمن درخشاں ہو گیا ہے۔ انسانیت کی قسمت اس دن جاگ اٹھی جس دن اذانِ رسالت ہوئی۔ یہی وہ لمحہ تعاقب تھا جب حقیقتِ بیدار نگاہ شوق میں چمک اٹھی۔ اس لئے آپ کو گلشنِ ہستی کی آبرو کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔

مدینہ آپ سے پہلے تھا ظُلمتوں کا غبار — ہُوا ہے آپ کے قدموں سے پیکرِ انوار
مہک رہی ہیں فضائیں نکھر رہی ہیں نظر — چمن چمن میں درخشاں ہے رحمتوں کی بہار
اذانِ صبحِ رسالت سے جاگ اُٹھی قسمت — نگاہِ شوق چمکی حقیقتِ بیدار
بہار گلشنِ ہستی کی آبرو ہیں رسولؐ — انہی کے فیض سے دشت و جبل ہوئے گلزار
غبارِ فرش کے ذرّات جگمگا اُٹھے — فرازِ عرش پہ چمکے حضورؐ کے انوار (۳۷)

فدا فضل دین کے قصیدے کا اہم موضوع حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے خلقِ عظیم کا بیان ہے۔ آج مسافرانِ حقیقت اپنی راہ سے نہیں بھٹک سکتے کیوں کہ آپؐ کا کردار ان مسافروں کے لیے چراغِ راہ ہے۔ آپؐ کا اسوہ حسنہ انسان کے حاصلِ ایمان ہے آپؐ کا اخلاق معنی قرآن ہے۔

ہر ایک ذرّہ ہے رشکِ جمال کا ہکشاں — ہر ایک ذرّہ ہے طیبہ کا خاورِ انوار
شبابِ خُلد کی تقدیس ہے فدا جس پر — جہاں میں ہے وہ بہار آفریں نبیؐ کا شعار
نظر نواز ہے ماحولِ آگہی کا سماں — بہارِ خلد کا محور ہے روضۂ سرکارؐ
یہاں ہے رحمتِ یزداں کی بارشِ پیہم — نہ کیوں ہو مطلعِ انوار آپؐ کا دربار
مسافرانِ حقیقت بھٹک نہیں سکتے — چراغِ راہ حقیقت ہے آپؐ کا کردار
جہاں میں آپؐ کا اخلاق معنیٔ قرآں — جہاں میں حاصلِ ایماں ہے اُسوۂ سرکارؐ
نگاہِ حاکمِ دوراں کی جنبشِ محکوم — مطیعِ سرورِ کونین وقت کی رفتار (۳۸)

حضورؐ کے علم و حکمت کا ذکر کرتے ہوئے شاعر رقم طراز ہیں کہ آپؐ کے نطق سے خلق کے اسرار کہے ہیں۔ اور کلام پاک دراصل خلقِ عظیم کی تفسیر ہے۔ آپؐ کے افکار انسانیت کے لئے آفتاب ہدایت ہیں۔ آپؐ دونوں جہاں کے علم کے عالم ہیں۔ آپؐ کی نظریں کاشف، اسرار ہیں۔

کلامِ پاک ہے خلقِ کلیم کی تفسیر — کھلے ہیں نطق رسالتؐ سے خَلق کے اسرار

جہانِ عزم و عمل جس سے ہے ضیاافروز — وہ آفتابِ ہدایت ہیں آپؐ کے افکار

حضورؐ علم دو عالم کے آپؐ ہیں عالم — حضورؐ آپ کی نظریں ہیں کاشفِ اسرار (۳۹)

شاعر دو معجزات کا ذکر کرتے ہیں۔ آپؐ کی مٹھی میں کنکر کلمہ پڑھنے لگے اور دوسرا آپؐ نے سوکھے ہوئے اشجار کو سرسبز کر دیا۔

حضورؐ آپ کی مٹّھی میں بول اُٹھے پتھر — حضورؐ آپ نے سرسبز کر دیئے اشجار

بنائے معرفتِ حق حضورؐ کی سُنّت — سرورِ قلب و نظر ہیں حضورؐ کے اذکار (۴۰)

حضورؐ کے جود و سخا کا ذکر بھی اس قصیدے کی خاصیت ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ آپؐ کا حسن کرم لاثانی ہے۔ آپؐ کا شانِ تمدن ارتقا کا نصیب ہے حضورؐ سخاوت اور ضمین کا دریا ہیں۔ آپؐ کی وجہ سے ہی گناہ گاروں نے بخشے جانا ہے۔

چراغِ محفلِ دارین احمدِؐ مختار — ضیائے سینہ کونین سیّدؐ ابرار

حضورؐ حسن و کرم آپؐ کا ہے لاثانی — حضورؐ آپ ہیں ٹوٹے ہوئے دلوں کا قرار

حُضورؐ شانِ تُمدّن ہیں ارتقا کے نقیب — حضورؐ عدل و عدالت کا آپ ہیں معیار

نہ و نُجوم ہوں یا آفتابِ عالمتاب — سبھی ہیں آپ کے فیض جمال سے ضَو بہار

حضورؐ نازشِ خالق ہیں مایۂ مخلوق — حضورؐ آپ کا جبرئیل خادمِ دربار

حضورؐ موجِ سخاوت ہیں فیض کا دریا — نشاطِ زیست کا منبع ہے آپ کی سرکارؐ

کہاں ملی ہے کسی کو یہ شانِ محبوبی — خدا ہے آپ کے جلوؤں کا طالبِ دیدار

حضورؐ نُورِ مجسم حضورؐ نیّرِ شوق — محیط ہر دو جہاں پر ہے جلوۂ انوار

قرینہ لطف و کرم کا ہیں آپؐ کی نظریں — گناہگار کی بخشش حضورؐ کا کردار

شبابِ حُسنِ تقدّس حضورؐ کا چہرہ — متاعِ راحتِ کونین نُطقِ گوہر بار (۴۱)

حضورؐ کے مقام و مرتبہ کے بارے میں شاعر کچھ نظم کرتے ہیں:

حدِ فلک سے نہ عیسیٰ کے بڑھ سکے ہیں قدم — مقامِ عرش پہ پہنچے مگر مرے سرکارؐ

نہ کوئی اور ہوا عرش کا کبھی مہمان — مگر حضورؐ کو حاصل ہے یہ شرف یہ وقار (۴۲)

محمد ذکی کیفی:

محمد زکی کیفی اپنے قصیدہ مدحیہ میں آپؐ کے فقر کی شان بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپؐ کے دم سے رنگ و بو کی رونق ہے۔آپؐ کی شان غنا یہ ہے کہ آپؐ کے قدموں میں تاج قیصری ہے اور آپؐ کی فقر کی شان دیکھی جائے تو آپ کے پاس ایک گلیم یعنی اوڑھنے کے لیے استعمال ہونے والا اونی کپڑا، بھی نہیں ہے۔آپ کہتے ہیں:

آئے وہ جن کے دم سے ہے رونقِ بزم رنگ و بو — بزم رسل کے تاجدار، محرم راز کن فکاں

شانِ غنا کہ آپ کے قدموں پہ تاج قیصری — فقر کی شان یہ کہ ہے، ایک گلیم بھی کہاں

کون و مکاں میں روشنی ان کی ازل سے تا ابد — سلسلہ ان کے نور کا پھیل گیا کہاں کہاں (۴۳)

مظہر الدین مظہر:

اس سلسلے میں مظہر الدین مظہر ان خیالات کا اظہار کرتے ہیں:

کیف افروز محفل ہستی — وجہ سر مستیٔ بہار حرم

نور افشاں عالم موجود — رونق قبلہ، اعتبار حرم

ضامن عصمت بنائے خلیل — پاسبان و نگاہدار حرم

من رانی فقد رالحق، گفت — خاتم انبیاء، نگارِ حرم

فخر کونین! فخر موجودات — تیرا کوچہ ہے افتخارِ حرم

تیری تکبیر اور تیری تہلیل — نغمۂ ساز آبشارِ حرم (۴۴)

نبی کریمؐ کے فقر و غنا کے بارے میں شاعر کہتا ہے:

فقر سرمایہ، بوریہ بستر — بے زر و سیم، تاجدار حرم (۴۵)

وقار صدیقی:

وقار صدیقی اجمیری اپنی کتاب 'حرف حرف خوشبو' میں ایک نعتیہ قصیدہ پیش کرتے ہیں۔ جس کی خاصیت یہ ہے کہ خاتم الانبیاء کے اسم گرامی 'محمد ﷺ' کے اعداد کے مطابق اس کے کل اشعار کی تعداد ۹۲ ہے۔اس میں سیرت نبیؐ کے پہلو نشر توحید کے بارے میں بات کرتے ہوئے شاعر کہتے ہیں کہ توحید کا میخانہ ایسا ہے جس میں باہم مل کر ہی

سکون واقرار حاصل ہو سکتا ہے۔اس سلسلے میں شاعر علم بیان وبدیع کے حوالے سے اپنے جذبات کا اظہار کرتا ہے۔ شاعر کہتا ہے:

آؤآؤ در میخانہ توحید کھلا — آؤآؤ کہ پیئیں اور پلائیں باہم

جام چھلکائیں کچھ اس طرح بنام ساقی — العطش کہتے ہوئے آئیں فقیہان حرم

نرم رو باد صبا میں ہے وہ تاثیر شراب — آج کھل جائے گا زہاد کی نخوت کا بھرم

اوج فاران پہ قسمت کا ستارہ چمکا — بد نصیبی کے اندھیرے ہوئے روپوش عدم

جام آیات الہیٰ ہیں سبو ہے قرآں — کیف ایمان ہے ایمان رسول اکرمؐ

پوجنے والوں نے خود لات و حبل توڑ دیئے — حرم کعبہ میں باقی نہ رہا کوئی صنم

آپؐ آئے تو کیا آپ کا خود بڑھ کے طواف — ایک مدت سے تھا باندھے ہوئے احرام حرم(۴۶)

حضورؐ کے علم ودانش پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے وقار صدیقی اجمیری اس نقطہ نظر کے حامل ہیں کہ آپؐ نے وجود کی تشریح اس انداز سے کی کہ لفظ عدم اپنے معنی سے دستبردار ہو گیا۔ یہ آپؐ کے علم کا اعجاز تھا کہ آپؐ کی تعلیم کے سبب صحابہ کرام کے لیے کوئی رخ غیر واضح اور مشکوک نہ رہتا بلکہ ان کے دل بدل جاتے۔ دل نور سے جگمگا اٹھتے۔ اسی طرح علم وحکمت کے پرچم اٹھائے تخیل مختلف جہتوں میں پرواز کرتا رہتا۔ شاعر کہتا ہے:

ایسے انداز سے کی آپ نے تشریح وجود — اپنے معنی سے تہی دست ہوا لفظ عدم

کوئی رخ آپ کی تعلیم کے آئینہ میں — غیر واضح ہے نہ مشکوک نہ اصلاً مبہم

جہل کے سینہ تاریک کو پر نور کیا — علم وحکمت کے ہر اک سمت اڑائے پرچم

آپ نے بخش دیا جادہ و منزل کا شعور — کوئی کرتا ہی نہیں فکر و عمل کا ماتم

فکر پابستہ پہ اسرار مشیت کھولے — راز ہستی کا کیا نوع بشر کو محرم(۴۷)

وقار صدیقی اجمیری اپنی کتاب 'حرف حرف خوشبو' میں حضورؐ کے حسن وجمال پر بات کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپؐ کے سراپا کا خیال آتے ہی عقل گم ہو جاتی ہے۔ حیرتیں اس حد تک بڑھ جاتی ہیں کہ قلم آئینہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح حضورؐ کا حسن تشبیہ سے پاک ہے۔ کیونکہ اس کا نہ تو کوئی ثانی ہے، نہ ہمسر ہے اور نہ ہی کوئی مثیل ہے۔ کسی میں یہ دم نہیں

ہے کہ آپؐ کے حسن کا سراپا دیکھ سکے۔ صرف یہی نہیں بلکہ شاعر چشم تخیل سے مختلف جزئیات نگاری بھی کرتا ہے، شاعر کہتا ہے:

موبہ مو کتنے تحفظ ہیں سیہ کاروں کے — ان کے گیسو ہیں خطا پوش تو زلف ابر کرم

اگر ابرو سے ہے قوسین کا واضح مفہوم — خم ابرو سے شرف یافتہ محراب حرم

جنبش ابروئے خمدار مشیت کی کلید — جس کا ہر حکم ہے اطلاق میں مطلق مبرم

دردمندی کے لیے وقف ہے قلب اطہر — اور پلکوں نے سجا رکھے ہیں انسان کے غم

سامنے پیار کے پیکر ہوں کہ نفرت کے نقیب — اپنا انداز بدلتی ہی نہیں چشم کرم

حسن بینی کے لیے آئینہ حسن بینی — اور انفاس پہ قربان ہے خوشبوئے ارم

ایک تنویر ازل ایک ہے تقدیر ابد — دونوں عارض ہیں تجلی کا نظام محکم

کان است کی صداؤں سے لگے رہتے ہیں — اللہ اللہ یہ فریاد رسی کا عالم

دردنداں پہ فدا ہیں جو اویس قرنی — فیض یاب لب اعجاز ہیں ابن مریمؑ

گردن ایسی کبھی گردوں نے نہ دیکھی ہوگی — رفعت عرش کا اعزاز ہے جس کا ہر خم

سینہ گنجینہ اسرار خداوند قدیر — پشت پر مہر نبوت سے ہے اتمام نعم

پائے اقدس کا ہر اک نقش ہے منزل بکنار — پائے اقدس پہ جبین مہ و خورشید ہے خم

راہ افروز ہے اس شان سے انداز خرام — سجدہ گاہ و خورشید ہے ہر نقش قدم

آپ کی صورت و سیرت کی جمال آرائی — ہے دو عالم کے لیے خالق اکبر کا کرم (۴۸)

وقار صدیقی اجمیری سیرت کے پہلو یعنی شجاعت پر بات کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ آپؐ نے جہاں نرمی سے دلوں کو جیتا وہیں پر جہاں تلوار اٹھانے اور طاقت کے اظہار کا وقت آیا تو آپؐ نے اس کا بھرپور اظہار کیا۔ اس کی بدولت لاتعداد اصنام کی پرستش کرنے والے خدائے واحد پر ایمان لے آئے۔ کفر و شرک کے اندھیروں میں بھٹکنے والے انوارِ توحید کے طلب گار بن گئے۔ بیٹیوں کو زندہ دفن کرنے والے ان کی عفت و عزت کے نگہبان بن گئے۔ وہ لوگ جو بات بات پر خون بہا دیتے تھے، علم و سلامتی کے علم بردار بن گئے۔ آج کے دور کی خامیاں بھی ان میں نہ رہیں۔ وہ اگر ماں باپ کے بڑھاپے کو بوجھ تصور کرتے تھے تو بدل کر ان کے قدموں میں جنت تلاش کرنے لگے۔ وہ ظلم و تشدد کے خوگر تھے مگر حضورؐ کے طفیل سے اخوت و رحمت کے مظہر بن گئے۔ وہ پہلے شراب کو اعزاز اور قمار بازی کو افتخار سمجھتے تھے مگر انسانی اقدار

کی بلندی کے لیے میدان میں آگئے۔ پہلے کمزور و بے بس کی عزت سے کھیلنے والے تھے، اب ان کمزوروں کے سر پر دستِ شفقت کی چھاؤں کرنے لگے۔ یہ انقلاب حضورؐ کی سیرت کے تحت آنے والا انقلاب تھا، جس نے دیکھتے ہی دیکھتے سب کچھ تبدیل کر کے رکھ دیا۔

طوق اتارے کہیں زنجیر غلامی کاٹی — زخم تہذیب و تمدن پہ لگایا مرہم

عقل و وجدان کو اک ربط و توازن دے کر — مرتفع کر دیا تحقیق حقائق کا علم

بیٹیوں کو جو کیا کرتے تھے زندہ در گور — ایسے ظالم بھی نظر آئے پشیمان ستم

ظلم و نفرت کی فضاؤں کو کچھ ایسا بدلا — بن گیا واقعی انسان 'محبت کا حرم'

صنف نازک وہ تقدیس کا معیار ملا — دامن گل پہ ہو جس طرح اچھوتی شبنم

عصبیت کے مظاہر پہ لگائی قدغن — نہ رہا اسود و احمر میں کوئی بیش و کم (۴۹)

یہ وہ رحمت و شفقت کے چند مثالی نمونہ ہیں جو محسن انسانیت، ابر لطف و عطا اور بحر جود و سخا کی شان میں گل ہائے عقیدت پیش کرتے ہوئے، تخلیق کے جاں گداز لمحات سے گزرتے ہوئے شاعر رنگیں بیاں، محامد سرور کون و مکاں کے انوار بکھیرتے ہوئے مدحت نگاروں کو متاثر کرتے ہیں۔ ان کا جذبہ شوق فراواں، افکار گل بداماں کو شعر کے قلب میں ڈھالنے پر مہمیز کرتا ہے پھر نعت گلزار صداقت کے تروتازہ گلاب اور اصناف سخن کا سب سے بہتر انتخاب بن جاتی ہے۔ رحمت عالم ﷺ کی سیرت اقدس کے اوصاف رحمت کے بیان میں ہر شاعر اپنا حصہ ڈال کر شاداں و فرحان ہوتا ہے۔ اور صنف نعت کو اس موضوع کی تابانی سے پُرانوار بنا دیتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔رشید وارثی،خوشبوئے التفات(کراچی: بزم وارث،شاہ فیصل کالونی، مئی ۲۰۰۴ء)،ص ۷۶۔

۲۔گوہر ملسیانی،سیرت ہادی برحق ﷺ(لاہور: علم و عرفان ۲۰۰۵ء)،ص ۲۰۱۔۲۰۲۔

۳۔محمد انوار الحق،"اوصافِ رسول،"نقوش،رسول نمبر ۴،شمارہ ۱۳۰(۱۹۸۳ء)،ص ۱۷۷۔

۴۔عزیز احسن،اردو نعت اور جدید اسلوب(کراچی: فضلی سنز،۱۹۹۸ء)،ص ۳۵۔

۵۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ،"مہر نبوت"مشمولہ تجلیات نبوت،مرتبہ مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری(لاہور: دارالسلام، ۲۰۱۰ء)،ص ۳۶۔

۶۔آرزو اکبر آبادی تبریزی،کیف مسلسل(کراچی: مکتبہ سہیل لالوکھیت،۱۹۵۷ء)،ص ۳۱۔

۷۔اعظم چشتی،کلیات اعظم(لاہور: خزینہ علم وادب،۲۰۰۰ء،ص ۵۵۔

۸۔انور جمال،حسنت جمیع خصالہ،(ملتان:بیکن بکس،۲۰۰۰ء)،ص ۸۳۔

۹۔ایضاً،ص ۸۶۔

۱۰۔ایضاً،ص ۸۶۔

۱۱۔ایضاً،ص ۸۳۔

۱۲۔ایضاً،ص ۸۴۔

۱۳۔ایضاً،ص ۸۴۔

۱۴۔پیر سید نصیر الدین نصیر،دیں ہمہ اوست(اسلام آباد: مہریہ نصیریہ پبلشرز،۲۰۰۰ء)،ص ۵۶۔

۱۵۔ایضاً،ص ۵۸۔

۱۶۔جعفر بلوچ، بیعت(طبع اول)(لاہور: الفیصل،اردو بازار،۱۹۸۹)،ص ۱۱۴۔

۱۷۔حافظ لدھیانوی، کیف مسلسل(فیصل آباد: بیت الادب،۱۹۸۹ء)،ص ۲۹۔

۱۸۔رشید وارثی،خوشبوئے التفات(کراچی: بزم وارث،شاہ فیصل کالونی، مئی ۲۰۰۴ء)،ص ۷۶۔

۱۹۔ایضاً،ص۷۶۔

۲۰۔ایضاً،ص۷۸۔

۲۱۔سید محمد یوسف علی، نغمہ عندلیب(کراچی: شعبہ نشرواشاعت حضرت خواجہ عزیزالاولیاء سلیمانی ٹرسٹ،۱۴۱۹ھ)،ص۹۱۔۹۹۔

۲۲۔ایضاً،ص۳۱۳۔۳۱۴۔

۲۳۔سید نظر زیدی،نوراً علی نور(لاہور: صبح صادق پبلی کیشنز،۱۹۹۶ء)،ص۵۱۔

۲۴۔شہاب دہلوی،موج نور(بہاولپور: مکتبہ الہام،ماڈل ٹاؤن اے،۱۹۷۴ء)،ص۹۹۔۱۰۲۔

۲۵۔ایضاً،ص۱۰۴۔۱۰۵۔

۲۶۔صبا اکبرآبادی، دست دعا(کراچی: جہانِ حمد پبلی کیشنز،۲۰۰۳ء)،ص۳۰۔۳۱۔

۲۷۔ضیاء نیئر ، سفر نور(لاہور: المدینہ پبلی کیشنز، ۱۹۷۷ء)، ص ۱۱۶۔

۲۸۔ایضاً، ص ۱۱۸۔

۲۹۔عبدالعزیز خالد،فار قلیط(لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، طبع IV،۱۹۸۵ء)،ص۳۷۔

۳۰۔عزیز فیضانی،متاع عزیز(ایبٹ آباد: فیضانی ملی لائبریری، س ن)،ص۳۶۔

۳۱۔ایضاً،ص۳۶۔

۳۲۔ایضاً،ص۳۵۔

۳۳۔فدا خالدی دہلوی،م ص(کراچی: اشتیاق پرنٹنگ پریس،۱۹۸۳ء)،ص۱۴۸۔

۳۴۔ایضاً،ص۱۵۱۔

۳۵۔فدا فضل دین کھیم کرنی،حدیثِ ایمان(لاہور: بشیر پرنٹرز، س ن)،ص۲۶۔

۳۶۔ایضاً،ص۲۷۔۲۹۔

۳۷۔ایضاً،ص۲۸۔

۳۸۔ایضاً،ص۳۰۔

۳۹۔ایضاً،ص۳۰۔

۴۰۔ایضاً، ص ۳۱۔

۴۱۔ایضاً، ص ۲۷۔۲۸۔

۴۲۔ایضاً، ص ۳۱۔

۴۳۔محمد ذکی کیفی، کیفیات (لاہور: ادارہ اسلامیات، ۱۹۷۷ء)، ص ۷۹۔

۴۴۔حافظ محمد مظہر الدین مظہر، کلیات مظہر (لاہور: ارفع پبلشرز، ۲۰۱۳ء)، ص ۶۲۶۔

۴۵۔ایضاً، ص ۶۲۶۔

۴۶۔وقار صدیقی اجمیری، حرف حرف خوشبو، (کراچی: فرید پبلشرز، ۱۹۹۸ء)، ص ۱۸۱، ۱۸۴۔

۴۷۔ایضاً، ص ۱۸۷۔

۴۸۔ایضاً، ص ۱۸۵۔۱۸۷۔

۴۹۔ایضاً، ص ۱۸۸۔

باب سوم

نعتیہ قصائد میں دعا و مناجات

تعارف:

اصناف ادب میں صنف نعت در حقیقت محبت والفت، عقیدت واطاعت اور ریاضت وودیعت کاایسا فن ہے جس میں اگر عشق ومستی کی گرمی درکار ہے تو قلب و نظر کی بے انتہا پارسائی ونرمی بھی درکار ہے۔ قرآن کریم کے فرمان کے مطابق خلوص دل سے نعت کہنے کی ہدایت ہے:

ان اللہ و ملئکتہ یصلون علی النبی یاایھاالذین امنو اصلواعلیہ وسلمواتسلیما۔ (الاحزاب،33-56)

ترجمہ: بلاشبہ اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ اے اہل ایمان تم بھی خوب ان پر درود اور سلام بھیجا کرو۔

یوں نعت حکم خداوندی کی اطاعت اور نماز نیاز بن جاتی ہے۔ جذبوں کی سرسراہٹ، سرمدی خیالوں کی جگمگاہٹ اور باد صبح گاہی کی گدگداہٹ نعت کے خمیر کی ٹمٹماہٹ میں ڈھل جاتی ہے۔ یہ وہ روشنی ہے جو خانوادہ عبدالمطلب سے طلوع سحر کی پیشانی پر ظاہر ہوئی اور لب پر سلک عقیدت بن کر چمکنے دمکنے لگی۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی فکر رسا سے سخن کے آسمان پر ضیائے رخشندہ بنی۔ تخلیقی صلاحیتیں، جذبوں کی بشارتیں اور تحقیقی صداقتیں عہد بہ عہد نعت کے افکار و انوار کی زینت بنتی رہی ہیں۔ آج بھی یہ ضیا بار صنف سلطنت سخن پر حکمرانی کر رہی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ عصر حاضر میں اس گلزار سدابہار کے مختلف پھول رنگ ونور کی صدہا شعاعیں، اسلوب کی متنوع پُر بہار صدائیں اور نفیس خیالات کی پارسا ادائیں لیے عشق وعقیدت نبی رحمت ﷺ کو نکہت نشاں بنا رہے ہیں۔ شیر محمد زمان چشتی "نقوشِ سیرت" میں اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

"سرور کائنات ﷺ کی تخلیق وبعثت کا ارادہ کرنے والی ہستی خود رب کائنات ہے۔ وہ ذات، وہ باری تعالیٰ جس کی آیات کائنات کے ہر ذرے میں نہاں، جس کی ذات کا، کوئی مثال ادراک نہیں کر سکتی، جس کی صفات کا کوئی زبان احاطہ نہیں کر سکتی۔ " (۱)

رب کائنات خود قرآن میں فرماتا ہے:

"کہہ دیجئے کہ سمندر میرے رب کے کلمات کو احاطہ تحریر میں لانے کے لیے روشنائی ہو، تو سمندر ختم ہو جائے گا، میرے رب کے کلمات ختم نہ ہوں گے، خواہ اس سمندر کے برابر اور لے آئیں، روشنائی کے لیے۔" (سورۃ الکہف،109:18)

بلکہ اس تصور کی مزید وضاحت فرماتے ہوئے کہا:

"اگر زمین میں جتنے بھی درخت ہیں قلم بن جائیں اور سمندر اس کی روشنائی ہو اور اس کے ساتھ مزید سات سمندر بھی ہوں تو اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں۔" (سورۃ لقمان 37:31)

یہ ایک ابدی صداقت ہے، جس کا اقرار ہر ذی شعور انسان کرتا ہے۔ ہم عموماً اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسمائے حسنیٰ کا ورد و وظیفہ کرتے ہیں۔ ان میں "اللہ" وہ اسم ذات ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی طرح اسمائے صفات میں بھی ایک ایسا نام ہے جو ذات باری کی بنیادی ایسی صفت ہے جس کا مصداق اور کوئی نہیں ہو سکتا ہے۔ وہ ہے "الرحمٰن" جسے ہم قرآن حکیم کی پہلی صورت میں اور ہر نماز میں بار بار پڑھتے ہیں:

"الحمد اللہ رب العالمین ۔ الرحمن الرحیم

سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو رب ہے سب جہانوں کا، بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا۔"(فاتحہ 1:1-2)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ "الرحمٰن" کی وضاحت فرماتے ہوئے کہتے ہیں:

"اسمائے حسنہ میں وہ اسم جو اس نظام وجدانی کا مبدا ہے اور جس کے بعد اور کوئی اسم نہیں وہ "الرحمٰن" ہے۔ میں "الرحمٰن" کی عمومیت اور علوم و معارف بیان کرنے سے قاصر ہوں۔۔۔ اس کے فیضان کی حیثیت کلی ہے اور اس فیضان کا مبدا ذات اقدس کی رحمانیت مطلقہ ہے۔"(۲)

یہ حقیت سب پر آشکار ہے کہ اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے۔ اسی نے اس کائنات کی ہر چیز انسان، حیوان، نباتات، جمادات، فلکیات، دشت و جبل، بحر و بر، سب پر اپنی رحمت فرمائی ہے۔ وہ "الرحمٰن الرحیم" ہے وہ خالق اور رازق بھی ہے۔ وہ اپنی مخلوق پر مہربان ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اس دنیا کی کس شے کو کس چیز کی ضرورت ہے۔ کہاں پیاس ہے کہ کھیتیاں خشک ہو رہی ہیں۔ کہاں بھوک ہے کہ مخلوق کو خوراک کی ضرورت ہے۔ اس کی رحمت کا سمندر ہر وقت ٹھاٹھیں مارتا ہے۔۔ اسے معلوم ہے کہ کہاں کسان اپنی فصلوں کے لیے بارش کی دعا مانگ رہا ہے، کہاں انسان و حیوان اپنی غذا کے لیے بے قرار ہیں۔ کہاں پھول مرجھا رہے ہیں اور گلستان ویران ہو رہے ہیں۔ کہاں پہاڑ پر سبزہ زرد ہو رہا ہے، کہاں دشت و صحرا میں جھاڑیاں مرجھا رہی ہیں، کہاں موسم خزاں میں درختوں کے پتے دوش ہوا پر ناچ رہے ہیں، کونپلوں کے لب بہار کی آمد کے لیے جمع ہو رہے ہیں تو اس کی رحمت جوش میں آجاتی ہے، آسمان پر رحمت کی گھٹائیں چھا جاتی ہیں پھر چھم چھم بارش برسا جاتی ہیں۔ دھرتی سیراب ہو جاتی ہے، روئے زمین شاداب ہو جاتی ہے۔ ریگستان میں بیر بوٹیاں سرخ مخملیں لباس زیب تن کر کے خنک نرم ریت پر رینگنے لگی ہیں۔ یہی خالق کائنات اپنی رحمت کا نقشہ کھینچ کر قرآن کریم میں فرماتا ہے:

"وہ اللہ ہی ہے جو ہواوں کو بھیجتا ہے اور ہوائیں بادلوں کو اپنی جگہ سے ابھارتی ہیں اور جس طرح اس کی مرضی نے انتظام کر دیا ہے، بادل فضا میں پھیل جاتے ہیں، پس تم دیکھتے ہو کہ ان کے اندر سے مینہ برسنے لگتا ہے اور تمام زمین سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے پھر جب وہ اپنے بندوں پر جو بارش سے مایوس ہو گئے تھے، پانی برسا دیتا ہے تو وہ کامیاب و خرم ہو کر خوشیاں منانے لگتے ہیں۔"(سورہ روم 48:30)

علم و فکر کے اس شعبہ میں عمیق نظر ڈالیے تو معلوم ہو جائے گا کہ کائنات انسانی کا یہ عالم گیر نظام زندگی و شادابی اور افزائش وارتقا کی خوبیوں سے معمور ہے۔ اس میں جہاں حرکت و حیات اور نشو و نما ہے وہاں حسن و جمال اور آرائش و زیبائی بھی ہے۔ یہ سب کچھ رحمت خداوندی کی کبریائی بھی ہے۔

پروردگار عالم کا یہ احسان ہے، اس کی رحمت کا فیضان ہے کہ وہ اس کائنات کی ہر ہستی کی احتیاج کا سامان کر رہا ہے، یہی توصفت رحمٰن ہے جس پر ہر انسان کا ایمان ہے۔ اس رحمانیت کو دیکھ کر آج کے حکیم و دانا، مفکر و صاحب علم الکلام، فلاسفر اور موجدان مغرب حیران و ششدر ہو رہے ہیں۔ کیوں کہ رحمت کی یہ بارش مسلسل برس رہی ہے۔ سید ریاض حسین شاہ نے اس کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

"ہم دیکھتے ہیں کہ کائنات ہستی کی فطرت میں بناؤ ہے، اس کے بناؤ میں خوبی ہے، اس کے مزاج میں اعتدال ہے، اس کے افعال میں خواص ہیں، اس کی صورت میں حسن ہے، اس کی صداؤں میں نغمہ ہے، اس کی بو میں عطر بیزی ہے اور اس کی کوئی بات نہیں جو اس کارخانہ تعمیر و درستگی کے لیے مفید نہ ہو۔ پس یہ حقیقت جو اپنے بناؤ اور فیضان میں ربوبیت سے بھی وسیع اور عام ہے، قرآن کہتا ہے کہ رحمت ہے اور خالق کائنات کی رحمانیت اور رحیمیت کا ظہور ہے۔"(۳)

ارشاد ربانی کچھ یوں بھی ہمارے سامنے اپنی رحمت کی وسعت کا اظہار کرتا ہے:

"ورحمتی وسعت کل شی ء (الاعراف 156:7)

اور میری رحمت دنیا کی ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔"

جس طرح یہ صفت "الرحمٰن" صرف باری تعالیٰ کے لیے مختص ہے، اسی طرح یہ برگزیدہ وصف "رحمت للعالمین" بھی محبوب رب العالمین ﷺ کے لیے مختص ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے محبت کرتا ہے، اسی طرح ربّ العالمین نے محسن انسانیت ﷺ کے قلب مبارک میں اپنی مخلوق کے لیے محبت، شفقت اور رحمت کی صفات رکھ دیں۔ سرور عالم ﷺ کی حیات طیبہ اس رحمت کا واضح ثبوت ہے کہ کمال رافت و رحمت ہر لمحہ، ہر واقعہ اور ہر بیان سے نور

سحر کی طرح پھوٹتا اور پھیلتا چلا جاتا ہے۔ محبت، احسان، یہ شفقت، یہ نرمی اور یہ رقت آپ کی ہر ادا سے ظاہر ہے۔ یہ لطف، یہ کرم اور یہ فضل صرف عرب کے لیے نہیں بلکہ دنیا کے ہر منطقے اور ہر خطے کے لیے ہے۔ گورے کے لیے، کالے کے لیے ہے، عربی کے لیے عجمی کے لیے ہے۔ مشرق کے لیے ہے اور مغرب کے لیے ہے، اس دور کے ہر انسان کے لیے ہے اور حشر تک کے ہر فرد کے لیے ہے بلکہ سارے جہانوں کے لیے آپ کی رحمت ہے۔ خالق کائنات نے اسی لیے تو یہ فرمان جاری فرمادیا:

"وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین۔ (الانبیاء107:21)

ترجمہ: اور (اے پیغمبر!) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر اس لیے کہ تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر۔"

یوں آپ کی ذات رحمۃ للعالمین بن گئی اور اس وصف میں یکتا ہو گئی۔ سید ریاض حسین شاہ اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

"آپ کی بعثت رحمۃ للعالمین کے مرتبت کے ساتھ ایک ایسی صداقت ہے، ایسی حقیقت ہے، ایسی بشارت اور نوید ہے جو عالم عالمیان کو احسانات الٰہیہ بناتی ہے۔" (۴)

ان مباحث کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ محسن انسانیتؐ عالمین کے لیے رحمت ہیں۔ جغرافیائی حدود و قیود سے ماورا ہر سمت اور گوشہ کو محیط ہیں۔ آپ کی رحمت کا فیض بلا قید زماں، عالم حاضر و عالم مستقبل، ہر زماں اور اہل زماں کے لیے جاری ہے۔ شیر محمد زمان چشتی "نقوشِ سیرت" میں اس حقیقت کو دل فریب انداز میں یوں بیان کرتے ہیں:

"دوست کی دوستی، جاں نثار کی جاں سپاری، صاحب خیر و خلوص کی غم گساری، اعدائے کینہ پرور کا عناد، مجوسی و صابی کا فساد، خاکی کا عجز، عالی کا فخر، ابلہ کی سادہ لوحی، جینئیس کی عبقریت، غریب کی غربت، قریب کی قربت۔۔۔ ہر کیفیت میں محمد مصطفیٰ ﷺ کی رحمت کا در کشادہ۔۔۔ ہر عالم میں رحمت محمدی ﷺ کی شان میں، آن بان میں، نہ کمی نہ تغیر اور کیسے ہو، کہ شہنشاہ رب العالمین نے خود محمد عربی ﷺ کو رحمت للعالمین کے تاج سے سرفراز فرمایا۔ یہی عالمین کے کلمہ کی حکمت ہے، جامعیت ہے۔" (۵)

دعا، مناجات، التجاء، گزارش، دہائی، فریاد، استعانت اور معاونت وغیرہ لغوی اور اصطلاحی لحاظ سے ایک ہی معنی رکھتے ہیں۔ جب ان الفاظ کا تعلق براہِ راست اللہ اور اللہ پاک کے رسول ﷺ سے جڑ جاتا ہے تو ان الفاظ کا احاطہ فکر و وسعت اختیار کر جاتا ہے اور آفاقی معنی پیدا ہوتے ہیں۔ دعا اور مناجات عبادت کا مغز ہیں۔ تعریف و حمدِ باری تعالیٰ اور دعائیہ کلمات کے ساتھ ساتھ اگر شاعر ایک ذی روح کی حیثیت سے اپنی بے کسی، انکساری اور عاجزی کا اظہار کرتا ہے تو شاعر کا ایسا رویہ مناجات کہلاتا ہے۔ فرہنگ آصفیہ جلد دوم میں دعا کے درج ذیل معنی موجود ہیں:

"(۱)۔ حاجت۔ درخواست۔ استدعا۔ التجا۔ التماس۔ عرض۔ ارداس۔ چھوٹے کا بڑے سے مانگنا۔

(۲) منتر۔ افسون۔ وظیفہ۔

(۳) مناجات۔ مغفرت کی طلب۔

(۴) نیکی۔ بھلائی۔ بہتری۔ اسیس۔ اشیر باد۔ اور یہ مؤنث اسم ہے۔" (۶)

قصیدے کا ایک اہم حصہ دعا اور مناجات سے متعلق ہے۔ دراصل دعا اور مناجات قصیدے کے جز حسن طلب اور دعا میں شامل ہوتا ہے۔ حسنِ طلب اور دعا قصیدے کا اہم جزو ہے۔ اس حصے کو عرضِ مطلب بھی کہا جاتا ہے۔ اس حصے میں شاعر اپنے حالات بیان کر کے ممدوح سے مدد کا طلب گار ہوتا ہے۔ مالی منفعت، اعزاز و اکرام اور نظرِ کرم کی درخواست پیش کرتا ہے۔ ممدوح کو درازیِ عمر، افزونیِ عز و جاہ اور اچھے نصیب و اقبال مندی کی دعائیں دے کر قصیدے کا اختتام کرتا ہے۔ نعتیہ قصیدہ دنیاوی موضوعات کے قصیدوں سے اس لحاظ سے مختلف ہے کہ یہاں ممدوح کی ذات رحمت للعالمین ہے۔ اس در سے جو بھی مانگا جائے ملتا ہے۔ اس لیے شاعر اپنی فہم و فراست کا اظہار کرتا ہے اور جو اس کے ذہن رسا میں آئے مانگتا ہے۔ یہاں شاعر نہ صرف اپنی ذات کے لیے دعا کرتا ہے بلکہ پوری امت مسلمہ کی خیر و برکت کا طلب گار ہوتا ہے۔

دعا و مناجات یعنی بندے کا اپنے اللہ پاک سے اپنے دل کی مرادیں اور حاجات طلب کرنا۔ دعا کی اس تعریف کے چار مندرجات بنتے ہیں۔

۱۔ مدعو یعنی اللہ تبارک تعالیٰ

۲۔ داعی یعنی دعا کرنے والا بندہ

۳۔ دعا یعنی مانگنے کا عمل

۴۔ مدعولہ یعنی وہ حاجت یا ضرورت جو بندہ اپنے اللہ پاک سے طلب کرتا ہے۔

مدعو:

دعا میں جس کو پکارا جاتا ہے وہ اللہ پاک کی ذات عالی شان ہے۔ اللہ پاک ہی زمین و آسمان اور تمام جہانوں کا خالق و مالک ہے۔ قرآنِ پاک میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"کیا تم نہیں جانتے کہ آسمان وزمین کی حکومت صرف اللہ کے لیے ہے اور اس کے
علاوہ کوئی سرپرست ہے نہ مددگار۔"(البقرہ 2:107)

سورۃ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے:

"ہم سب کو مدد دیتے ہیں، ان کو بھی اور ان کو بھی، تمھارے رب کی عطا سے اور
تمھارے رب کی عطا پر روک نہیں۔"(بنی اسرائیل 17:20)

داعی:

داعی یعنی دعا کرنے والا بندہ ہے جو ہر لحظہ اور ہر آن اللہ تبارک تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کا محتاج ہے۔ حصولِ رزق میں، اپنی حفاظت کے سلسلے میں، معاملاتِ صحت میں، حرکت و ترسیل میں، حواسِ خمسہ کے استعمال میں، سونے جاگنے میں، افزائشِ نسل میں، کاروبارِ حیات میں، غرض ہر ایک فعل میں انسان اللہ پاک کا محتاج ہے۔ قرآن مجید فرقان حمید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"جسے عزت کی چاہ ہو تو عزت تو سب اللہ کے ہاتھ ہے اسی کی طرف چڑھتا ہے
پاکیزہ کلام اور جو نیک کام سے اسے بلند کرتا ہے اور وہ جو برے داؤ کرتے ہیں ان کے لیے سخت
عذاب ہے اور انھی کا مکر برباد ہوگا۔"(فاطر 10:35)

دعا:

انسان جتنی عاجزی اور انکساری کے ساتھ گڑگڑا کر اللہ پاک سے اپنی حاجات کا طلب گار ہوگا اتنا ہی وہ رحمت خدا وندی سے قریب تر ہوتا جائے گا۔ انسان کے عجز وانکسار کی ادنیٰ منزل یہ ہے کہ وہ اس بات پر یقین رکھے کہ تمام تر اختیارات کا مالک صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ یعنی کسی دوسرے کو کوئی اختیار نہیں ہے۔ اگر کوئی اختیار ہے تو صرف اور صرف اللہ پاک کا اختیار ہے۔ ایسی حالت میں انسان اضطرار کے اعلیٰ مقام پر ہوگا اور یہی وہ مقام ہوگا جب وہ اللہ پاک کی رحمت کے انتہائی قریب ہوگا۔ اللہ پاک کا فرمانِ عالی شان ہے:

"یا وہ جو لاچار کی سنتا ہے جب اسے پکارے اور دور کر دیتا ہے برائی اور تمھیں زمین کا وارث
کرتا ہے کیا اللہ کے ساتھ اور خدا ہے، بلکہ ان میں اکثر جاہل ہیں۔"(النمل 27:62)

مضطر کی دعا اور اللہ کی طرف سے اس کے شرف قبولیت کے درمیان کوئی فاصلہ باقی نہیں رہ جاتا۔ اضطرار کی اس کیفیت کا مطلب ہے کہ بندہ اپنے اللہ کے ساتھ حقیقی ربط پیدا کرلے اور باقی سب کے ساتھ مجازی تعلق رکھے اور باقی ہر قسم کا تعلق ختم کردے۔ اور صرف اور صرف اللہ پاک سے لو لگالے تو اس کی دعا قبولیت کے مقام تک پہنچ جاتی ہے۔

مدعولہ:

جو حاجت انسان اپنے رب سے طلب کرتا ہے اسے مدعولہ کہا جاتا ہے۔ انسان کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنی چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی ہر ایک خواہش کا اپنے رب سے طلب گار رہے۔ سورۃ مومن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

> "اور تمھارے رب نے فرمایا مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا بے شک وہ جو میری عبادت میں تکبر کرتے ہیں عنقریب جہنم میں جائیں گے ذلیل ہو کر۔"(المومن 40:60)

انسان کا اللہ پاک سے حاجت کا طلب کرنا، اس کا اللہ پاک سے رابطہ اور تعلق کے پختہ ہونے کا ثبوت ہے۔ تمام عبادات میں دعا ایسی عبادت ہے جو انسان کا اللہ پاک سے ربط سب سے زیادہ مستحکم کرتی ہے۔ بے شک ضرورت اور اضطرار کے وقت انسان اللہ پاک سے زیادہ عاجزی اور انکساری کے ساتھ طلب کرتا ہے، اللہ کی پناہ مانگتا ہے، اتنا ہی اللہ کی طرف زیادہ متوجہ ہوتا جاتا ہے۔ ڈاکٹر ہارون رشید نے اپنی کتاب "ادبی اصطلاحات" میں حسن طلب اور دعا کو یوں بیان کیا ہے:

> "کلام میں ایسے خوب صورت انداز سے اپنی طلب بیان کرنا کہ طالب کی خودداری اور انا بھی مجروح نہ ہو بلکہ دوسری طرف مجروح بھی پسندیدہ انداز سے پھڑک اٹھے۔" (۷)

جب کہ سید احمد دہلوی اپنی شہرہ آفاق تصنیف "فرہنگ آصفیہ" میں حسن طلب اور دعا کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "عمدہ اشارات و پاکیزہ کنایات سے کسی چیز کا مانگنا مثلاً کسی کی لکڑی پسند آئے تو یہ کہنا کہ کیا خوب لکڑی ہے۔"(۸)

منتخب اردو نعتیہ قصائد میں دعا و مناجات

اردو نعتیہ قصائد میں سے حسنِ طلب اور دعا و مناجات کی چند مثالیں درج ہیں۔

اثر زبیری:

آپ کی کتاب "سلسبیل "میں ایک التجائیہ نعتیہ قصیدہ موجود ہے۔ جس کا عنوان "التجا بحضور سید بطحا ﷺ" ہے۔ یہ ۱۹۹ اشعار پر مشتمل قصیدہ ہے۔ اس قصیدے میں شاعر کا لہجہ خطابیہ ہے۔ پہلے ۳۵ اشعار تشبیب، گریز اور مدح کے لئے مختص ہیں۔ بقایا ۱۶۴ اشعار حسن طلب اور دعا سے تعلق رکھتے ہیں۔ مطلع ثانی کے تیسرے شعر سے شاعر فریاد کرتا ہے کہ امت کی مثال ایک بیمار کی طرح ہے اور اس کے لئے مریم چاہیے۔ کشمیر و فلسطین کا ذکر کرتے ہوئے شاعر مسلمانوں کو کوثر کے سزاوار اور زمزم کے قدح خوار قرار دیتا ہے۔ شاعر کی نظر میں مسلمانوں کی تنزی کی بنیادی وجہ اپنے اسلاف کی روش کو چھوڑ دینا ہے۔ اس تصور کو بہتر طور پر پیش کرنے کے لئے وہ تاریخی اور عصری شعور کا بھرپور اظہار کرتے ہیں۔

فریاد ہے اے چارہ گرِ اُمت عاصی — درکار ہے خم دِلِ بیمار کو مرہم
اہلیتِ اَسلاف سے محروم ہیں مومن — جمعیتِ اسلام ہے اس دَور میں برہم
مظلومیِ ملت کا کچھ احوال تو سُن لے — کشمیر میں کہرام، فلسطین میں ہے ماتم
کوثر کے سَزاواروں کو دشوار ہے جینا — زَمزم کے قدح خواروں کو ملتی نہیں شبنم
تاراج ہے اب مَسندِ دہلی و بُخارا — بَرباد ہے معمورۂ صقلیہ و دَیلَم
تخریب نے پھر خنجر الحاد سنبھالا — توحید ہوئی جاتی ہے تثلیث میں مدغم
جس دن سے چھٹی ہم سے ترے در کی غلامی — ہر عزت و توقیر سے محروم ہوئے ہم
معمورہ مسلم میں مثنّٰی ہیں نہ خالد — کون اٹھکے کرے مجمع اَغیار کو برہم
کشکولِ گدائی لئے پھرتے ہیں وہ ہر سُو — تمکینِ خلافت سے کبھی تھے جو مکرّم (۹)

اسی قصیدے کے اندر قطع کا عنوان باندھ کر (قطعہ بند کی صورت میں) شاعر عالم اسلام کی موجودہ حالت پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں کہ آج اسلام کے فرزند دنیا میں دہریت اور الحاد کا پرچم لہرا رہے ہیں۔ ایسی حالت میں شاعر بے تابی

محسوس کرتا ہے کہ وہ امت مسلمہ کے ذہن اور دل کو بدلنے کے لئے کس سے مدد طلب کرے۔ ایسی صورت میں شاعر کے لئے ذات باری تعالیٰ عزوجل کے علاوہ کوئی اور ذات دکھوں اور غموں کا مداوا نہیں ہے۔ شاعر سرور کائنات ﷺ کو وسیلہ بناتے ہوئے امت مسلمہ کے لئے دعا گو ہے۔ شاعر کی تمنا ہے کہ مسلمانوں کو شوکت اجداد، سوزِ دلِ صدیق، بازوِ یداللہ کا دم خم اور خالد رضی اللہ عنہ کی بہادری و شجاعت عطا ہو۔ پھر روم اور سمرقند پر اور اسود و احمر پر دین کا پرچم لہرائے۔ شاعر کہتا ہے:۔

پھر ہم کو عطا ہو نہ وہی اعزازِ خلافت — صدقے ہے جس پہ اعزاز پہ اقبالِ کیے وجم
ملت کے جوانوں کو ملے شوکتِ اجداد — پامال کریں دشت کو چیریں جگرِ یم
سوزِ دلِ صدیق سے گرمادے دلوں کو — لہرادے نشان حَشَمِ فاتحِ اعظم
روشن ہو نگہ سُرمہ عِفّت کے اثر سے — ہو خُلد نظر سامنے نورین کا سنگم
مرحب بھی نگوں سار ہو خیبر بھی ہو مسمار — اِظہار ہو بازوِ یداللہ کا دم خم
پھر مسجدِ انور میں بلال آکے اذاں دے — پھر قصرِ حمیرا کی فضا ہو مترنّم
پھر خالدِ جاں باز کی شمشیر علَم ہو — پھر شوکتِ اغیار کا شیرازہ ہو برہم
پھر رُوم و سمرقند و خطا زیرِ نگیں ہوں — پھر اسود و احمر پہ اڑے دین کا پرچم
پھر رُومی و رازی کا سخن ہو اثر انداز — پھر دفترِ پارینہ یونان ہو برہم
اِس مطلعِ انوار میں باسینہ صد چاک — اس مجمعِ عشّاق میں بادیدہ پُرنم
اک سمت کھڑا ہو اثرِ سوختہ دل بھی — دل دادہ و جاں باختہ گیسوے پرخم (۱۰)

انجم نیازی:

انجم نیازی اپنے قصیدے "قصیدہ سرور کائنات ﷺ" میں تفصیل کے ساتھ مناجات پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کی دست گری کے سوا مسلمانوں کی مصیبت کا علاج اب کوئی نہیں ہے۔ اس لیے وہ کرم مانگتے ہیں کیونکہ شاعر کی زندگی میں اب خیر باقی نہیں رہی۔ اسی طرح وہ تلمیحات استعمال کرتے ہوئے فرعونوں سے پناہ مانگتے ہیں۔ شاعر کی نظر میں تفرقہ بازی بہت بڑا مسئلہ ہے۔ تفرقہ بازی ایک دلدل ہے جس سے کوئی بھی نکلنے کا سوچ نہیں رہا۔ یہی وجہ ہے کہ اب روح

بلالیؓ اذانوں میں نظر نہیں آتی۔ان سب مسائل کا علاج شاعر کی نظر میں صرف یہ ہے کہ حضورؐ کی نظر کرم ہو جائے۔ ذیل میں اس قصیدے سے چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں:

تری ہی دست گیری کے سوا اب — علاج اپنی مصیبت کا نہیں ہے
کرم کیجیے کہ اپنی زندگی میں — کوئی بھی خیر کا لمحہ نہیں ہے
کئی فرعون ہیں مد مقابل — مگر ہم میں کوئی موسےٰ نہیں ہے
ہمارے حال پر ہنستی ہے دنیا — کوئی ساتھی کوئی اپنا نہیں ہے
تفرقہ بازیوں کی دلدلوں سے — نکلنے کا کبھی سوچا نہیں ہے
اذانوں میں نہیں روح بلالیؓ — نظر میں وسعت صحرا نہیں ہے
تری چشم کرم کی ہے یہ پیاسی — علاج اس کے سوا اس کا نہیں ہے
مرے آقا دعا کیجیے کہ ہم سے — قدم سیدھا کوئی اٹھتا نہیں ہے
مرے جیسے تو ہیں لاکھوں سوالی — ترے جیسا کوئی داتا نہیں ہے
کوئی فریاد رس تجھ سا جہاں میں — شہنشاہا! شہنشاہا! نہیں ہے(۱۱)

انجم نیازی کی مناجات جہاں ان کے دکھی دل کی صدا ہیں وہیں پر ایک سوچنے والے ذہن کا نقطہ نظر بھی پیش کرتے ہیں کہ امت مسلمہ کو اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرنے کے لیے اتحاد و یگانگت کی ضرورت ہے۔آج سائنس اور ٹیکنالوجی کے دور میں اس کی ضرورت مزید بڑھ گئی ہے۔

انور جمال:

انور جمال قصیدے کے آغاز میں اپنی کمی اور کوتاہی کا اعتراف ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ انہیں زہد و تقویٰ کا سہارا نہیں ہے اور نہ ہی انہیں عبادت کا غرور ہے کیونکہ وہ نہ تو عاملِ صوم ہیں اور نہ ہی نماز کے پابند ہیں۔ ان کے لیے اعزاز کی بات صرف یہ ہے کہ وہ حضورؐ کے نعت سرا ہیں اور ان کی نظر میں یہی ایک پہلو ہے جو ان کی نجات کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ آگے چل کر شاعر عرضِ حال بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یا باری تعالیٰ تجھ سے میرے دل کی دنیا مخفی نہیں ہے اور نہ ہی تجھ سے مرے بگڑے ہوئے حالات مخفی ہیں۔ تیرا نام میری فریاد رسی کرتا ہے اور ترا نام ہی تمام بلاؤں کا رد ہے۔

مرا اعزاز کہ میں نعت سرا ہوں تیرا — مجھ سے بے مایہ کو مل سکتی نہ تھی ورنہ نجات

تجھ سے مخفی تو نہیں ہے مرے دل کی دنیا　　تجھ سے پوشیدہ نہیں ہیں مرے بگڑے حالات

اسم تیرا مری فریاد رسی کرتا ہے　　نام لوں تیرا تو سنتا ہے مجیب الدعوات (۱۲)

حسن طلب کے حوالے سے شاعر دعا کرتا ہے کہ اے خدا میرے حرفوں کو جاودانی عطا فرما اور اپنے نام کو نعت گوئی کی وجہ سے ثبات چاہتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ شاعر مسلمانوں کی عمومی حالت پر تبصرہ بھی کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے حضورؐ حالات میں بہتری کی عرضی پیش کرتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے:

جاودانی مرے حرفوں کو عطا کی جائے　　زندگی میں ہی مرے نام کو مل جائے ثبات

نعت خوانی کی وہاں مجھ کو اجازت دی جائے　　حشر کے روز ترا مدح سرا ہو ترے ساتھ

نطق ہے ذکرِ رسولؐ رب اکرم کے لیے　　ہے زبان دراصل وردِ اسم اعظم کے لیے

تشنہ کاموں کے لیے جو مرکز انوار تھی!　　اب ترستی ہے وہ دھرتی عکس شبنم کے لیے

عالم اسلام ہے محصور چاروں سمت سے　　قلبِ مسلم مضطرب ہے امن عالم کے لیے

دیدنی ہے منظرِ جاں، چارہ فرمائے حجازؐ　　کر رہے ہیں زخمِ دل فریاد مرہم کے لیے (۱۳)

پروفیسر طاہر صدیقی:

آپ کی کتاب "اعزازِ حضوریؐ" میں ایک قصیدہ بعنوان "سراپائے نورؐ" موجود ہے۔ اس قصیدے کی خاصیت یہ ہے کہ ۱۱۴ اشعار پر مشتمل اس قصیدے میں طلب کا صرف ایک شعر موجود ہے۔ لیکن طلب کا ایک شعر اس سے پہلے تشبیب میں ایک خاص مضمون تیار کرتا ہے۔ تشبیب میں شاعر نعت سے خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ میں معلوم کو تحقیق کے میزان پر لا کر سراپائے ساقی کوثرؐ لکھنا چاہتا ہوں۔ اس لیے شاعر چاہتا ہے کہ نعت ان کے وجدان پر کھل جائے ۔ شاعر کہتا ہے:

معلوم کو تحقیق کے میزان پہ لا کر　　لکھنا ہے سراپائے شہ ساقی کوثرؐ

کرنا ہے بیاں سرورِ عالمؐ کا قصیدہ　　کھل جا مرے وجدان پہ اے نعت پیمبرؐ

لا میرے تخیل میں مضامین انوکھے　　افکار کے ذروں کو بنا ہمسرِ گوہر

لا ذہن کے کشکول میں الہام کے موتی　　میں برگِ خزاں، کر مجھے ہمدوشِ گلِ تر

مہمیز لگا اسپِ تخیل کو جنوں کی　　لا کھینچ کے لا پھر اسے معراج کی رہ پر (۱۴)

تشبیب کے بعد طویل گریز آتا ہے۔ مدح میں شاعر حسنِ تعلیل سے کام لیتے ہوئے مختلف صفات بیان کرتا ہے۔ حضورؐ کی آمد سے ظلم و ستم کا خاتمہ، ایقان، بت پرستی کا خاتمہ جیسے پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہیں۔ مناجات کرتے ہوئے مدینے کی خیر مانگتے ہیں کیونکہ یہ شہر عطاؤں کا مخزن ہے۔ شاعر کہتا ہے:

کیا شان بیاں اس کی کروں شاہِ مدینہ — کوئی بھی نہیں شہر ترے شہر سے بڑھ کر

مخزن ہے عطاؤں کا دیارِ شہ والاؐ — آباد ابد تک رہے اے داورِ محشر

اک بار مجھے اذن زیارت کا عطا ہو — رونا ہے مجھے آپؐ کے روضہ سے لپٹ کر(۱۵)

طاہر صدیقی حضورؐ کے ظاہری حسن و جمال کا ذکر کرتے ہوئے گیسو، جبیں، رخسار، کلائی، دندان، لب، سینہ، دست، پنڈلی، انگشت اور تکلم کی شان میں اشعار کہتے ہیں۔ آخر میں شاعر اپنے تخیل کی رفعت کو کافی تصور نہیں کرتے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ رب تعالیٰ ان کے تخیل کو جبرائیل کی پرواز عطا کر دے۔

طاہر کے تخیل میں نہیں ہے ابھی رفعت — یارب اسے جبریلؑ کی پرواز عطا کر(۱۶)

نصیر الدین نصیر:

پیر نصیر الدین نصیر قصیدہ "مصحفِ اسرارِ الٰہ" میں بحضورِ سرورِ کونین ﷺ دعا و مناجات کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ ان کی ہستی، ان کا ذوق، ان کا ایمان سب کچھ حضور ﷺ کے قدموں کے صدقے سے ہے۔ نصیر دعا کرتے ہیں کہ اگر اللہ پاک ان کو تا قیامت طویل عمر عطا فرمائے تو اس کی خواہش ہے کہ ساری عمر حضور ﷺ کی چوکھٹ پہ بسر ہو۔ مزید یہ کہ پیر صاحب کو تاج و تخت کی خواہش ہرگز نہیں ہے۔

شادم از سلسلۂ لطفِ تو پیہم، شاہا! — نہ از سرِ زلفت بہ علائق مشغول

ہمہ را ساختہ سیراب محیطِ کرمت — چہ جوانانِ قشنگ و چہ بزرگانِ کہول

ابنِ آدم ز تو آئینِ شرافت آموخت — ورنہ امیدِ موالات ازیں مردِ جہول

مری ہستی، مری مستی، مرا ایماں، مرا ذوق — ہے یہ سب کچھ ترے انعام و کرام پر محمول

تا قیامت تری چوکھٹ سے نہ اٹھوں آقا — اس توقف سے جو لے کام مری عمرِ عجول

نہ مجھے تاجوگیں سے، نہ سلاطیں سے غرض — ہے مرا تیرے غلاموں کی غلامی معمول

عبد و موبود کے مابین وسیلہ تو ہے — اس سے ہٹ کر نہ عبادت نہ ثقاہت مقبول

میرے نزدیک یہی توشۂ عقبیٰ ہے نصیرؔ — حبِ اصحابِ نبی ﷺ، الفتِ اولادِ بتولؓ(۱۷)

ان اشعار میں شاعر نے حب رسول ﷺ اور حب آلِ رسول ﷺ کی خواہش کا اظہار کیا ہے جو کہ "صنعت حسن طلب" کی بہترین مثال ہے۔

جعفر بلوچ:

آپ کی کتاب "بیعت" میں ۱۶۳ اشعار پر مشتمل نعتیہ قصیدہ یہ نظریہ پیش کرتا ہے کہ زندگی تغیر پذیر ہے۔ ہر دور میں ہر قوم اور ملک کے اپنے تقاضے ہیں۔ سائنس اور فلسفہ انسان کی ہدایت کا مقصد پورا کرنے سے عاجز ہے۔ سائنس ان تبدیلیوں سے گزر رہی ہے تو فلسفہ اپنی موت آپ مر رہا ہے۔ ایسے میں صرف نبی کریم ﷺ کی ذات ہے جو انسان کو لازوال اور ابدی ہدایت سے روشناس کروا سکتی ہے۔ اس کے بعد شاعر مساوات، بڑائی اور نظریہ قوم، نماز اور روزہ کی اہمیت حضور ﷺ کی نسبت سے اجاگر کرتا ہے۔ مناجات کے حوالے سے شاعر کا رویہ عمومی رویے سے مختلف ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ طلب کا مرحلہ قصیدہ کا اہم حصہ ہے لیکن درِ رحمتِ دو عالم تو انسان پر کبھی بند ہی نہیں ہوا۔ وہ در ہم پر ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔ یہ ہماری کمی ہے کہ ہم اس در سے اپنی جھولیاں نہیں بھر پا رہے۔

چند نمونے کے اشعار درج ذیل ہیں:

مدحت کے بعد شاعر اکثر — کہتے ہیں طلب کا مرحلہ ہے
لیکن در رحمت دو عالم — ہم پر کبھی بند بھی ہوا ہے؟
دنیا اور دین کی سعادت — ہر دور اس در سے پا گیا ہے
وہ دستِ کشادہ و مکرم — کب منتظرِ طلب رہا ہے؟
الطافِ پیمبر ﷺ حجازی — تخمین و شمار سے ورا ہے
کتنوں کو ملی، سنداماں کی — کتنوں کے نصیب میں ردا ہے
کتنوں کو عطا ہوئیں دعائیں — اور مخزنِ خیر ہر دعا ہے
کسریٰ کے ملے کسی کو کنگن — فاتح کوئی ملک ملک کا ہے
جنت کا ملا کسی کو مژدہ — کوئی حق دارِ دوسرا ہے
جعفر کو، جو ہے غلام انھی کا — دھڑکا تہی دامنی کا کیا ہے؟(۱۸)

حفیظ تائب:

اس قصیدے "آیہ و نور" میں شاعر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرتا ہے کہ نصرت حق کے لیے کرم کی خاص ضرورت ہے۔ حفیظ تائب اشعار کی تخلیق کے عمل میں بہتے نہیں ہیں بلکہ اپنے حواس اور حیثیت کا پورا ادراک رکھتے ہوئے دعا سے پہلے سوچ رہے ہیں کہ ان کا دامن آرزو محدود ہے جب کہ رب کریم کا کرم لا محدود ہے۔ ان کی کاوش جتنی مرضی اچھی ہو جائے لیکن رب تعالیٰ کے حضور پیش کرتے ہوئے یہ خدشہ رہتا ہے کہ کہیں گستاخی نہ ہو جائے۔ اس لیے عرض کرتے ہیں کہان کی سعی ناقص کو قبول کیا جائے اور اگر ان سے کوئی خطا ہو گئی ہے تو اس سے صرف نظر کیا جائے۔

شاعر دعا کرتے ہیں کہ ثنائے رسول ان کے لیے حرزِ جان بن جائے اور ان کے ہونٹ صدق وصفا کے ترجمان بن رہیں۔ ان کا دل کذب و مبالغہ سے نفرت کرنے لگے۔ اپنی آخرت کی فکر کرتے ہوئے قبر کے فراخ و معنبر اور پر نور ہونے کی دعا کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ روزِ قیامت ان کے سر پر کرم کا سائبان قائم رہے۔ یہ سب اسی وقت ممکن ہے جب حضورؐ کی میدان حشر میں معیت نصیب ہو گی۔ اس لیے آخر میں شاعر عرض کرتے ہیں کہ باری تعالیٰ قیامت کے دن حضورؐ کی معیت نصیب فرمائے۔ آپ کہتے ہیں:

سوچتا ہوں کہ تجھ سے کیا مانگوں — اے خدائے کریم و رب غیور
میرا دامانِ آرزو محدود — اور تیرا کرم ہے لا محصور
ہاں خطا سے مری ہو صرفِ نظر — سعی ناقص ہو مقبل و مشکور
حرزِ جاں ہو مجھے ثنائے رسولؐ — رگ و پے میں ہو کیف و جذب و سرور
لب رہیں ترجمان صدق وصفا — دل ہو کذب و مبالغہ سے نفور
قبر میری بحق ختم رسلؐ — ہو فراخ و معنبر و پُر نور
سائبان کرم ہو سر پہ مرے — سر میدانِ حشر یوم نشور
آخرت کے سبھی مراحل میں — میرے نزدیک تر ہوں میرے حضور (۱۹)

خالد بزمی:

خالد بزمی کے ہاں دیدار مدینہ قرب محمدی ﷺ ہی کی ایک صورت ہے، اور یہ صُورت جب پیدا ہوتی ہے تو وہ نہ صرف اپنے علم، مشاہدے اور تجزیہ و تحلیل سے سیرۃ منوّرہ کے نقوش کو عوام الناس تک پہنچاتے رہے ہیں بلکہ وہ آنحضورؐ کی

عظمت کو پہچاننے اور ان کی تعلیمات عالیہ کو عام کرنے کی سعی بھی کرتے رہے ہیں۔ بلاشُبہ نعت کہنا اُن کا دینی فریضہ نظر آتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ بھی ہے وہ صداقت کے اس شعور کو پھیلانے کے خواہاں ہیں جو قرآن حکیم کی آیات سے پھُوٹا اور جس کی تفسیر حضورؐ کی ذات گرامی ہے۔

شاعر نہ صرف مہجوری کی کیفیت سے گزرتا ہے بلکہ ہر لمحہ اُس کی تڑپ میں اضافہ بھی ہو رہا ہے لیکن وہ مایوس نہیں اُس کا ایمان ہے کہ مجھے بُلاوا ضرور آئے گا۔ اسی ایقان نے خالد بزمی کی نعتوں میں ایک ایسی کیفیت پیدا کی ہے جس کے تحت وہ منظر جو ظاہر کی آنکھوں سے اوجھل ہے، اُن کے تصور میں اپنے پورے جلال و جمال کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ آپ کے قصیدے میں بے حضُوری کی کیفیت نظر نہیں آتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نسیم حجاز تو الطافِ فراواں کی نوید ہے، یہ جھونکا جب آتا ہے تو خالد بزمی کو جہان دیگر میں لے جاتا ہے اور وہ حضورؐ کی شان میں رطب اللّسان ہو جاتے ہیں۔

خالد بزمی نے اپنے قصیدے میں مقام محمدؐ کو ہر مقام پر ملحوظ رکھا ہے۔ انھوں نے عجز و انکسار اور ادب و احترام کی فضا میں سفر طے کیا ہے۔ وُہ خود سپردگی کے اُس مقام پر پہنچے ہیں جہاں ذرہ منورہ ہو جاتا ہے اور عالم کو بقعہ نور بنا دیتا ہے۔ ان کے نعتیہ قصیدے کے ذریعے ہمیں ایک ایسے قادر الکلام شاعر سے ملاقات کا موقعہ ملتا ہے، جو اظہار کے تمام قرینے جانتا ہے، لفظ کی وسعت اور معنی کی لامحدودیت کا اِدراک رکھتا ہے اور انہیں فنی ضوابط کے باوجود سہل صورت میں استعمال کر سکتا ہے۔ خالد بزمی نے قصیدے کی یہ سلک گوہریں غزل کی ہیت میں ترتیب دی ہے لیکن موضوع نبی اکرمؐ کی ذات اقدس ہے اس لیے یوں محسوس ہوتا ہے کہ ان کا اظہار ہمیشہ تشنہ رہتا ہے اور یہ تشنگی ہی انھیں نئی نعت کہنے پر اُکساتی ہے۔

مناجات کرتے ہوئے شاعر پہلے موجودہ حالات کا ذکر کرتے ہیں کہ ہماری آج کی صورت حال کی وجہ ہماری کوتاہی اعمال ہے۔ اس کے لیے ہمیں آج احساس کی ضرورت ہے۔ اگرچہ بظاہر ہمارے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں ہے لیکن اگر خدا عزوجل چاہے تو ہمارا کھویا ہوا مقام واپس آسکتا ہے۔ اس کے لیے حضورؐ کی نظر کرم کافی ہو گی۔ آپ یوں لکھتے ہیں:

کوتاہی اعمال سے ہم لوگ ہیں غافل — اس صورت حالات سے ملت ہے نگوں سار
پھر آج ہمیں چاہیے احساس کی دولت — پھر آج ہے مطلوب ہمیں دیدہ بیدار
ظاہر میں تو بچنے کی کوئی شکل نہیں ہے — در پیش ہے اسلام کی کشتی کو جو منجدھار
اس عہد غم انگیز میں ہر لب سے دُعا ہے — اللہ ہی ملت کے سفینے کو کرے پار
چھٹ جائیں بہت جلد یہ باطل کے اندھیرے — ہر سمت نمودار ہوں پھر صبح کے آثار
اِس محفل آفاق کی تاریخ ہے شاہد — جاری ہے ازل سے حق و باطل میں یہ پیکار

اللہ کو منظور ہے تو اُس کے کرم سے ٹوٹے گا بہت جلد یہاں کفر کا پندار

ہر دَور میں ہیں آپ ﷺ ہی اسلام کے رہبر صرف آپ ﷺ کی سیرت پہ عمل ہے ہمیں درکار

میں آپ ﷺ کے الطاف کی تعریف کروں کیا اس کی کہاں محتاج وہ ذات کرم آثار

پھر جس کا ثناخواں وہ خدائے دو جہاں ہو ہو اُن کی ثناء اور یہ بزمیؔ سا گنہگار (۲۰)

درد کا کوروی:

آپ کی کتاب "درد کا درماں" میں ۶۷ اشعار پر مشتمل نعتیہ قصیدہ ایک خاصے کی چیز ہے۔ شاعر کا آہنگ بلند ہے اور تخیل کی پرواز کو الفاظ کی گرفت میں لانے کے لئے شاعر کو مطلع اول کے علاوہ تین بار الگ الگ مطلع لانے پڑے ہیں۔ متنوع تراکیب کے استعمال سے شاعر نے اس نعتیہ قصیدے کو موضوع کے علاوہ اسلوب کے لحاظ سے بھی قابل تعریف بنا دیا ہے۔

قصیدے کے اختتام پر شاعر اپنی تمنا کا اظہار کرتا ہے کہ اسے دربار رسالت میں طلبی اور عیش خلد کا پروانہ ملنے کی تمنا ہے۔ وہ رب تعالیٰ کے حضور آل رسولؐ کا واسطہ دیتے ہوئے خواہش کرتے ہیں کہ وہ ہر شب نبی کریم ﷺ کے روحانی دربار میں روز حاضر ہوں۔ دعا کرنے کے بعد شاعر دعا کی قبولیت کی دعا بھی کرتا ہے اور یہ مسرت کا باعث ہوگا کہ جب فرشتے شاعر کو دربار نبویؐ لے کر جائیں تو شاعر کی زبان پر قصیدہ نعت جاری ہو۔ شاعر اپنے اشعار کا صلہ خدا تعالیٰ سے یہ چاہتا ہے کہ اس قصیدے کے صلے میں حضورؐ کی محبت عطا ہو اور دل میں عشق مصطفیٰؐ یونہی کھٹکتا رہے۔

تمنا ہے مری طلبی ہو دربار رسالت میں وہاں سے مجکو پروانہ ملے عیش مخلد کا

ہو کچھ ایسا کرم ہر شب رہوں دربار میں حاضر الٰہی واسطہ دیتا ہوں میں آلِ محمد ﷺ کا

قبولیت کا خلعت ہو عطا دربار حضرت سے رہوں تا روز محشر مستحق انعام بیحد کا

فرشتے لے چلیں جب مجکو پیش حضرت دارد زباں پر ہو مری تب یہ قصیدہ نعت احمد ﷺ کا

مرے اشعار سنکر بحر رحمت جوش میں آئے صلہ مجکو ملے یاد خدا حبِ محمد ﷺ کا

رہے یوں ہی کھٹک عشق نبی کی درد کے دل میں ستارہ عرش پر ہو حسنؔ مطلق کے مقید کا (۲۱)

رشید وارثی:

محبت و عقیدت کی منزلوں کا مسافر "خوشبوئے التفات" کی بدولت راہ یاب بھی ہے اور منزل آشنا بھی۔ حیرت ہوتی ہے کہ عقل و شعور کا پاسدار، علم و حکمت کی سطوت کا محافظ، استدلال و استخراج کی قوت کا علمبردار، شوق و عرفان کی وادی سے کس وقار مگر کس عجز کے ساتھ پار اترتا ہے۔ نعت کہنے والے کہا کرتے ہیں کہ شوق کی اس وادی میں عقل و شعور کا کیا کام، اسی لئے وہ کبھی معتقدات سے الجھ جاتے ہیں تو کبھی شریعت سے بہک جاتے ہیں۔ رشید وارثی کی سرفرازی یہ ہے کہ اس کے ہاں نہ جذبہ سرد پڑا ہے، نہ قرینہ محبت پر داغ آیا ہے اور نہ حدود و ضوابط کو نظر انداز کرنے کا مرحلہ آیا ہے، یوں محسوس ہوتا ہے کہ بالغ نظر وجود کمال احتیاط سے مگر بیدار جذبوں کے ساتھ رواں دواں ہے، نہ کوتاہی نظر کا خطرہ اور نہ لغزش پا کا خوف، یہی وہ نعت التفات ہے جس کی خوشبو مدح نگار کو اپنے جلو میں لئے رہتی ہے۔

شاعرانہ پکار اگرچہ وارفتگی کے ہالے میں ہے مگر محبت، خواہش اتباع کی عظمت سے سرفراز ہے، قلبی وابستگی نے اطاعت کی وہ سرفروشی عطا کی ہے کہ مدہوشی کے عالم میں بھی ہوش ہے اور کیف و مستی بھی پابند آداب ہے، یہی وہ راہ سلوک ہے جو جذب سے برتر مقام ہے اور ایسے ہی ہوش مند قیادت کے اہل ہوتے ہیں۔ رشید وارثی کے ہاں ایسی ہی ہوشمندانہ اور گرویدگی پائی جاتی ہے۔

رشید وارثی کا مجموعہ حمد و نعت "خوشبوئے التفات" مہکا ہوا دیوان ہے جس کے حرفوں میں عقیدتوں کی تمازت ہے اور جس کے معانی میں عقیدتوں کی طہارت ہے، حرف و صوت اور مفہوم و معنیٰ کے اس خوبصورت مرقع پر شاعر رنگین نوا رشید وارثی مناجات کرتے ہوئے اپنے قصیدے میں رقم طراز ہیں:

غرقابِ معاصی نہیں نومید شفاعت — ساقی! ترے سرمست کو یہ کیسا نشہ ہے

محشر میں اسے جرعہ کوثر بھی عطا ہو — شاہاؐ! جو تری آلؑ کے ٹکڑوں پہ پلا ہے (۲۲)

سجاد سخن:

سجاد سخن کے نعتیہ قصیدے میں اشعار کی تعداد مختصر ہے لیکن مضامین کی رنگارنگی اس میں بھرپور انداز میں موجود ہے۔ ۱۱۶ اشعار پر مشتمل قصیدے میں دو اشعار حسن طلب اور دعا کے لیے مختص ہیں۔ شاعر حسن طلب میں حاضری کی تمنا کرتا ہے اور دعا کے لیے نسبت کا واسطہ دے کر دعا مانگتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ دعاؤں میں اثر کی بہت بڑی وجہ نسبت کا اثر ہوتا ہے۔ شاعر کہتا ہے:

بلائیں گے ہمیں بھی وہ مدینے ہم بھی جائیں گے　　ستارہ اوج پر کب دیکھیے آتا ہے قسمت کا

خدا سے واسطہ دے کے ان کا واسطہ جو مانگو پاؤ گے　　سخن صاحب دعاؤں میں اثر ہوتا ہے نسبت کا(۲۳)

سرو سہارن پوری:

آپ کا نعتیہ قصیدہ آپ کی کتاب "زخمِ دل" میں موجود ہے۔ سرو سہارن پوری کے قصیدے میں حرکت آموزی اور عمل انگیزی بلکہ انقلاب خیزی کا پہلو بھی نمایاں ہے۔ شاعری جب ذہنی کاوش سے بڑھ کر آدمی کے عزائم و مقاصد کی آئینہ دار بن جاتی ہے تو اس میں سے پڑھنے والوں کو ذوقِ عمل اور جذبہ تحریک حاصل ہوتا ہے۔ یہ خوبی سرو صاحب کے نعتیہ قصیدے میں بہت نمایاں ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ الفاظ تک حرکت کر رہے ہیں اور شاعر ان کے پردے میں محشر تخیل برپا کیے ہوئے ہے۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ جناب سرو کے جہان سخن میں ایک طرح سے رزم خیر و شر بپا دکھائی دیتی ہے۔ اور ان کا پڑھنے والا یوں محسوس کرتا ہے کہ انسانی زندگی کی وسعتوں میں رزمِ خیر و شر بپا ہے، وہ بھی اس میں خیر کے محاذ سے شامل ہے۔

تیسری خوبی یہ ہے کہ کسی بھی اچھے شاعر کی طرح سرو صاحب کی کتاب "زخمِ دل" میں ماحول کے بگاڑ کی مختلف درد انگیز تصاویر اس طرح سجادی گئی ہیں کہ ہم ان کی شاعری کی روشنی میں جب گرد و پیش کے احوال کو بغور دیکھتے ہیں تو اُن کی اس تمام فریاد و فغاں کے سوز و ساز کو جو وہ نبی اکرمؐ کی نعتوں اور خلفائے راشدین کی منقبتوں کی آڑ لے کر خدا کے سامنے کرتے ہیں، ہمارے قلوب اپنے اندر سے اٹھتا محسوس کرتے ہیں۔ انسانیت کی پستیاں ایک طرف، اور ملت کے ضعفِ ایمان و اخلاق اور شقاق و افتراق اور غیروں کے ہاتھوں اس کی مظلومی کے مناظر دوسری طرف، روحوں کو جھنجھوڑ دیتے ہیں احساسِ زیاں دلانے والی ایسی شاعری اُمید و جذبہ کے نئے چراغ روشن کر دیتی ہے۔

اس قصیدے میں شاعر خود اپنے آپ کو اپنی شاعری کے سٹیج پر بے ریا سچائی کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ اس کی شخصیت میں احساس انکسار بھی ہے، گناہوں کا شعور اور مغفرت کی طلب بھی، اپنے ایمان و مقصد کے مخالف حالت کو بدلنے کی تڑپ بھی اور موجودہ تاریکیوں کو تاراج کر دینے والی صبح کی اُمید بھی، اس کی خودداری اور لذت فقر بھی، غرض شخصیت کے بہت سے اہم عناصر نمایاں ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی کسی شاعر کے تخیل اور اسلوب کو جانچنے کا ایک معیار ہے کہ اپنی نگارش میں خود اس کی ذات کس طرح جلوہ فگن ہوتی ہے۔

قصیدے کے آخر میں مناجات کرتے ہوئے التجا کرتے ہیں کہ اس قوم کی پستی کا مداوا صرف یہی ہے کہ انہیں اللہ عزوجل خلافت کا سزاوار بنا دے۔ ماحول میں ظلمت اب حد سے بڑھ رہی ہے۔ اس کا صرف ایک ہی حل ہے کہ فاران کی

چوٹی سے کوئی نور کا کوندا لپکے۔ اس استعارے سے مراد حضورؐ کی ذات بابرکات ہے۔ یعنی حضورؐ کی نظرِ کرم سے حد سے بڑھی ہوئی ظلمت کا مداوا ہو سکتا ہے۔ شاعر اپنے قلب کی بیداری کا طلب گار ہے۔ شاعر کہتا ہے:

اللہ خلافت کا سزاوار بنادے — ہے ایک یہی قوم کی پستی کا مداوا
اب حد سے سوا ہونے لگی ظلمت ماحول — لپکے سرِ فاران کوئی نُور کا کوندا
بس اب یہی اُمید متاعِ دل و جاں ہے — ہاں بس یہی ارماں ہے یہی حُسنِ تمنا
کیا پیش کروں سرو حضور شہ بطحا — اک شاعر نادار و تہی دست ہُوں مولا
فیض نظر، دولت بیداری قلبم — نذرانہ ہمیں سروسُوئے خواجہ بطحا(۲۴)

سید نظر زیدی:

سید نظر زیدی اپنے نعتیہ قصیدے میں مناجات کرتے ہوئے امت مسلمہ کی حالت کا ذکر کرتے ہیں کہ ایک وقت تھا کہ امت مسلمہ خیر امم تھی لیکن وقت کے ساتھ اس کو ایسا تنزل آیا ہے کہ ایسا محسوس ہی نہیں ہوتا جیسے اس میں کوئی صاحب کردار بھی موجود رہا ہو گا یعنی اس قوم کا آئینہ افکار دھندلا گیا ہے۔ اخوت کے آثار مٹ گئے ہیں، آج کفر کے ہر ظلم کا نشانہ مسلمان ہوتے ہیں۔ اس ظلم کے حقیقی اظہار کے لیے شاعر بابری مسجد، مسجد اقصیٰ، کشمیر اور بوسنیا کا حوالہ دیتا ہے۔

ہر دور میں تھی خیر امم آپؐ کی امت — ہر فرد تھا اللہ کی رحمت کا سزاوار
اس دور میں لیکن وہ تنزل ہے کہ توبہ — لگتا ہی نہیں ہم تھے کبھی صاحبِ کردار
ہر کام سے، ہر بات سے یوں لگتا ہے گویا — دھندلا گیا اس قوم کا آئینہ افکار
ابھری ہیں کچھ اس طرح تعصب کی فصلیں — اوجھل ہوئے نظروں سے اخوت کے سب آثار
جو کفر کی یورش سے بچانے کو ملی تھی — اب صرف مسلمانوں پہ اٹھتی ہے وہ تلوار
اس دور میں برباد ہوئے کتنے ہی بغداد — اٹھا ہے بہ اندازِ دگر فتنۂ تاتار
بازار تجارت ہو کہ ایوانِ حکومت — ہر سمت نظر آتا ہے ادبار ہی ادبار
شرماتے نہیں کفر کی دریوزہ گری سے — بے فکر ہیں گو رہن پڑے ہیں در و دیوار
پھر آپؐ کے گلشن میں چلے بادِ بہاری — اس باغ کی ہر شاخ ہو پھر شاخ ثمر دار
فریاد کناں بابری مسجد کے منارے — باقی نہ رہے مسجد اقصیٰ کے نگہدار

صد حیف کہ مظلوم ہے کشمیر میں اسلام — اک قہر ہے بوسنیا پہ کفار کی یلغار

پھر چارہ گری کیجیے یا سید کونینؐ — اس قوم سے ٹل جائے کسی طور یہ ادبار (۲۵)

شاعر علی شاعر:

شاعر علی شاعر کا قصیدہ بعنوان "محسن انسانیت" فروغ نعت اکتوبر ۲۰۱۷ء میں شائع ہوا۔ یہ قصیدہ ۹۲ اشعار پر مشتمل ہے جبکہ آخری دس اشعار حسن طلب اور دعا پر مشتمل ہیں۔ اس نعتیہ قصیدے میں شاعر خدا تعالیٰ سے رموزِ زندگی سکھلائے جانے کی دعا کرتا ہے۔ شاعر ایسی روشنی کی آرزو کرتا ہے جس سے قلب و نظر کو روشنی ملے۔ عاجزی وانکساری کی طلب بھی شاعر کے قصیدہ کا حصہ ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ اسے اپنی مغفرت کی آس ہے کیونکہ وہ حضورؐ کا امتی ہے۔ اسی طرح وہ آقاؐ کے دامن کی چھاؤں کا طلب گار ہے کیونکہ قیامت کے دن زمین تانبے کی طرح تپتی ہو گی ایسی صورت میں صرف آپؐ کی ذات بابرکات ہی عافیت کا ذریعہ ہے۔ مناجات کے آخر میں شاعر عرض کرتا ہے کہ اے رب کعبہ عزوجل تو سارے جہان کی تکلیفوں کو مٹانے والا ہے، شاعر کی تکالیف کو بھی مٹا دے۔ شاعر آل نبیؐ کا صدقہ دیتے ہوئے عرض خواہ ہے کہ انسان کی حالت دگرگوں ہے اس لیے اس کو بدل دیجیے۔ منتخب اشعار ملاحظہ ہوں:

ہے دعا تجھ سے خدائے ذوالجلال — ہم کو سکھلا دے رموزِ زندگی

رات دن جس سے جلا ملتی رہے — بخش وہ قلب و نظر کو روشنی

ہم میں بھر دے ہر طرح کی انکساری — ہم کو دے دے عاجزی سی عاجزی

مغفرت کی ہم کو تجھ سے آس ہے — ہم ترے محبوبؐ کے ہیں امتی

دامنِ سرکارؐ کا ہو سائباں — جب زمیں ہو حشر میں تپتی ہوئی

میری تکلیفیں مٹا دے اے خدا — تو نے ہی کلفت سبھی کی دور کی

اے خدا صدقہ نبیؐ کی کا — حالتِ ابتر بدل انسان کی (۲۶)

ضیاء نیئر:

ضیاء نیئر کی کتاب "سفرِ نور" میں نعتیہ قصیدہ بعنوان "نعتیہ قصیدہ در مدح سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم" موجود ہے۔ قصیدے کے آخر میں شاعر عاجزی کے انداز میں کہتے ہیں کہ صرف حضورؐ کی ذات بابرکات کی بدولت ملت میں یگانگت ہے اور ملت مسلمہ کی حیات کا راز بھی آپؐ کی ذات ہے۔ اس لیے شاعر کی نظر میں امت مسلمہ کے لیے دست سوال

دراز کرنے کے لیے صرف حضرت محمدؐ کی ذات والا صفات ہی ہے۔ اجتماعی شعور کا ثبوت دیتے ہوئے دنیا بھر کے مسلمانوں کے غم والم کا ذکر کرتے ہیں۔ شاعر کے تنقیدی شعور کا پتہ اس وقت چلتا ہے جب وہ کشمیر کو بطور خاص شعروں میں استعمال کر کے مدد کا طلب گار ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ فلسطین کا ذکر بھی خاص طور پر ہوتا ہے۔ شاعر ضیاء نیئر حضورؐ سے خیرات کے طلب گار ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

حیات گیرا نہی سے ہے ملتِ بیضا
انہی کے دم سے ہی قائم ہے زندگی کا بھرم

کس اور در پہ کریں ہم دراز دستِ سوال
حضور ﷺ آپ کی رحمت کے ہیں سوالی ہم

زوالِ فکر و عمل سے ہوئی ہے زار و زبوں
حضور ﷺ آپ کی امت ہے مبتلائے الم

ہے اشک و خوں سے لہو رنگ خطہ کشمیر
بہت طویل ہے سرکار ﷺ یہ حکایت غم

بنی ہے وادی جنت نظیر اک مقتل
وہ چیرہ دستوں نے ڈھائے ہیں اس پر ظلم و ستم

یہود کے ہے تسلط میں قبلہ اول
ہے زخم زخم فلسطیں سر سے تا بہ قدم

یہ ارض پاک ازل سے ہنود کا ہے ہدف
مزاجِ دشمنِ ازلی مدام ہے برہم

نگاہ لطف کی خیرات ہو عطا آقا
کہ تک رہے ہیں سبھی آپ ﷺ کو بہ دیدہ نم

گدائے بے نوا نیئر ہے کب سے کاسہ بدست
عطا ہو بھیک اسے بھی اے تاجدارؐ حرم! (۲۷)

عزیز فیضانی:

عزیز فیضانی اپنی کتاب "متاعِ عزیز" میں شامل نعتیہ قصیدے میں خدا تعالیٰ سے مناجات کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ عشق میں خام ہے، وہ صرف خدا کے فضل سے عشق میں پختہ ہو سکتا ہے۔ دیدار روضہ رسولؐ کی حسرت بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جب روضہ رسولؐ پر حاضری ہو گی تو شاعر اپنے آنسوؤں سے بنی ہوئی موتیوں کی چادر چڑھائے گا۔ شاعر دربار رسولؐ میں عرض حال بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان کے پاس کاغذ پر لکھی ہوئی نعت، دل میں تڑپ اور آنکھوں میں آنسوؤں کی نذر شاعر حضورؐ کے دربار میں لایا ہے۔ شاعر کہتا ہے:

کاش یہ چیز ہی منظور ہو اور یہ عاصی
خام ہے عشق میں پختہ ہو بفضلِ داور

دیدہ تر کو جو روضے کی زیارت ہو نصیب
موتیوں کی ترے مرقد پہ چڑھائے چادر

دل غمِ ہجر سے چھلنی ہے، جو یثرب پہنچے
لے بلائیں وہ ترے روضے کی جالی بن کر

نعت کاغذ پہ، تڑپ دل میں، اشک آنکھوں میں　　نذر دربار میں لایا ہے عزیز مضطر (۲۸)

فدا افضل دین:

فدا افضل دین کے قصیدہ میں حسن و طلب کا حصہ ۱۷ اشعار پر مشتمل ہے۔ شاعر سماجی شعور اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اے حبیب خدا علیہ الصلوۃ والسلام ملت بیضا جہالت کی قید میں ہے اور دین کے غدار تکالیف دینے کے لیے ہر کوشش کر رہے ہیں۔ باہمی اخوت و محبت اور احترام ختم ہو گیا ہے۔ اہل دین آپس میں بر سر پیکار ہیں۔ اسوہ رسول کریم کا جس کو پاس نہیں ہے وہ ذلت کے راستے کا غبار بن گیا۔

مگر اسیر جہالت ہے ملت بیضا　　حضور در پئے آزار دیں کے غدار

اصول بزم اخوت کا احترام کہاں　　اب اہل دین ہیں آپس میں بر سر پیکار

عزیز جس کو نہیں اسوہ رسول کریم　　وہ بن گیا ہے رزالت کے راستے کا غبار

کہاں نہیں ہیں انہیں مارنے کی تدبیریں　　انہیں مٹانے کو اپنے پرائے ہیں تیار

بھلا چکے ہیں مہ و مہر آپ کا پیغام　　بکھر رہی ہے اجالوں سے ظلمتِ کردار

بتانِ حرص و ہوس کے وہی پجاری ہیں　　جو دے رہے تھے زمانے کو تیشہ ایثار

کبھی تھی ان کی نفاست سے روح کی تعبیر　　انہی سے قصرِ صداقت ہے آج کل مسمار

یہ کور چشم ہیں متوالے خود نمائی کے　　شعور زیست کے جلوے انہیں کہاں درکار

لہو لہو ہے تمنائے زندگی ہر سو　　اس آڑے وقت میں مدد شہ ابرار

حضور کاش ملے ان کو زندگی کا شعور　　اسی میں عالم اسلام کا ہے عزو وقار

حضور دیدہ مسلم کو پھر نظر ہو عطا　　حضور آپؐ ہیں ظلمت نور کا مینار

سوائے آپ کے فریادرس نہیں کوئی　　حضور امت عاصی کے آپ ہیں غم خوار

کلی کلی ہو شگفتہ سدا بہار ہوں گل　　خزاں رسیدہ چمن میں پھر آئے فصل بہار

تمام عمر ثنائے حضورؐ کیوں نہ کروں　　مری نجات کا ساماں ہیں نعتیہ اشعار

بصد خلوص کہا ہے قصیدہ مرسل　　قبول کاش کریں اس کو احمد مختار

نبیؐ کی یاد میں اے کاش موت آجائے　　فدا، تو جنتِ رضواں کے ہم بھی ہوں حقدار (۲۹)

محمد اعظم چشتی:

محمد اعظم چشتی اپنے مشہور قصیدے "در مدحِ سید المرسلین ﷺ" میں دعا و مناجات اور حسن طلب میں کہتے ہیں کہ میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میری تمام تر خطاؤں کو معاف فرما دیا جائے۔ اعظم چشتی مناجات کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انھیں جاہ و حشمت حور و خلد کی کوئی خواہش نہیں ہے۔ ان کی خواہش فقط یہ ہے کہ انھیں حضورِ پاکؐ کی قربت کا شرف حاصل ہو جائے۔ یہی ان کی خواہش ہے اور یہی ان کی آرزو ہے۔ شاعر یہ بھی دعا کرتا ہے کہ وہ ہمیشہ حضورِ پاک کی ثنا اور حمد، باری تعالیٰ میں لگا رہنا چاہتا ہے۔

ہاں، جو ہو مجھ کو نطقِ ارزانی — مجھ کو بھی اگر عطا ہو لطفِ حضور ﷺ

میں بھی کچھ عرضِ مدعا کر لوں — بخشوا لوں سب اپنے جرم و قصور

اور کہوں، اے خزینۂ رحمت — اے کرم گستر و کرم گنجور

اے سراپا عطا و رحمتِ کل — اے خطا بخش بندۂ معذور

طلبِ جاہ اور نہ حرصِ منال — آپ ﷺ کا ساتھ چاہتا ہوں میں

دائمی قرب چاہتا ہوں حضور ﷺ — عرصۂ حشر ہو کہ باغِ ارم

آپ کی مدح پر رہوں معمور — مجھ کو بھی اگر عطا ہو لطف حضور ﷺ (۳۰)

مظہر الدین مظہر:

حافظ محمد مظہر الدین مظہر اپنے قصیدے میں مناجات کا خاص اہتمام کرتے ہیں۔ مناجات میں شاعر کا نقطہ نظر شخصی ہونے کے ساتھ ساتھ اجتماعی بھی ہے۔ شاعر نہ صرف معاشرے کا ذہن ہو کر اپنے جذبات کو بیان کر رہا ہے، اس کے ساتھ ساتھ وہ سب کی بہتری کے لیے حضورؐ سے مدد کا خواستگار ہے۔

المدد، المدد، شہ کونین! — وقتِ نصرت ہے غمگسارِ حرم

الغیاث، الغیاث، میرِ عرب — آج خطرے میں ہے وقارِ حرم

متحد ہیں یہود بہرِ قتال — منتشر جملہ شہسوارِ حرم

ہیں کلیسا و دیر شیر و شکر — زہر آلود خلفشارِ حرم

اب دلوں میں نہیں وہ جوشِ عمل — ہو گیا سرد شعلہ زارِ حرم

ہائے انجام کار کیا ہو گا؟ — لے نہ ڈوبے یہ انتشارِ حرم

چارہ سازِ شکستگاں! فریاد　　دیکھ پامالیٔ بہار حرم (۳۱)

وقار صدیقی اجمیری:

آپ کی نعتیہ مجموعہ کلام "حرف حرف خوشبو" میں "محبت کا حرم" کے نام سے مدحیہ نعتیہ قصیدہ موجود ہے۔ان کی فکر جتنی تیز پرواز ہے،وہ خود اس کے برعکس اتنے ہی آہستہ رو اور سبک خرام ہیں۔ بات ٹھہر ٹھہر کر، نپے تلے انداز میں کرتے ہیں۔ دخل در معقولات کی انہیں عادت نہیں،ان کے معتقدات کے خلاف یا نظریات کے منافی کوئی اختلافی موضوع چھڑ جائے تو خوبصورتی سے موضوع بدل دیتے ہیں۔ اگر مخاطب سے اختلافی موضوع پر گفتگو ناگزیر ہی ہو جائے، تو ان کے استدلال کی ساری کلیاں چٹکنے لگتی ہیں۔ مخالفین کی مخالفت،اور وہ ناقدین جن کے منہ سے ہنوز بوئے شیر آتی ہے،ان کی تنصیق سے آزردہ نہیں ہوتے، ملال نہیں کرتے، جھلاتے نہیں، جوابی حملہ نہیں کرتے، مخالف کی ذہنی کیفیات کو وہ کبھی نظر انداز نہیں کرتے۔ گفتگو میں ان کا مخاطب انہیں مشتعل کرنے میں کامیاب نہیں ہوتا۔ نزاعی مسائل میں قابل قبول اور دل میں اتر جانے والی موثر دلیلیں پیش کرنا۔ بات بات میں نئے نکات پیدا کرنا اور ان کا طرہ امتیاز ہے اور طرز اظہار جداگانہ، ممتاز اور جدید ہے۔

وقار صدیقی بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں۔اور انہیں جذبے کے اظہار پر اتنی قدرت ہے کہ ادق مسائل کو بھی غزل بنا دیتے ہیں۔ محبت اور عقیدت کی زبانیں الگ الگ ہیں۔ سرکار اقدس ﷺ سرچشمہ محبت ہیں۔ شہنشاہ خوبیؐ کی شان میں بلا اہتمام نعت عرض کرنے والوں نے اگر الحمد اور محمد کے اسرار کو پیش نظر نہیں رکھا ہے تو اہل عرفان کے نزدیک قدم قدم پر ٹھوکریں کھائی ہیں۔

وقار صدیقی نے توحید کے نازک مسائل کو اور حقیقت محمدیہ کے اسرار کو بڑے بڑے عرفاء اور علماء سے سمجھا ہے اور اس سے اپنی فکر کو رچایا بسایا ہے۔آپ مناجات میں اپنے لیے طبیعت میں گداز مانگتے ہیں۔آپ صدیقؓ، فاروقؓ، عثمانؓ اور حیدرؓ کی تشبیہات سے اپنے لیے گداز، دل کی وسعت، حیا اور علم مانگتے ہیں۔آپ کی دعا آپ کے علم و فن کی ترقی کے لیے ہے۔

اے خداوند سخن لفظ و بیان کے خالق　　ایک بیتاب ستائش بھی ہے محتاج کرم

سوز صدیق سے پیدا ہو طبیعت میں گداز　　دل کو فاروق کے پرتو سے بنا دے ملہم

شوخی فکر کو دے نور حیائے عثمان　　علم حیدر سے بنا میرے قلم کو بھی علم

کرب جاں بخش،، عطا کر مجھے شبیری دے　　حرف کو چاہیے خاصیت شمشیر دو دم

تشنہ علم و خبر ذہن ہے، پیاسے افکار　　میرے صحرا پہ ذرا کھل کے برس ابر کرم

مرحلے راہ بیاں میں اگر آئیں نازک　　ہو نہ شیرازہ الفاظ و معانی برہم

جو کسی حال میں مایوس نہیں فرماتا　　اس سے توفیق طلب کی ہے باامید اتم (۳۲)

نعتیہ قصائد میں دعا و مناجات کا عمومی جائزہ:

قیام پاکستان کے بعد تحریر ہونے والے نعتیہ قصائد میں دعا و مناجات کے حوالے سے عمومی طور پر دو طرح کے رجحانات پائے جاتے ہیں۔ پہلا رجحان یہ ہے کہ شاعر روایتی مضامین و موضوعات بیان کرتا ہے۔ اس میں شاعر حضور اکرمؐ سے عقیدت و محبت کا اظہار کرتا ہے، مدینہ طیبہ کی تعریف و توصیف کرتا ہے اور وہاں تک رسائی کے لیے وسائل و سہولت کا طلب گار ہوتا ہے۔ دوسرا رجحان دور حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ اس میں شاعر انفرادی و اجتماعی مصائب و مسائل میں آقاؐ کے دامن کرم میں پناہ ڈھونڈنے کی خواہش اور سیرت پاکؐ سے استفادے کی اہمیت کے موضوعات کو اپناتا ہے۔

انجم نیازی، خالد بزمی، سرو سہارن پوری، سید نظر زیدی، مظہر الدین مظہر اور فدا فضل دین اپنی مناجات میں عالم اسلام کی حالت کا ذکر کرتے ہیں۔ آپ کی نظر میں مسلمانوں کی حالت زار کی بنیادی وجہ اتحاد و یگانگت کی کمی ہے۔ کفر کی ریشہ دوانیوں اور اسلام کے خلاف ڈٹ جانے کو موضوع سخن بناتے ہیں اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی نظر کرم کے درخواست گزار ہیں۔

اثر زبیری اور ضیا نیئر مناجات میں عظمت رفتہ کا ذکر کرتے ہیں اور ملت اسلامیہ کے کھوئے ہوئے مقام کو واپس حاصل کرنے کے لیے دامن رسولؐ سے وابستگی کو واحد حل قرار دیتے ہیں۔ مظالم کفار کا ذکر کرتے ہوئے کشمیر اور فلسطین کی حالت کا بالخصوص ذکر کرتے ہیں۔

انور جمال اور رشید وارثی روز قیامت اپنی بخشش کے لیے حضورؐ کا سایہ شفقت حاصل کرنے کے لیے دعا گو ہیں۔

نصیر الدین نصیر اور حفیظ اپنی دعا و مناجات میں خواہش کرتے ہیں کہ انہیں قیامت تک کی زندگی نصیب ہو اور اس تمام زندگی میں وہ حضورؐ کی نعت پڑھتے رہیں۔ جعفر بلوچ کف افسوس ملتے ہیں کہ در رحمت ہمیشہ کھلا رہتا ہے لیکن یہ ہماری بد قسمتی ہے کہ ہم اپنی جھولیاں بھر نہیں سکتے۔

درد کاکوروی اور عزیز فیضانی حضورؐ کے قرب کی دعا کرتے ہیں اور اس خواہش کا اظہار کرتے ہیں کہ جب حاضری کا وقت ہو تو ان کے ہونٹوں پر نعتیہ قصائد جاری ہوں۔

سجاد سخن مدینے کی یاد اور دل کی بیتابی کو اپنی دعا کا موضوع بناتے ہیں۔آپ خدا تعالیٰ کے حضور اپنی دعا کی قبولیت کے لیے حضورؐ کا واسطہ دیتے ہیں اور اس واسطے کو بنیادی اہمیت دیتے ہیں۔

شاعر علی شاعر حضورؐ کے صدقے سے اپنی حالت زار میں بہتری کی دعا کرتے ہیں۔ وقار صدیقی اپنے قصیدے میں اپنے علم و فن میں ترقی کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور نبی کریمؐ کے صدقے سے دعا گو ہیں۔

حوالہ جات

۱۔شیر محمد زمان چشتی،نقوشِ سیرت(لاہور:پروگریسو بکس،۲۰۰۷ء)،ص ۶۳۔

۲۔ایضاً،ص ۶۵۔

۳۔ریاض حسین شاہ،"نعت کیا ہے؟"نعت ماہنامہ لاہور، فروری ۱۹۸۸، ص ۲۶-۲۷۔

۴۔ایضاً،ص ۲۸۔

۵۔شیر محمد زمان چشتی،نقوشِ سیرت،ص ۶۵-۶۷۔

۶۔احمد دہلوی،سید،فرہنگ آصفیہ،جلد دوم (طبع جدید)،(لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز،۱۹۸۹ء)،ص ۱۸۴۔

۷۔ہارون الرشید تبسم،ادبی اصطلاحات(جہلم:بک کارنر،۲۰۱۸ء)،ص ۱۵۳۔

۸۔احمد دہلوی،سید،فرہنگ آصفیہ،جلد دوم (طبع جدید)،ص ۱۸۸۔

۹۔اثر زبیری لکھنوی،سلسبیل (کراچی اعجاز پبلشرز،س ن)ص ۱۷۔۱۸۔

۱۰۔ایضاً ص ۲۰۔۲۱۔

۱۱۔انجم نیازی،کوئی سورج تیرے جیسا نہیں ہے (کراچی:مکتبہ الفقیر،۲۰۱۰ء)،ص ۱۱۳۔۱۲۶۔

۱۲۔انور جمال،حسنت جمیع خصالہ(ملتان:بیکن بکس،۲۰۰۰ء)،ص ۸۴۔

۱۳۔ایضاً،ص ۸۴۔

۱۴۔طاہر صدیقی، اعزاز حضوری ؐ(فیصل آباد،وزڈم پوائنٹ،۲۰۱۲ء)،ص ۱۳۷۔

۱۵۔ایضاً،ص ۱۴۲۔

۱۶۔ایضاً،ص ۱۴۹۔

۱۷۔پیر سید نصیر الدین نصیر،دیں ہمہ اوست(اسلام آباد:مہریہ نصیریہ پبلشرز،۲۰۰۰ء)،ص ۵۶۔

۱۸۔جعفر بلوچ،بیعت(لاہور:یونیورسل بکس،1989ء)ص 117-116)

۱۹۔حفیظ تائب،صلو علیہ و آلہ (لاہور:سیرت مشن پاکستان،۱۹۷۸ء)،ص ۱۰۲۔

۲۰۔خالد بزمی،سید سادات(لاہور: جاوید ابراہیم،۱۹۹۳ء)،ص ۱۶۲-۱۶۳۔

۲۱۔درد کاکوروی، درد کا درماں(کراچی:ایجوکیشنل پریس،۱۹۷۶ء)،ص ۶۸۔

۲۲۔رشید وارثی،خوشبوئے التفات(کراچی: بزم وارث،شاہ فیصل کالونی، مئی ۲۰۰۴ء)،ص ۷۸۔

۲۳۔سجاد سخن،رنگ روشنی خوشبو(کراچی:دبستان وارثیہ،۱۹۹۵ء)،ص ۱۵۹۔

۲۴۔سرو سہارن پوری،زخم دل(لاہور:المطبعۃ العربیہ،جولائی ۱۹۹۵ء)،ص ۴۴۔

۲۵۔سید نظر زیدی،نور اعلیٰ نور(لاہور: صبح صادق پبلی کیشنز،۱۹۹۶ء)،ص ۵۲۔

۲۶۔شاعر علی شاعر،"محسنِ انسانیت،"فروغِ نعت،شمارہ ۱۸(اکتوبر ۲۰۱۷ء):ص ۸۔

۲۷۔ضیاء نیئر ، سفر نور(لاہور: المدینہ پبلی کیشنز، ۱۹۷۷ء)، ص ۱۱۹۔

۲۸۔عزیز فیضانی،متاع عزیز(ایبٹ آباد: فیضانی ملی لائبریری،س ن)،ص ۳۹۔

۲۹۔فدا فضل دین کھیم کرنی،حدیثِ ایماں(لاہور:بشیر پرنٹرز،س ن)،ص ۳۰۔۳۱۔

۳۰۔محمد اعظم چشتی،کلیات اعظم چشتی (لاہور: خزینہ علم وادب،۲۰۰۵ء)،ص ۶۲۳۔

۳۱۔حافظ محمد مظہر الدین مظہر،کلیات مظہر(لاہور:ارفع پبلشرز،۲۰۱۳ء)،ص ۶۲۷۔

۳۲۔وقار صدیقی اجمیری، حرف حرف خوشبو(کراچی:فرید پبلشرز،۱۹۹۸ء)،ص ۱۸۔

باب چہارم

اردو نعتیہ قصائد کا اسلوب

تعارف:

آج کا دور سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی نے حیات انسانی کو فی الفور تبدیل کر کے رکھ دیا ہے۔ حیات انسانی کا ہر ایک شعبہ اس انقلاب سے متاثر ہوا ہے۔ جہاں تک ادب کا تعلق ہے ادب زندگی کا عکاس ہے، ادب میں زندگی نظر آتی ہے اور ادب زندگی کو زندگی دیتا ہے۔ چونکہ پوری حیات انسانی تکنیکی انقلاب سے متاثر ہوئی ہے اس لیے ادب بھی لازمی طور پر اس تبدیلی سے متاثر ہوا ہے۔ سائنس نے ادبی معیارات کو بھی جانچنے اور پرکھنے کی نئی راہ دکھائی ہے۔ اب اس کی کوئی بھی صورت چاہے تخلیقی ہو یا تنقیدی، اس کو سائنسی اصول و قواعد کی روشنی میں جانچا جا سکتا ہے۔ اسلوب تخلیق کی سب سے بنیادی اور اشد ضرورت ہے۔ اظہار کے سلسلے میں پہلا مرحلہ جو کسی بھی نثر نگار یا شاعر کو درپیش ہوتا ہے وہ اسلوب ہے۔ غالبؔ، میرؔ اور اقبالؔ کے کلیات سے اگر اسلوب کی مثالیں تلاشی جائیں تو کئی دفتر ہو جائیں۔ اسلوب بطور اصطلاح عربی الاصل ہے۔ اس کے معنی طریقہ، طرز اور روشنی کے ہیں۔ فیروز اللغات میں اس کی وضاحت یوں کی گئی ہے:

> "اسلوب عربی زبان کا لفظ ہے اور مذکر ہے۔ اسلوب کے معنی طریقہ، طرز، روشنی کے ہیں۔ اسلوب کی جمع اسالیب ہے۔"(۱)

فیروز اللغات میں اسلوب کے معنی کی سطحی شکل دکھائی دیتی ہے۔ جس کے معنی کا مطلب ایک جیسا ہی بنتا ہے۔ نور اللغات میں اسلوب کے معنی کچھ اس انداز میں دیے گئے ہیں۔

> " اسلوب مذکر ہے، معنی ہیں :صورت، طرز، روش، طریقہ، اسلوب باندھنا، لازم، صورت پیدا ہونا اور راہ نکلنا۔"(۲)

اسلوب کے موضوع پر بہت سارے ادباء نے کام کیا ہے۔ مختلف رسائل و جرائد میں اس موضوع پر مضامین شائع ہوئے ہیں اور بہت سی کتب بھی تصنیف ہو چکی ہیں۔ اس سلسلے میں پہلا نام سید عابد علی عابد کا آتا ہے انھوں نے اسلوب کے موضوع پر ایک کتاب اسلوب تصنیف کی ہے۔ اس موضوع پر انھوں نے اسلوب کے موضوع پر جامع اور مدلل بحث کی ہے۔ زیرِ نظر کتاب میں انھوں نے مشرقی اور مغربی ناقدین کے حوالوں سے اسلوب کی مختلف تعریفات پر بحث کی ہے۔ سید عابد علی عابد اپنی تصنیف میں اسلوب کی تعریف بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> "اسلوب دراصل فکر و معنی، ہیت و صورت اور پیکر کے امتزاج سے پیدا ہوتا ہے، لیکن انتقادی ادب اور تصانیف میں اکثر و بیشتر کلماتِ مستعملہ کے معنی متعین نہیں ہوتے اور

اسلوب کو محض اندازِ نگارش اور طرزِ بیان کہہ کر اس کلمے کی وہ تمام دلالتیں ظاہر نہیں کی جاسکتی
جن کا اظہار مطلوب ہوتا ہے۔"(۳)

عابد علی عابد معنی، فکر اور ہیئت کو کسی صورت بھی اسلوب سے الگ نہیں سمجھتے، ان کا خیال ہے کہ یہ تمام چیزیں مل کر اسلوب کو جنم دیتی ہیں اور الفاظ کا صحیح چناؤ فکر و معنی میں وسعت پیدا کرتا ہے۔ عابد علی عابد نے اسلوب کی جذباتی، تخیلاتی اور جمالیاتی حوالے سے بھی بحث کی ہے۔ اسلوب کے موضوع پر دوسرے اہم لکھاری نثار احمد فاروقی ہیں۔ انھوں نے اسلوب کے حقیقی معنی اور اصل نکتہ نظر پر بحث کی ہے اور اسلوب کی تعریف کو اپنی علمی بصیرت کی روشنی میں واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ نثار احمد فاروقی اسلوب کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

"یہ افکار و خیالات کے اظہار و ابلاغ کا ایسا پیرایہ ہے جو دل نشیں بھی ہو اور منفرد بھی ہو۔"(
۴)

نثار احمد فاروقی نے اسلوب کے موضوع پر بحث کے ساتھ ساتھ مغربی ناقدین نے جو اسلوب کی تعریفات کی ہیں ان پر بھی بحث کی ہے۔ نیز انھوں نے لاطینی، انگریزی اور ہندی ناقدین کے تفہیمِ اسلوب پر بھی مختلف دلائل پیش کیے ہیں۔

طارق سعید نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے "اسلوب اور اسلوبیات" میں اسلوب کے معنی کچھ اس انداز میں تحریر کیے ہیں:

"لفظ اسلوب انگریزی کے سٹائل سے مترادف ہے، یونانی میں
اسٹائلز (styles) اور لاطینی میں اسٹائلس (Stylus) کا ہم معنی ہے اور ہندی میں شیلی کہتے
ہیں۔"(۵)

طارق سعید نے بہت محنت اور کاوش سے اسلوب کے موضوع پر علمی و تحقیقی بحث کی ہے۔ انھوں نے اپنی تحقیق میں پہلے مغربی مصنفین اور ناقدین کے اسلوب کے بارے میں نظریات پر بحث کی ہے اور پھر ان نظریات سے اخذ مطالعہ کیا ہے۔ انھوں نے اسلوب کے موضوع پر ہر ایک پہلو کو مدلل انداز میں ترتیب دے کر اسلوب کے تشکیلی عناصر کو بیان کرنے کی کامیاب سعی کی ہے۔ طارق سعید کے نظریے کے مطابق بہترین الفاظ کا چناؤ اور ان کا استعمال ہی اسلوب ہے۔

ڈاکٹر عبادت بریلوی نے تنقید پر بہت سی کتب تحریر کی ہیں اور انھوں نے اسلوب کے موضوع پر بھی بہت سے مضامین تحریر کیے ہیں جو مختلف ادبی رسائل کی زینت بنے ہیں۔ انھوں نے مشرقی تنقید اور مغربی روایت کا گہرا مطالعہ کیا ہوا ہے۔ عبادت بریلوی اسلوب کو زمانے کی عام زبان سے مختلف قرار دیتے ہیں۔ مخصوص اسلوب کا مطلب ایک مخصوص لب ولہجہ، انداز اور آہنگ ہوتا ہے۔ آپ فلابیر کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

"اسلوب صرف لکھنے ہی کا نام نہیں ہے بلکہ جینے، زندہ رہنے اور اپنے وجود کو ثابت کرنے کا نام ہے۔ اسلوب وقت کی عام زبان سے ضرور تعلق رکھتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایک مخصوص اسلوب کی زبان اپنے زمانے کی زبان سے مختلف ہوتی ہے۔ اس کا مخصوص لب و لہجہ، ایک مخصوص انداز، ایک مخصوص آواز اور ایک مخصوص آہنگ رکھتا ہے۔"(۶)

فلابیر اسلوب کی تعریف کرتے وقت اسلوب کو ایک انفرادی حیثیت جیسا مانتا ہے۔ یعنی فلابیر کے خیال میں ایک شاعر کا اسلوب دوسرے شاعر کے اسلوب کو الگ نظر سے دیکھنا ہے۔ فلابیر اسلوب کو زندہ رکھنے والا سٹائل خیال کرتا ہے جو کہ نہ صرف زمانہ حال میں بلکہ مستقبل میں بھی ادیب اور شاعر کو حیات بخشتا ہے۔ ڈاکٹر اشرف کمال اپنی تصنیف "لسانیات اور زبان کی تشکیل" میں اسلوب کی تعریف اس انداز میں بیان کرتے ہیں:

"اسلوب میں ہم کسی شاعر کے انداز بیان اور اس کی زبان و بیان کی بنیادی خصوصیات سے بحث کرتے ہیں، ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مختلف شاعروں کے ہاں زبان و بیان کو کس طرح استعمال کیا گیا ہے، یا مختلف ادوار میں کس قسم کی زبان اور لہجہ مروج رہا ہے یا مختلف اصناف اور ہیئتوں میں کس طرح کا اسلوب اختیار کیا جاتا ہے۔"(۷)

آگے چل کر تحریر کرتے ہیں:

"اسلوب کا تعلق جدت اور انفرادیت سے ہے۔"(۸)

اسلوب کے بارے میں مختلف انداز سے رقم طراز ہیں:

"اسلوب انفرادی بھی ہوتا ہے اور اجتماعی بھی۔"(۹)

اسلوب کے بارے میں نتیجہ خیز انداز میں تحریر کرتے ہیں:

"اسلوب اظہار کی برت اور معنیات پر مشتمل ہوتا ہے۔ اظہار میں شخصیت اور اس کا انداز آجاتا ہے جب کہ معنیات لفظ میں چھپے معنی کی تہوں، استعاراتی نظام اور علامت و اساطیر سے بحث کرتی ہے۔"(۱۰)

ڈاکٹر عبادت بریلوی نے اسلوب کو مختلف انداز میں سمجھا ہے۔ پہلے وہ انداز بیان کو اہمیت دیتے ہیں اور بعد میں جدتِ انفرادیت کو اسلوب قرار دیتے ہیں۔ آخر پہ وہ پہلی تمام تعریفوں سے مختلف نکتہ نظر اختیار کرتے نظر آتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ انھوں نے اسلوب کو اسلوبیات کی نظر سے دیکھا ہے۔ اس انداز میں انھوں نے اپنی ہی پہلے بیان کی ہوئی تعریفوں کو ارتقائی مراحل سے گزار کر ایک جامع تعریف وضع کرنے کی کوشش کی ہے جس میں وہ خاصے کامیاب نظر آتے

ہیں۔ لیکن ان کی تعریف محض اندازِ بیان کو زیادہ اہمیت دیتی ہے جس سے اسلوب کے دوسرے بہت سے پہلو اس تعریف کے احاطہ میں آتے محسوس نہیں ہوتے۔

ڈاکٹر رابعہ سرفراز اپنے مضمون "اسلوب کیا ہے" میں اسلوب کی تعریف کچھ اس طرح سے بیان کرتی ہیں:

> "اسلوب تخلیق کا وہ اصول ہے جس سے فن کار اپنے موضوع کی گہرائی میں اتر کر موضوع کا جائزہ لیتا ہے۔ یہ اظہار کا معجزہ اور بات کرنے کا ڈھنگ ہے۔ اور اظہار و زبان کے لیے مناسب لفظوں کا استعمال اسلوب کہلاتا ہے۔"(۱۱)

اگر ان تمام تعریفوں کا مجموعی طور پر اجمالی جائزہ لیا جائے تو اس کا حاصلِ بحث یہ بنتا ہے کہ اسلوب اصل میں اظہار و بیان، زبان اور لفظ و معنی کا موضوع کی مناسبت سے بہترین استعمال ہے۔ ساری تعریفوں میں مشترک بات جو تقریباً تمام ناقدین کسی نہ کسی صورت میں کہتے نظر آتے ہیں وہ اظہار و بیان اور زبان کا استعمال ہے۔ اسلوب کو مکمل کرنے میں تمام عناصر اپنی اپنی اہمیت رکھتے ہیں۔ ادب میں اسلوب کی بحث زمانہ قبل مسیح سے چلی آ رہی ہے۔ اسلوب کی مختلف تعریفیں اور مختلف معنی ہیں۔ شاعری کا فنونِ لطیفہ میں مطالعہ اس کے متنوع اسلوب کی وجہ سے ہے۔ ادب میں جس طرح تخیل اور سوچ میں تنوع پایا جاتا ہے اسی طرح اسلوب کے میدان میں بھی طرح طرح کی جدتیں پیدا ہوتی رہتی ہیں اور نت نئے راستے نکلتے رہتے ہیں۔ جس طرح آفاقی اور کلاسیک تخلیقات کے معیارات بدلتے رہتے ہیں اسی طرح اسلوب کو سمجھنے اور پرکھنے کے نت نئے نکتہ نظر سامنے آتے رہیں گے۔ اسلوب اتنا بڑا موضوع ہے کہ اس کو سمجھنے کے لیے الگ سے نئے دفاتر درکار ہیں۔

اسلوب کا تصور اسلوبیات سے آیا ہے۔ اسلوبیات نقد و ادب کا وہ شعبہ ہے جس میں اسلوب کی جانچ پرکھ اور مطالعہ کیا جاتا ہے۔ اسلوبیات میں اسلوب کو سائنسی طرز پر پرکھا جاتا ہے۔ سائنس اصلِ معروضیت پر کام کرتی ہے اس میں ذاتی پسند و ناپسند کا کوئی عمل دخل ممکن نہیں ہوتا۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ اسلوبیات کی تعریف اس طرح بیان کرتے ہیں:

> "اسلوبیات وضاحتی لسانیات کی وہ شاخ ہے جو ادبی اظہار کی ماہیت، عوامل اور خصائص سے بحث کرتی ہے اور لسانیات چونکہ سماجی سائنس ہے اس لیے اسلوبیات اسلوب کے مسئلے پر تاثراتی طور پر نہیں بلکہ معروضی طور پر بحث کرتی ہے۔ اور نسبتاً قطعیت کے ساتھ اس کا تجزیہ کرتی ہے۔"(۱۲)

اسلوبیات جس طرز کا مضمون ہے اس کے مطالعے میں صرف سائنسی اصول و قواعد ہی کام آ سکتے ہیں۔ گوپی چند نارنگ ادبی اسلوبیات کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"ادبی اسلوبیات تجزیاتی طریق کار کے استعمال سے تخلیقی اظہار کے پیرایوں کی نوعیت کا تعین کر کے ان کی درجہ بندی کرتی ہے۔ وہ اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ فن کار نے ممکنہ تمام لسانی امکانات میں سے اپنے طرز بیان کا انتخاب کس طرح کیا اور اس سے جو اسلوب خلق ہوا اس کے امتیازات یا خصائص کیا ہیں یعنی وہ کون سی لسانی خصوصیات ہیں جن کی وجہ سے کسی پیرایہ بیان کی الف سے شناخت ممکن ہے، یا لسانی اظہار کا جو عمومی فطری انداز ہے۔ اس سے کسی مصنف یا شاعر کا پیرایہ بیان کتنا مختلف ہے، یا کسی مخصوص طرز اظہار میں کون کون سے لسانی خصائص پس منظر میں چلے گئے اور کون کون سے پیش منظر آئے ہیں، اسلوبیات میں یہ عمل (foregrounding) کہلاتا ہے۔"(۱۳)

ادبی مطالعہ اور اسلوبیاتی مطالعہ میں واضح فرق یہی ہے کہ ادبی تنقید میں متن کا خارجی مطالعہ شامل ہوتا ہے جب کہ اسلوبیاتی مطالعہ میں متن کا داخلی مطالعہ شامل ہوتا ہے جو کہ اپنی اصل میں معروضیت کا مظہر ہوتا ہے۔ اس کے اصول و قواعد سائنسی ہوتے ہیں۔ اسلوبیات اطلاقی اور توضیحی لسانیات کی ایک اہم شاخ ہے۔۔ لسانیات کا موضوع چونکہ زبان ہے اور زبان ہی ادب کا ذریعہ اظہار ہے اور زبان کا تجزیہ اسلوبیات کے تحت ہی ہو سکتا ہے۔ اسلوبیات کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ اسلوب ہر تخلیق کار کے ہاں پایا جاتا ہے۔ اسلوبیات میں اس بات کا جائزہ لیا جاتا ہے کہ کون سی آوازیں، صوتیات، ساخت، لفظیات، نحویات اور معنی مل کر اسلوب کی تشکیل کرتے ہیں۔

ریاض صدیقی اسلوبیاتی مطالعے کے بارے میں کہتے ہیں:

"اسلوبیات چونکہ بیانات کی ترتیب بندی کر سکتی ہے اور ادب و غیر ادب میں خطِ امتیاز کھینچ سکتی ہے اس سے شعر و ادب اور فن کی ایک آفاقی تعریف کا تعین کیا جا سکتا ہے۔"(۱۴)

ڈاکٹر اشرف کمال نے اسلوبیات کو صرف اصوات کی ادائی تک محدود کیا ہے۔ ڈاکٹر اشرف اسلوب کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"اسلوبیات میں شاعری کو الفاظ اور الفاظ کے ساتھ اصوات کی ادائی کے حوالے سے پرکھا جاتا ہے۔ لسانیات کے تناظر میں اسلوب کا مطالعہ اسلوبیات کہلاتا ہے۔"(۱۵)

اسلوب ایک ذریعہ اظہار ہے جو کہ ایک ہی وقت میں مصنف اور وقت دونوں کی تہذیبی صورت ہوتا ہے اس لیے اسلوبیاتی مطالعے کے بغیر کسی بھی فن پارے کا ادبی مطالعہ اور اس کے ادبی مقام و مرتبے کا تعین کسی طور بھی ممکن نہیں ہو سکتا۔ اسلوب میں صدیوں پر محیط تہذیب و ثقافت بولتی نظر آتی ہے۔ بعض ادبی خزانے جو وقت کے بے رحم تھپیڑوں کی

نظر ہو کر زمانے کے ہاتھوں خرد برد ہو جاتے ہیں تو اسلوب کی مدد سے ان کی اہمیت اور مرتبے کا تعین ہوتا ہے۔اسلوبیاتی مطالعہ کسی بھی فن پارے کی ادبی اہمیت کے تعین میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔

اردو نعتیہ قصائد کا اسلوبیاتی مطالعہ ان کی ادبی اہمیت اور قدر و قیمت کے تعین کرنے کے لیے ضروری ہے۔شاعر کی شاعری میں سارا کمال لفظوں کا ہوتا ہے اور لفظوں کے انتخاب اور خیال کے ابلاغ کے لیے مختلف شعری محاسن اور صنائع بدائع کا استعمال تخلیق پارے میں جان ڈالتا ہے۔ذیل میں علم بیان اور صنائع لفظی و معنوی کی تعریفات پیش کی جارہی ہیں، جن کے تحت منتخب نعتیہ قصائد کا جائزہ لیا جائے گا۔

زبان وبیان کی چاشنی:

نعتیہ قصیدہ نگار شعرا کے کلام میں فصاحت وبلاغت کی پاسداری، روزمرہ اور محاورہ کے بر محل استعمال سے زبان وبیان میں چاشنی کا عنصر در آتا ہے۔ان کے ہاں ایسے اشعار کی کمی نہیں جو زبان کی صفائی، خیال کی پاکیزگی اور جملے کی روانی و سلاست سے متصف نہ ہوں۔ یہاں یہ بات بھی اہم ہے کہ عاجزی وانکساری کے باوجود شعرا کے نزدیک چونکہ رسول اکرمؐ کی ذات منبع عقیدت ہے اس لیے وہ اس بات پر پختہ یقین رکھتے ہیں کہ حضورؐ کا وسیلہ تمام کوششوں کی کامیابی کی ضمانت ہے۔

بے ساختگی:

جب کلام میں تکلف اور تصنع کا عنصر نہ ہو اور شعر عام بات چیت کا سا انداز لیے ہو تو شعر کی اس خوبی کو بے ساختگی سے تعبیر کرتے ہیں۔ نعتیہ قصائد کے کلام میں کبھی جذبے سے، کبھی استفہام سے، کبھی سوز و گداز سے اور کبھی تحسین و آفرین سے بے ساختگی کا عنصر کشید کرنے کی سعی موجود ہے۔

چستی بندش:

دقیق اور مشکل الفاظ کو اس مہارت سے کام میں لانا کہ کلام کی صحت، روانی اور سلاست مجروح نہ ہونے پائے، چستی بندش کہلاتا ہے۔ نعتیہ قصائد میں دقیق الفاظ اور مشکل تراکیب ضرور استعمال ہوئی ہیں لیکن شعر کی لطافت برقرار رہتی ہے۔

تراکیب کا تنوع:

نعتیہ قصائد ایسی تراکیب سے مزین ہیں جن میں لطیف جذبوں کی جھلک صاف دیکھی جاسکتی ہے اور یہی جذبہ ان کے اسلوب کو زیادہ جاندار بنادیتا ہے۔ان قصائد میں عطفی اور اضافتی تراکیب ادائے معنی میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ نعتیہ قصائد کا اسلوب ان کی اختراعات کی بدولت انفرادیت کا حامل قرار دیا جاسکتا ہے۔ خاص طور پر اپنے تخلص کی نسبت سے انھوں نے جو تراکیب وضع کی ہیں یقیناً قابل تحسین ہیں۔

نعتیہ قصائد میں خوبصورت اور رواں عطفی تراکیب کی فراوانی ہے، جیسے: غم وآلام، دنیاودیں، شام وسحر، جود وسخا، فخراب وجد، بردوعالم، زینت وزیب۔ اسی طرح نعتیہ قصائد میں سہ لفظی اضافتی تراکیب بھی اوجِ بہار پر ہیں۔ اگر انہیں گلستانِ نعت کی بہار کے نوشگفتہ پھول قرار دیا جائے تو بے جانہ ہوگا کیوں کہ بہارِ تازہ کے یہ پھول عقیدت کی شبنم میں ڈھلے ہیں۔

ان قصائد میں اضافت کے ساتھ مرکبِ عطفی کا امتزاج الفاظ کو نئے معانی سے آراستہ کرتا ہے جس سے جذبوں کا اظہار سہولت کی راہ پانے لگتا ہے۔ یہ تراکیب کلام کو نہ صرف علمی مرتبہ عطا کرتی ہیں بلکہ لطفِ زبان کا حسن بھی ودیعت کرتی ہیں۔ان قصائد کے لفظی نظام کی بوقلمونی کا ایک اور حوالہ مرکب عطفی اور اضافت کی آمیزش ہے۔ یہ تراکیب شعرا کی جودتِ طبع کے ساتھ ان کی قادرالکلامی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

عربی فارسی اثرات:

اردو زبان کے اندر اتنی لچک موجود ہے کہ وہ بہت سی دیگر زبانوں کے الفاظ اپنے اندر سمونے کی استطاعت رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو زبان نے دنیا کی اکثر زبانوں سے کسب فیض کیا ہے مگر بنیادی طور پر اس کی رگوں میں عربی فارسی کا لہو دوڑ رہا ہے۔ معرب ومفرس تراکیب سے جس طرح نعتیہ قصائد نے توانائی حاصل کی ہے اس سے ان قصائد میں فصاحت و بلاغت کی بہار اتر آئی ہے اور کلام گلشنِ بے خار نظر آنے لگا ہے۔

ہندی الفاظ:

نعتیہ قصائد کا اسلوب بنیادی طور پر عربی وفارسی سے عبارت ہے اور ہندی الفاظ نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اگر کہیں ہندی الفاظ استعمال ہوئے بھی ہیں تو وہ فارسی اسلوب میں اس طرح گھل مل گئے ہیں کہ ان کے ہندی ہونے کا گمان تک نہیں گزرتا۔

شکوہِ الفاظ:

بعض اوقات شاعر اپنے مؤقف کی پیش کش کے لیے سادہ الفاظ کی بجائے مشکل اور ثقیل الفاظ استعمال کرتا ہے جس سے کلام میں ایک خاص وضع داری پیدا ہو جاتی ہے۔ جسے ہم شکوہِ الفاظ کا نام دے سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں ابوالاعجاز حفیظ صدیقی رقم طراز ہیں:

> "صوتی آہنگ اور معنوی فضا کے لحاظ سے بعض الفاظ میں ایک خاص قسم کا طمطراق اور طنطنہ جھلکتا ہے جسے اصطلاح میں شکوہِ الفاظ کہتے ہیں۔"(۱۶)

نعتیہ قصائد میں شکوہ الفاظ کی کمی نہیں ہے، نعتیہ قصائد کے انفرادی مطالعہ میں اس کا جامع انداز میں مطالعہ کیا جائے گا۔

غنائیت:

کلام میں موسیقیت کے عنصر کو غنائیت یا ترنم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ نعتیہ قصائد کے اکثر اشعار اپنے اندر موسیقیت کی تاثیر لیے ہوئے ہیں۔ان کے اس غنائی پہلو کے پس پردہ ان کا انتخاب الفاظ و بحور کارفرما ہے۔ان قصائد میں اس قدر سوز، جذب اور ترنم پایا جاتا ہے کہ قاری متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ قصائد میں جذبات و احساسات اور مسرت و سرمستی کی واردات اور کیفیات موجود ہوتی ہے۔ نعت کے لیے ترنم بھی نہایت ضروری ہے کیونکہ نعت زیادہ تر لے اور راگ کے ساتھ پڑھی جاتی ہے۔ محافل نعت اور ثناخوانی کے لیے سجائی گئی انجمنوں میں نعت خواں اس کلام کو ترجیح دیتے اور پسند کرتے ہیں جو لے کاری کے معیارات پر پورا اترتا ہو۔ غنائیت اور موسیقیت پیدا کرنے کے لیے الفاظ اور لہجے کے اتار چڑھاؤ کا خاص خیال رکھنا پڑتا ہے جو خاص فنی مہارت کے بغیر ممکن نہیں۔اردو نعتیہ قصائد میں غنائیت، موسیقیت اور ترنم کا بطور خاص انتظام کیا ہے۔

اختلالِ حواس:

اختلال کے لغوی معنی ہیں: "خلل میں پڑنا"۔ وجدانی کیفیت کے زیر اثر بعض اوقات آنکھیں سوچنے لگتی ہیں، رنگ باتیں کرنے لگتے ہیں اور آواز میں رس پیدا ہو جاتا ہے جسے اختلالِ حواس کہا جاتا ہے۔ سید عابد علی عابد نے اس کیفیت کو امتزاجِ حواس کا نام دیا ہے (۱۷)۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری معروف فرانسیسی شاعر اور دانشور بودلیر کے حوالے سے یوں رقم طراز ہیں:

" شاعرانہ کیفیت میں ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جب تمام حواس نہایت درجہ تاثرات پذیر اور ذکی الحس ہو جاتے ہیں۔۔۔اختلالِ خیالات واقع ہوتا ہے اور جملہ اشیائے عالم اپنی صورت سے بسا اوقات دوسری صورتوں میں منقلب ہو جاتی ہیں اور خیالات میں ناقابلِ حل اطلاقی تغیر پیدا ہو جاتا ہے۔ آوازیں رنگیں معلوم ہونے لگتی ہیں اور رنگ میں نغمہ پیدا ہوتا ہے۔"(۱۸)

تخلص کا استعمال:

تخلص عمدہ استعمال کلام کو تاثیر اور جاذبیت عطا کرتا ہے اور اگر اسے سلیقہ مندی سے برتا جائے تو کلام میں نئی معنویت کا باعث بھی بنتا ہے۔ دردؔ اور مومنؔ کے ہاں تخلص کا ذو معنی استعمال موجود ہے جو انھیں دیگر شعرا سے ممتاز بناتا ہے۔ نعتیہ قصائد میں بھی تخلص کا خوب صورت استعمال دیکھنے میں آیا ہے۔ اپنے تخلص سے نئے نئے معنی نکالنے میں ان کی شعوری کاوشوں کا عمل دخل بھی ہے۔

حروف کا استعمال:

حروف کا استعمال کلام کو بامعنی بنانے کے علاوہ حسن و خوبی کا باعث بھی بنتا ہے۔ نعتیہ قصائد میں شعرا نے حروف کی کئی اقسام اپنے کلام میں برتی ہیں۔ جیسے حروفِ تحسین، حروفِ استعجاب، حروفِ تاسف، حروفِ تمنا، حروفِ استدراک، حروفِ شرط اور حروفِ موصولہ وغیرہ۔

حروفِ سزا و جزا:

نعتیہ قصائد میں اسمائے موصولہ کا استعمال کثرت سے ہوا ہے، جیسے: جو، جس نے، جس کو، جن، جن کو، جب، جیسے، جنھیں، جس دم، جسے، جتنا اور جتنے وغیرہ۔ چونکہ اسمائے موصولہ کے ساتھ شرط کے معنی بھی موجود ہوتے ہیں اس لیے صلہ کے اعلان کے لیے حروفِ صلہ یا جزا کا آنا ناگزیر ہے۔ جیسے: جدھر کا حرفِ جزا ادھر، جتنا کا اتنا، جہاں کا وہاں اور جیسا کا حرفِ صلہ ویسا ہے۔

القابات:

حضور والا صفاتؐ اخلاق و کردار کے بلند مراتب پر فائز ہیں۔ آپؐ کے اخلاق کریمانہ کے پیش نظر بعثت سے قبل ہی اہل مکہ آپؐ کو مختلف القابات اور صفاتی ناموں سے پکارنے لگ گئے تھے۔ نعتیہ قصائد میں آپؐ کے صفاتی ناموں کا ذکر بڑے والہانہ انداز میں موجود ہے۔

علامت نگاری:

استعارہ جب پھیلتا ہے تو علامت بن جاتی ہے۔ استعارہ جہاں اکہرے مفہوم کا حامل ہوتا ہے وہاں علامت کثیر جہتی مفاہیم ادا کرتی ہے۔ بعض اوقات استعارہ، کنایہ یا تلمیح کے الفاظ علامت کا روپ دھار لیتے ہیں۔ بقول پروفیسر انور جمال:

> "کوئی لفظ لغوی معنوں کے بجائے کسی اور معنی میں استعمال کرنا علامتیت کہلاتا ہے۔ لغات میں ہر لفظ کے ایک مخصوص معانی ہوتے ہیں یعنی ہر لفظ کسی خاص معنی کے لیے وضع ہوا ہے۔ اگر ہم لفظ کو اس کے مخصوص معنی کے بجائے اس سے کوئی دوسرے معانی مراد لیں تو یہ 'علامت' ہو جائے گی۔ گویا لفظ دو صورتوں میں استعمال ہو سکتا ہے، ایک حقیقی معنی کے ساتھ اور دوسرا غیر حقیقی (مجازی) معنوں کے ساتھ۔ لفظ کا مجازی استعمال علامت ہے۔ یوں ہر استعارہ علامت، ہر کنایہ علامت بلکہ ہر اصطلاح علامت ہے۔"(۱۹)

یہ علامتیں روایتی بھی ہو سکتی ہیں اور کوئی شاعر اپنی جودتِ طبع سے نئی علامات وضع بھی کر سکتا ہے۔ علامت کے بارے میں شعرا کے ہاں اختراعی رجحان کا عمل دخل نظر آتا ہے۔ ان کے ہاں کلام میں علامتی الفاظ جہاں عہدِ حاضر کے انسان کو درپیش مسائل و مصائب پیش کرتے ہیں وہیں اس امر کے ترجمان بھی ہیں کہ آج کا انسان بے راہ روی کا شکار ہے اور صراطِ مستقیم کی جستجو میں سرگرداں ہے۔

محاکات نگاری:

الفاظ کی صورت میں چلتے پھرتے تصویری پیکر تراشنا محاکات نگاری کہلاتا ہے۔ پروفیسر انور جمال اپنی کتاب "ادبی اصطلاحات" میں محاکات نگاری کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں:

> "محاکات ایک شعری اصطلاح ہے۔ تصویر رنگ و نقش کی دنیا میں اور محاکات صوت و حرف کے جہان میں ایک نوع کی چیزیں ہیں۔ کسی چیز، حالت یا کیفیت کا اس طرح بیان کہ اس کی تصویر سننے پڑھنے والے کی آنکھوں میں پھر جائے محاکات ہے۔۔۔ غم، حیرت،

خوشی، غصہ، نفرت، استعجاب، تفکر، بے تابی جیسے مجرد جذبات کو لفظوں کے ذریعے تصویر بنا دینا محاکاتی قوت کا ہے۔ محاکات کو منظر کشی یا امیجری بھی کہہ سکتے ہیں۔ شبلی کا خیال ہے کہ شاعری دو چیزوں کے مجموعے کا نام ہے۔ تخیل اور محاکات۔"(۲۰)

نعتیہ قصائد کے شعرا نے اپنے کلام میں ایسے مناظر پیش کیے ہیں کہ انسان چشمِ تصور سے بخوبی ان مناظر کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔

شاعرانہ تعلی:

بعض اوقات شاعر کلام میں ایسے الفاظ استعمال کرتا ہے جن کے پیچھے خود نمائی اور خود ستائی کا جذبہ کار فرما ہوتا ہے۔ ایسے اشعار تعلی کے اشعار کہلاتے ہیں۔ اس بارے میں رشید وارثی لکھتے ہیں:

"جذبۂ خود نمائی میں یہ خواہش مضمر ہوتی ہے کہ انسان اپنی اچھائیاں خود بیان کر کے اور اپنی فوقیت کا اظہار کر کے لوگوں میں اپنی نسبت حسنِ ظن پیدا کرے اور اپنے آپ کو دوسروں کے سامنے بڑا کر کے دکھائے۔"(۲۱)

شاعرانہ تعلّی غزل گو شعرا کے ہاں تو قابلِ قبول ہے مگر نعت جیسی پاکیزہ صنف سخن کہ جس کی بنیاد ہی عجز و انکسار پر ہے، اس میں تعلّی کا استعمال موزوں نہیں۔ علما اور ناقدینِ نعت نے اسے تحسین کی نظر سے نہیں دیکھا۔

استفہامیہ لہجہ:

اردو نعتیہ قصائد کی ایک خوبی ان کا استفہامیہ انداز ہے۔ استفہامیہ طرز جہاں قاری کی توجہ کے حصول کا باعث بنتا ہے وہیں ادائے مطلب کی نئی جہتیں متعارف کرواتا ہے۔ استفہام کی تین اقسام ہیں اور شعرا نے ان تینوں سے اپنے کلام کو مزین کیا ہے۔

الف۔ استفہام اقراری:

استفہام کی اس قسم میں سوال کے ذریعے کسی چیز یا امر کے ثبوت کے بارے میں دریافت کیا جاتا ہے۔ جیسے: کہتے کیوں نہیں؟ کیوں نہ جاؤں؟ وغیرہ۔ پہلی مثال میں "کہتے کیوں نہیں" کے الفاظ سے "کہہ دو" مراد ہے۔ اسی طرح دوسری مثال میں کیوں نہ جاؤں" کے الفاظ سے مراد اس بات کا اقرار ہے کہ "میں تو جاؤں گا"۔ دراصل استفہام اقراری کے ذریعے کسی امر کا اقرار کرنا یا اقرار لینا مقصود ہوتا ہے۔

ب۔استفہام انکاری:

ایسا استفہام جس سے کسی بات کی نفی کرنا مقصود ہو استفہام انکاری کہلاتا ہے، جیسے میں نے یہ کب کہا؟ کس میں اتنی ہمت ہے؟ وغیرہ۔ پہلے جملے کا مطلب ہے کہ میں نے یہ نہیں کہا جب کہ دوسرے جملے سے مراد ہے کہ کسی میں بھی اتنی ہمت نہیں۔ شعرا کے کلام میں استفہام انکاری کا استعمال بڑے موزوں اور مؤثر انداز میں ہوا ہے۔ انھوں نے حضورِ انور ﷺ کی یکتائی، بزرگی اور برتری کے بیان میں دیگر تمام مخلوقات کی نفی کے لیے استفہام انکاری سے جو کام لیا ہے وہ قابلِ ستائش ہے۔

ج۔استفہام استخباری:

اسے استفہام حقیقی بھی کہتے ہیں۔ یہ استفہام کسی چیز کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے: کب آؤ گے؟ اب کیا کریں؟ وغیرہ۔

محاورات:

اہل زبان کے خاص بول چال کو محاورے کا نام دیا جاتا ہے۔ اس بارے میں ڈاکٹر سہیل عباس بلوچ رقم طراز ہیں:

> "محاورہ وہ کلام مجاز ہے جس میں ایک فعل یا ایک حرف ربط ہو اور ایک کو دوسرے کے مشابہ نہ بتایا جائے جیسے موہن نے بہت پاپڑ بیلے، یعنی مصیبت اٹھائی۔"(۲۲)

محاورے کا بر محل اور موزوں استعمال کلام میں شگفتگی اور تازگی کا باعث بنتا ہے نیز کلام کی معنویت میں تاثیر اور نیا پن پیدا کرتا ہے۔ نعتیہ قصائد کے شعرا کے ہاں محاوروں کی کثیر تعداد موجود ہے۔ محاورات کے استعمال سے ان شعرا کے کلام میں زورِ بیان کے ساتھ ساتھ شیرینی اور لطفِ زبان کا حسن نمایاں ہو گیا ہے۔ ان کے ہاں محاورے کی بندش اس فطری انداز میں ہوئی ہے کہ محاورہ کلام میں جذب ہو کر رہ گیا ہے۔

سہل ممتنع:

ڈاکٹر مزمل حسین نے اپنی تصنیف "اردو میں علم بیان اور علم بدیع کے مباحث" میں سہل ممتنع کو اس انداز سے بیان کیا ہے:

"سہل کے لغوی معنی آسان کے ہیں جب کہ ممتنع کا مطلب دشوار یا مشکل ہے۔
اصطلاح میں ایسا شعر جو بظاہر آسان معلوم ہو مگر در حقیقت ایسا کلام کہنا دشوار ہو یا اتنا آسان اور
سادہ شعر جس کی نثر نہ کی جاسکے ایسا شعر صنعت سہل ممتنع کی مثال ہو گی۔"(۲۳)

ڈاکٹر ہارون رشید اپنی تصنیف "ادبی اصطلاحات" میں سہل ممتنع کو یوں بیان کرتے ہیں:

"یہ شعر اظہار کی اصطلاح ہے۔ایسا شعر جو نہایت سادہ اور آسان لفظوں میں لکھا
گیا ہو لیکن اس میں فکر کی گہرائی پائی جاتی ہو، وہ سہل ممتنع کہلاتا ہے۔استاد الشعرا نے سہل ممتنع
کو اپنی شاعری میں شامل کر کے اپنی قادر الکلامی کا ثبوت دیا ہے۔"(۲۴)

سہل ممتنع ایسا کلام جو بظاہر سادہ اور سہل معلوم ہو مگر جب کوئی شاعر خود ویسا کلام لکھنا چاہے تو بے حد دشواری محسوس کرے۔ دیگر الفاظ میں بات کو تصنع اور بناوٹ سے ہٹ کر سیدھے سبھاؤ بیان کرنا سہلِ ممتنع ہے۔ نعتیہ قصائد میں اس کی مثالیں کثیر تعداد میں موجود ہیں۔

علم بیان:

علمِ بیان کے ذریعے ایک بات کو مختلف انداز میں پیش کیا جاتا ہے جس سے کلام کی معنوی و صوتی تفہیم نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔ پروفیسر انور جمال اس سلسلے میں یوں رقم طراز ہیں:

"علم بیان چند قاعدوں کا نام ہے کہ اگر ان کو اس طرح سے یاد کریں کہ وہ سب
ذہن میں حاضر رہیں تو ایک معنی کو کئی طریقوں سے ادا کر سکتے ہیں اور وہ طریقے مختلف ہوتے
ہیں۔ان میں سے بعض معنی پر اس طرح دلالت کرتے ہیں کہ اس سے وہ معنی صاف سمجھے
جاتے ہیں اور بعض سے وہ معنی صاف نہیں سمجھے جاتے بلکہ فکر و تامل کے بعد سمجھ میں آتے
ہیں۔"(۲۵)

علم بیان کا موضوع لفظ ہے جو دو طرح سے استعمال ہوتا ہے حقیقی اور مجازی۔ حقیقی اور مجازی میں ایک قرینہ اور سلیقہ ہوتا ہے، یہی سلیقہ اور قرینہ یا ربط دراصل علم بیان ہے۔ علم بیان کا دار و مدار چار چیزوں پر ہے، جو تشبیہ، استعارہ، مجاز مرسل اور کنایہ ہیں۔

تشبیہ:

اگر دو چیزوں میں کوئی صفت مشترک ہو لیکن ان دو چیزوں کی حقیقت مختلف ہو تو اس صفت مشترک کی بنا پر ان کو ایک دوسرے کی مانند قرار دینے کو تشبیہ کہتے ہیں۔ مثلاً پھول کی پتی پر شبنم موتی کی طرح چمک رہی ہے۔ اس جملے میں شبنم کے قطروں کو موتیوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ دونوں مختلف چیزیں ہیں لیکن چمک صفت دونوں میں مشترک ہے۔ تشبیہ ایسا اسلوب اظہار ہے جو شاعری میں خوب صورتی اور چاشنی پیدا کر دیتا ہے۔ دو چیزوں میں کسی ایک وصف کی بنا پر مشارکت تشبیہ کہلاتی ہے۔ تشبیہ کا کام معنی آفرینی، حسن آفرینی اور اختصار و بلاغت پیدا کرنا ہے۔ اس سے فن شاعری میں حسن نکھرتا ، معنی ابھرتے اور بلاغت پیدا ہوتی ہے۔

مولوی نجم الغنی رامپوری اپنی تصنیف "بحر الفصاحت "(حصہ پنجم) میں تشبیہ کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> "تشبیہ لغت میں دلالت ہے اس بات پر کہ ایک شے دوسری شے کے ساتھ ایک معنی میں شریک ہے۔ علم بیاں کی اصطلاح میں تشبیہ سے مراد دلالت ہے دو چیزوں کی جو آپس میں جدا جدا ہوں ایک معنی میں شریک ہونے پر، اس طرح کہ بطور استعارے کے نہ ہوں اور نہ بطور تجرید کے ہو۔ تجرید کا بیان علم بدیع میں آتا ہے۔"(۲۶)

ڈاکٹر ہارون الرشید تبسم تشبیہ کی مزید وضاحت کرتے ہوئے سید عابد علی عابد کے حوالے سے "ادبی اصطلاحات" میں بیان کرتے ہیں کہ:

> "تشبیہ وہ فن ہے جس کے ذریعے فنکار، انشاپرداز یا خطیب مختلف چیزوں میں مشابہتیں دریافت کرتا ہے۔ گویا ایک چیز کو دوسری چیز کے مشابہ کر دیتا ہے۔"(۲۷)

ڈاکٹر ہارون الرشید تبسم اپنی تصنیف "ادبی اصطلاحات" میں پروفیسر انور جمال کے حوالے سے تشبیہ کی وضاحت کچھ یوں کرتے ہیں:

> "یہ علم بیان کی ایک شاخ ہے، جس کا مطلب ہے دو اشیاء میں مشابہت تلاش کرنا ہے۔ ایک ہی مضمون کو مختلف طریقوں اور قرینوں سے بیان کرنے کے لیے کچھ قاعدے اور ضابطے وضع کیے گئے ہیں۔ ان قرینوں میں ایک قرینہ تشبیہ کا بھی ہے۔ اس کا تعلق علم بیان کے خاندان سے ہے۔ تشبیہ میں ایک چیز کو ایک یا ایک سے زیادہ مشترکہ خصوصیات کی بناء پر دوسری کے مانند قرار دیا جاتا ہے اور اس طرح پہلی چیز کی اہمیت یا شدت کو واضح کیا جاتا ہے۔" (۲۸)

ڈاکٹر ہارون الرشید ارکان تشبیہ کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

۱۔ مشبہ:

وہ شے جس کو تشبیہ دی جائے اسے مشبہ کہتے ہیں

۲۔ مشبہ بہ:

وہ شے جس سے تشبیہ دی جائے اسے مشبہ بہ کہتے ہیں۔

۳۔ وجہ تشبیہ:

وہ مشترک صفت جو دونوں میں موجود ہو، وجہ تشبیہ کہلاتی ہے۔

۴۔ غرض تشبیہ:

جس مقصد کے لیے تشبیہ دی جائے، اسے غرض تشبیہ کہتے ہیں۔

۵۔ حرف تشبیہ:

جو حرف تشبیہ دینے کے لیے استعمال کیا جائے اسے حروف تشبیہ کہا جاتا ہے۔ (۲۹)

طرفین تشبیہ: مشبہ اور مشبہ بہ کو طرفین تشبیہ کہتے ہیں۔

تشبیہ کے حوالے سے چند شرائط پیش کی جاتی ہیں۔ جن کا ذکر ذیل میں دیا جاتا ہے۔

- ✓ مشبہ اور مشبہ بہ دونوں مختلف ہوتی ہیں۔ ان دونوں میں مشترک خصوصیت کا ہونا بہت ضروری ہے۔
- ✓ مشبہ اور مشبہ بہ میں ایک صفت ضرور مشترک ہونی چاہیے۔
- ✓ مشبہ اور مشبہ بہ میں کوئی قدر مشترک ہونی چاہیے۔
- ✓ وجہ تشبیہ، مشبہ کی نسبت مشبہ بہ میں زیادہ واضح ہونی چاہیے۔
- ✓ اکثر اوقات وجہ تشبیہ اور حرف تشبیہ کا ذکر نہیں ہوتا۔ (۳۰)

اقسام تشبیہ

تشبیہ کی بہت سی قسمیں ہیں۔اس میں سے چند درج ذیل ہیں:

تشبیہ قریب:

وہ تشبیہ جو بہت جلد سمجھ میں آجائے، تشبیہ قریب کہلاتی ہے۔

تشبیہ بعید:

وہ تشبیہ جس کو سمجھنے کے لیے کافی سوچنا پڑے اسے تشبیہ نادر و غریب بھی کہتے ہیں۔

تشبیہ جمع:

جب مشبہ ایک اور مشبہ بہ بہت سے ہوں تو ایسی تشبیہ کو تشبیہ جمع کہتے ہیں۔

تشبیہ تسویہ:

جب مشبہ متعدد ہوں اور مشبہ بہ ایک ہو تو ایسی تشبیہ کو تشبیہ تسویہ کہتے ہیں۔

تشبیہ ملفوف:

جب ایک ہی جگہ گی مشبہ اور مشبہ بہ اکٹھے لائے جائیں۔

تشبیہ مرسل:

وہ تشبیہ جس میں حرف تشبیہ مخدوف نہ ہو۔

تشبیہ موکد:

وہ تشبیہ جس میں حرف تشبیہ کا ذکر نہ کیا جائے۔

تشبیہ مفصل:

وہ تشبیہ جس میں وجہ تشبیہ بیان کر دی جائے۔

تشبیہ مجمل:

وہ تشبیہ جس وجہ تشبیہ کا ذکر ہو۔

تشبیہ مفروق:

جس کسی شعر میں دو سے زیادہ طرفین تشبیہ ہوں۔

تشبیہ اضمار:

جب تشبیہ چھپی ہوئی ہو۔بظاہر انکار کی صورت نظر آئے لیکن تشبیہ کا مقصد مشبہ کو مشبہ بہ سے افضل ثابت کرنا ہو۔

تشبیہ مشروط:

تشبیہ میں ندرت پیدا کرنے کے لیے کوئی شرط لگادی جاتی ہے۔

تشبیہ تمثیل:

وہ تشبیہ جس میں مشبہ بہ ضرب المثل یا کہاوت ہو۔(۳۱)

استعارہ:

استعارہ کے لغوی معنی ہیں: مستعار لینا۔ کسی لفظ کو اس کے حقیقی معنی کی بجائے مجازی معنی میں اس طرح استعمال کرنا کہ دونوں معنوں کے درمیان تشبیہ کا تعلق قائم ہو جائے،استعارہ کہلاتا ہے۔استعارہ کلام میں معنی کی وضاحت کے لیے مفید ہے۔اس بارے میں ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی یوں رقم طراز ہیں:

> "معنی کی وضاحت اور شدت کے حصول کے لیے استعارہ سے زیادہ اہم کوئی طریقہ نہیں۔ یہ محض ایک تزئینی شے نہیں بلکہ شعر کا جوہر ہے۔استعارہ کو صفائی خیال کی کلید اور معنی کا گنجینۂ طلسم کہا گیا ہے۔"(۳۲)

یعنی کسی ایک چیز کی خوبی یا صفت کو کسی دوسری چیز سے منسوب کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً کسی خوب صورت شخص کو چاند کہہ لیا جائے، کسی بزدل کو گیدڑ یا کسی عقل مند کو افلاطون وغیرہ۔"کشاف تنقیدی اصطلاحات" میں استعارہ کی وضاحت کرتے ہوئے ابوالاعجاز حفیظ صدیقی کچھ یوں بیان کرتے ہیں :

> "استعارہ کے لغوی معنی کسی سے کوئی چیز ادھار (عاریتاً) طلب کرنے کے ہیں۔علم بیان کی اصطلاح میں استعارہ سے مراد وہ لفظ ہے جو مجازی حصوں میں استعمال ہو اور اس کے حقیقی اور مجازی معنوں میں تشبیہ کا تعلق ہو۔" (۳۳)

استعارہ کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر مزمل حسین نے اپنی تصنیف "اردو میں علم بیان اور علم بدیع کے مباحث" میں کچھ یوں بیان کیا ہے:

> "استعارہ" کے لغوی معنی عاریتاً مانگنا یا عاریتاً لینا کے ہی ہیں۔ علم بیان کی اصطلاح میں استعارہ اس لفظ کو کہتے ہیں۔ جو حقیقی معنی کی بجائے غیر حقیقی یا مجازی معنی میں استعمال ہو حقیقی اور مجازی معنوں میں تشبیہ کا تعلق پایا جاتا ہے۔ یعنی لفظ کے حقیقی معنی کا لباس رعایتاً لے کر مجازی معانی کو پہنانے کا نام استعارہ ہے۔" (۳۴)

ڈاکٹر یوسف حسین اپنی کتاب "اردو غزل" میں "استعارہ" کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> "استعارے نے معنی کو چار چاند لگا دیے اور معنی کی بلندی اور خوبی نے لفظوں کے چناؤ میں شاعر کو مدد دی۔ یہی حسن ادا ہے جس نے غالب کو غالب بنایا اور اس کے شاعرانہ رتبے کو اتنا بلند کر دیا کہ اب تک وہاں کوئی نہ پہنچ سکا"۔(۳۵)

اپنی تصنیف "آسان عروض" میں ڈاکٹر محمد امین استعارہ کو مزید واضح انداز میں بیان کرتے ہوئے تشبیہ اور استعارہ کے درمیان فرق کی بھی وضاحت کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

> "استعاری عالیت سے متعلق ہے جس کے معنی ادھار لینے کے ہیں کسی لفظ کو تشبیہ کی بنیاد پر مجازی معنوں میں استعمال کرنا استعارہ کہلاتا ہے۔ استعارہ میں مشبہ کو مشبہ بہ سمجھ لیتے ہیں۔ مثلاً بہادر کو شیر سمجھ لیتے ہیں استعارہ تشبیہ میں مبالغہ کی صورت ہیں"۔(۳۶)

ارکان استعارہ

استعارہ کے تین بنیادی ارکان ہیں:

مستعار لہ:

وہ چیز جس کے لیے استعارہ ہو، اسے مستعار لہ، کہتے ہیں۔

مستعار منہ:

وہ چیز جس سے اس کی صفت مستعار لی جائے مستعار منہ، کہلاتی ہے۔

وجہ جامع:

جس وجہ سے کوئی صفت مستعار لی جائے۔اسے وجہ جامع کہتے ہیں۔(۳۷)

ہر نعتیہ قصیدہ نگار کے ہاں استعارات کا اپنا جہاں ہے، جنھیں انہوں نے اپنے اپنے انداز میں برتا ہے۔

مجاز مرسل:

مجاز مرسل سے مراد ایسا کلمہ ہے جو اپنے حقیقی معنوں کے علاوہ اور معنوں میں استعمال ہو۔اس میں جزو سے کل، کل سے جزو، سبب سے مسبب، مسبب سے سبب، ظرف سے مظروف، مظروف سے ظرف، لازم سے ملزوم اور ذکر سے صاحبِ ذکر وغیرہ مراد لیے جا سکتے ہیں۔اس سلسلے میں ابوالاعجاز صدیقی اپنی کتاب "کشاف تنقیدی اصطلاحات" میں یوں رقم طراز ہیں:

> "علمِ بیان کی اصطلاح میں جو لفظ سوائے معنی موضوع لہٗ کے، اور معنی میں استعمال ہو اور وہاں کوئی قرینہ ایسا پایا جائے جو حقیقی معنی مراد لینے سے مخاطب کو روک دے اور ان دونوں معنوں میں کوئی علاقہ سوائے علاقہ تشبیہ کے ہو، اس کو مجاز مرسل کہتے ہیں۔"(۳۸)

کنایہ:

کنایہ کے لغوی معنی "اشارہ اور رمز" کے ہیں۔ سید عابد علی عابد اپنی کتاب "البیان" میں سجاد مرزا بیگ کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

> "کنایہ لغت میں پوشیدہ بات کرنے کو کہتے ہیں اور اصطلاحِ علم بیان میں ایسے کلمے کو کہتے ہیں جس کے لازمی معنی مراد ہوں اور اگر حقیقی معنی مراد لیے جائیں تو بھی جائز ہو۔"
> (۳۹)

دوسرے لفظوں میں کنایہ میں لفظ کے معنی لازم و ملزوم دونوں مراد لیے جا سکتے ہیں۔ کنایہ موصوف کی ذات، اس کی صفت یا کسی صفت کے اثبات یا نفی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

نعتیہ قصیدہ نگاروں نے نبی مکرمؐ کی ذاتِ پاک اور صفاتِ عالیہ کے متعلق بر محل اور موزوں کنائے اختیار کیے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ کنائے حضورِ اکرمؐ کی دعوتِ فکر اور معاشرتی انقلاب کا احاطہ کرتے بھی نظر آتے ہیں۔

صنائع لفظی:

صنائع لفظی میں الفاظ کو اس مہارت سے استعمال کیا جاتا ہے کہ کلام میں صوتی حسن پیدا ہو جاتا ہے جو سننے والے پر خوش گوار اثرات مرتب کرتا ہے۔ لفظی اظہار کے اس قرینے میں نعتیہ قصیدہ نگاروں نے بڑی خوبی سے اپنی جودت طبع کا مظاہرہ کیا ہے۔ ان کے کلام میں صنائع لفظی کی جو اقسام استعمال ہوئی ہیں ان کی تفصیل پیشِ خدمت ہے۔

تجنیس:

تجنیس کے لغوی معنی ہیں: "ہم جنس ہونا"۔ علم بدیع کی اصطلاح میں دو لفظوں کا تلفظ میں مشابہ اور معنی میں مختلف ہونا، تجنیس کہلاتا ہے۔ مثلاً: کتنی بار کہا ہے کہ جانور پر اتنا بار نہ ڈالا کرو۔ اس مثال میں بار کا لفظ دو مرتبہ دو مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ پہلا لفظ "بار" تعداد کے لیے جب کہ دوسرا لفظ "بار" بوجھ کے لیے برتا گیا ہے۔ دونوں لفظ باہم ہم جنس ہیں اس لیے ان میں صنعتِ تجنیس موجود ہے۔ تجنیس کا موزوں استعمال شعر کے صوتی حسن میں اضافے کے ساتھ ساتھ ان کی معنویت پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔ نعتیہ قصائد میں تجنیس کی مختلف صورتیں وارد ہوئی ہیں جن میں اس صنعت کا عمدہ اور موزوں استعمال موجود ہے۔

تجنیسِ تام:

اس میں دو الفاظ تعداد حروف اور حرکات و سکنات کے لحاظ سے برابر ہوتے ہیں مگر معنی کے لحاظ سے ان میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

تجنیسِ محرف:

اس صنعت میں دو الفاظ تعداد حروف کے لحاظ سے برابر اور یکساں ہوتے ہیں مگر ان کی حرکات و سکنات میں تحریف پائی جاتی ہے۔

تجنیس زائد و ناقص:

اس صنعت میں ایک لفظ میں دوسرے لفظ کی نسبت ایک حرف کم یا زیادہ ہوتا ہے۔

تجنیس خطی:

اس صنعت میں دو متشابہ الفاظ میں نقاط کا فرق روا رکھا جاتا ہے۔ یعنی ایک لفظ کی نسبت دوسرے لفظ کے نقاط کی تعداد میں کمی بیشی ہو سکتی ہے۔ جیسے غرق اور عرق میں محض ایک نقطے کا فرق ہے۔ اگر انھیں بغیر نقاط کے لکھا جائے تو دونوں ہم جنس ہیں۔

مجموعی طور پر صنعت تجنیس کا خوب صورت استعمال نعتیہ قصائد گو شعرا کی فنی مہارت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ تجنیس کے استعمال سے ان کے کلام میں صوتی اور معنوی حسن پیدا ہو گیا ہے جس کی تاثیر قاری کو متاثر کیے بغیر نہیں رہتی۔

اشتقاق:

اشتقاق کے لغوی معنی "شق کرنا، چیرنا اور نکالنا" کے ہیں۔ اصطلاح میں مصدر سے اسم اور فعل بنانے کا عمل اشتقاق کہلاتا ہے۔

شبہ اشتقاق:

کلام میں دو ایسے الفاظ لانا جن کا مادۂ اشتقاق بظاہر ایک معلوم ہو مگر اصل میں دونوں الگ الگ مصادر سے مشتق ہوں، جیسے: سود اور سودا؛ خودی اور خدائی وغیرہ۔ نعتیہ قصائد میں شبہ اشتقاق کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ صنعتِ اشتقاق اور شبہ اشتقاق سے نعتیہ قصائد میں ایک دل کش آہنگ اور ترنم فروغ پاتا ہے جس کی اثر پذیری سے کسی صورت انکار ممکن نہیں۔

صنعت قلب:

صنعت قلب میں ایک لفظ کے حروف کی ترتیب بدل کر نیا لفظ اخذ کر لیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں پروفیسر نذیر احمد رقم طراز ہیں: "کلام میں دو الفاظ اس طرح کے لانا کہ ایک کی ترتیب حروف کو الٹنے سے دوسرا لفظ حاصل ہو۔"(۴۰)

نعتیہ قصائد میں اگرچہ صنعت قلب کا خاص شعوری اہتمام نظر نہیں آتا لیکن چند مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں جن میں الفاظ فطری طور پر صنعتِ قلب کے سانچے میں ڈھل گئے ہیں۔

ردالعجز علی الصدر:

علم عروض میں شعر کو کئی حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ان حصوں یاان اجزا کے باہمی تناسب سے مختلف صنعتیں سامنے آتی ہیں۔اجزائے شعر کے بارے میں مولوی نجم الغنی رام پوری رقم طراز ہیں:

> "عروضی بیت کے مصرع اول کو "صدر" اور جزوِ آخر مصرع اول کو "عروض" کہتے ہیں اور جزوِاول مصرع ثانی کو "ابتدا" اور جزوِ آخر مصرعِ ثانی کو "ضرب و عجز" بولتے ہیں اور درمیانِ بیت میں جو کچھ رہا وہ "حشو" ہے۔"(۴۱)

اصطلاح میں شعر کے مصرع ثانی کا آخر لفظ اگر مصرع اول کے صدر میں برتا جائے تو یہ صنعت ردالعجز علی الصدر کہلائے گی۔

ردالعجز علی الحشو:

اس صنعت کی تفصیل یہ ہے کہ مصرع ثانی کے عجز میں لایا جانے والا لفظ اگر حشو میں آئے تو اسے صنعتِ ردالعجز علی الحشو سے موسوم کیا جائے گا۔

ردالعجز علی العروض:

مصرعِ ثانی کا آخری لفظ اگر مصرع اول کے عروض میں لایا جائے تو یہ صنعتِ ردالعجز علی العروض ہو گی۔ یاد رہے کہ یہ صنعت غزل کی ہیت میں لکھی گئی ہر نعت کے ہر مطلعِ مردف میں موجود ہوتی ہے۔اس کے علاوہ بھی کلام میں اس کی موجودگی ممکنات میں سے ہے۔

قطار البعیر:

لفظ "بعیر" عربی اسمِ مذکر ہے جس کے معنی اونٹ کے ہیں۔یوں قطار البعیر کے معنی اونٹوں کی قطار کے ہوئے۔ اصطلاح میں مصرعِ اول کا آخری لفظ مصرعِ ثانی کے آغاز میں لایا جائے تو اسے قطار البعیر کہیں گے۔یہ صنعت شاعر سے فنی مہارت کی متقاضی ہے۔"اردو میں علم بیان اور علم بدیع" کے مباحث کے مصنف ڈاکٹر مزمل حسین صنعت قطار البعیر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"یہ صنعت ردالابتدا علی العروض کے قبیل سے ہے۔یعنی کلام میں دو متجانس الفاظ اس طرح آئیں جو لفظ پہلے مصرعہ کے آخر میں واقع ہو وہی لفظ دوسرے مصرعہ کے شروع میں لایا جائے اگر یہ ترتیب صرف ایک شعر میں ہو تو وہ قطار البعیر ہے۔"(۴۲)

نعتیہ قصیدہ نگاروں نے اس صنعت کے استعمال میں یقیناً بھرپور مہارت کا مظاہرہ کیا ہے۔اس کو لفظی قرینہ قطار البعیر بھی کہتے ہیں۔

سیاق الاعداد:

سیاق کے لفظی معنی "گنتی یا حساب" کے ہیں۔شعر میں اعداد کا ذکر کرنا صنعتِ سیاق الاعداد کہلاتا ہے ۔ڈاکٹر ہارون الرشید تبسم نے صنعت سیاق الاعداد کی تعریف کچھ ان الفاظ میں کی ہے:

"سیاقہ کے معنی روانی چلانا ہے اور اعداد، عد (گنتی) کی جمع ہے۔اگر کلام میں اعداد کا ذکر کر آئے تو اسے صنعت سیاقۃ الاعداد کہتے ہیں۔"(۴۳)

مثال میں مومن کا شعر دیکھیے:

ہیں قتلِ عام کرتے وہ اغیار کے لیے

دس بیس روز مرتے ہیں دو چار کے لیے

(مومن خان مومن)

نعتیہ قصائد میں سیاق الاعداد کا استعمال بڑے سہل انداز میں ہوا ہے۔اس صنعت کے حوالے سے ان کا قلم مومن جیسی نہایت عمدہ مثالیں تو نہیں پیش کر سکا لیکن انھیں عمدہ قرار دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

تنسیق الصفات:

اس صنعت میں کسی شخص کی صفات کا ذکر کیا جاتا ہے۔اس سلسلے میں نجم الغنی رامپوری رقم طراز ہیں:

"صنعت تنسیق الصفات یعنی کسی چیز یا کسی شخص کا ذکر صفاتِ متواترہ کے ساتھ کریں خواہ وہ صفات مدح کی ہوں یا مذمّت کی۔کیوں کہ صفت وہ چیز ہے جو کسی چیز کو ان معنی کو بیان کرے جو اس میں ہوں خواہ وہ معنی اچھے ہوں یا برے۔یہ سمجھنا نہیں چاہیے کہ صفت سے فقط خوبی ہی مراد ہوتی ہے بلکہ برائی ہو تو بھی صفت ہی کہلائے گی"۔ (۴۴)

اس صنعت کے استعمال میں نعتیہ قصیدہ نگاروں نے بھرپور طریقے سے اپنی جودتِ طبع کا مظاہرہ کیا ہے جس سے نہ صرف مضمون میں جامعیت پیدا ہو گئی ہے بلکہ کلام میں غنائیت کا عنصر بھی در آیا ہے۔

تلمیح:

تلمیح کے لغوی معنی ہیں: "اچٹتی نگاہ ڈالنا"۔ کلام میں کسی قصہ کی طرف اشارہ کرنا جس سے کوئی قرآنی یا تاریخی واقعہ تصور میں گردش کر جائے، تلمیح کہلاتا ہے۔ ابوالاعجاز حفیظ صدیقی تلمیح کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

> "زبان کے ابتدائی دور میں چھوٹے چھوٹے سادہ خیالات اور معمولی چیزوں کے بتانے کے لیے الفاظ بنائے گئے تھے۔ رفتہ رفتہ انسان نے ترقی کا قدم اور آگے بڑھایا۔ لمبے لمبے قصوں اور واقعات و حالات کی طرف خاص خاص اشارے ہونے لگے۔ جہاں وہ الفاظ زبان پر آئے وہ قصے، وہ واقعے آنکھوں کے سامنے پھر گئے، ایسا ہر اشارہ تلمیح کہلاتا ہے۔"(۴۵)

اردو نعتیہ قصائد میں جابجا تلمیح کا استعمال کلام کو پر اثر اور جاذب نظر بناتا ہے۔ تلمیح کے استعمال سے اردو قصائد میں زمان و مکاں کی قیود محو ہو جاتی ہیں۔ شعرا کرام نے مشہور تاریخی واقعات و روایات کو جس خوبصورتی سے اپنے اشعار میں سمویا ہے وہ انہی کا خاصہ ہے۔

صنعتِ تکرار:

کلام میں ایک لفظ یا چند الفاظ کو دہرانا صنعت تکرار کہلاتا ہے۔ صنعت تکرار الفاظ کلام کا حسن بھی بن سکتی ہے اور عیب بھی لیکن نعتیہ قصیدہ نگار تکرار سے کلام میں تاثیر پیدا کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔ انھوں نے تکرار لفظی کی بہت سی صورتیں اپنے نعتیہ کلام میں پیش کی ہیں۔ اس صنعت کے استعمال میں انھوں نے جس خوش سلیقگی اور خوش ذوقی کا مظاہرہ کیا ہے وہ یقیناً قابلِ داد ہے۔ ان کے ہاں یک لفظی تکرار کے مختلف انداز ملتے ہیں۔ بعض اوقات وہ الفاظ کو پے در پے کام میں نہیں لاتے بلکہ ایک لفظ پہلے لاتے ہیں اور دوسرا کئی الفاظ استعمال کرنے کے بعد استعمال میں لاتے ہیں لیکن کمال یہ ہے کہ کلام میں تکرار کی چاشنی مجروح نہیں ہونے پاتی۔ شعرا کرام نے دو لفظی اور سہ لفظی تکرار کو بھی نہایت عمدگی کے ساتھ برتا ہے کہ کلام میں بے ساختگی اور سلاست کا عنصر پیدا ہو گیا ہے۔

صنائع معنوی:

صنائع معنوی میں الفاظ کو اس خوب صورتی اور سلیقے سے برتا جاتا ہے کہ شعر کی معنوی صورت نکھر کر سامنے آجاتی ہے اور کلام میں ایک واضح تاثیر پیدا ہو جاتی ہے۔ نعتیہ قصیدہ گو شعرا کے کلام میں صنائع معنوی کا عمدہ استعمال دیکھنے میں آیا ہے جس سے ان کے کلام کے ابلاغ میں اضافہ ہوا ہے۔

صنعت تضاد:

تضاد کی صنعت کو طباق سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ مولوی نجم الغنی رامپوری نے اس کی تعریف یوں کی ہے:

> "ایسے الفاظ استعمال میں لائیں جن کے معنی آپس میں ایک دوسرے کے فی الجملہ ضد اور مقابل ہوں۔"(۴۶)

رحمت یوسف زئی صنعت تضاد کی تعریف کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:

> "اسے صنعت طباق، تکافو، مطابقت، مطابق وغیرہ بھی کہا جاتا ہے۔ اس صنعت میں ایسے الفاظ بھی استعمال کئے جاتے ہیں جو ایک دوسرے کی ضد ہوں۔ ضد دو طرح کے الفاظ میں ہو سکتی ہے۔ ایک تو وہ ہے جو دو علیحدہ علیحدہ الفاظ میں ہو، جیسے جینا اور مرنا۔ دونوں الفاظ الگ الگ مقام پر استعمال کئے جا سکتے ہیں اور مجرد بھی۔ یہ تضاد ایجابی یا طباق ایجابی ہے۔ اور دوسری قسم وہ ہے جہاں حرفِ نفی استعمال کیا جائے جیسے مرنا اور نہ مرنا۔ اسے تضاد سلبی کہتے ہیں۔ تضاد ایجابی میں حرف نفی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور طباق سلبی یا تضاد سلبی میں نفی کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ تضاد سلبی کا لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ ایک ہی مادے سے مشتق ہوتے ہیں اور حرف نفی کے ذریعے ان میں تضاد پیدا کیا جا سکتا ہے۔"(۴۷)

صنعت تضاد یا طباق کی دو قسمیں ہیں: ایک ایجابی اور دوسری سلبی۔ طباق ایجابی میں الفاظ متضاد کے ساتھ حرف نہیں آتا۔ جیسے: سونا جاگنا، زمین آسمان اور آنا جانا وغیرہ۔

طباق سلبی میں دو الفاظ ایک ہی مصدر سے مشتق ہوتے ہیں جن میں ایک لفظ منفی اور دوسرا لفظ مثبت ہوتا ہے، جیسے: کرنا، نہ کرنا، جانا، نہ جانا وغیرہ۔ نعتیہ قصائد میں تضاد کی یہ دونوں صورتیں موجود ہیں اور ان کے استعمال انھوں نے نہایت سلیقے کا مظاہرہ کیا ہے جس سے کلام کی معنوی صورت میں نکھار پیدا ہو گیا ہے۔

مراعات النظیر:

لفظ مراعات جمع ہے رعایت کی، جس کے معنی ہیں: لحاظ کرنا، پاس رکھنا وغیرہ جب کہ نظیر کے معنی مثال کے ہیں۔ کلام میں ایک لفظ کو بطور نظیر پیش کرنا اور اس کی رعایت یا مناسبت سے دیگر الفاظ استعمال میں لانا، مراعات النظیر کہلاتا ہے۔ مثال کے طور پر آسمان کی مناسبت سے چاند، ستاروں وغیرہ کا ذکر کرنا یا پھول کی نسبت سے چمن، بہار، صبا اور باغبان وغیرہ کو کام میں لانا۔

صنعت لف و نشر:

لغوی اعتبار سے لف کے معنی ہیں: "لپیٹنا" اور نشر کے معنی ہیں: "پھیلانا"۔ اس سلسلے میں مولوی نجم الغنی رام پوری رقم طراز ہیں:

> "لف سے یہ مراد ہے کہ چند چیزوں کا ذکر کیا جائے اور نشر کا یہ مطلب ہے کہ ان چیزوں کے مناسبات کو بغیر تعیین کے بیان کریں۔ بغیر تعیین کی قید اس لیے ہے کہ تعیین کی قید (صنعت) میں تقسیم ہوتی ہے۔"(۴۸)

صنعتِ جمع:

جمع کے معنی اکٹھا کرنے کے ہیں۔ صنعتِ جمع کے حوالے سے پروفیسر نذیر احمد یوں رقم طراز ہیں: "چند چیزوں کا کلام میں جمع کرنا اور پھر ان سب کے لیے ایک ہی قید یا شرط یا حکم لگانا۔"(۴۹)

صنعت جمع کے حوالے سے نعتیہ قصیدہ نگاروں نے نہایت خوش آہنگ اور مترنم اشعار تخلیق کیے ہیں جنھیں پڑھ کر واقعی دل جھوم اٹھتا ہے۔

صنعتِ تقسیم:

صنعتِ تقسیم میں کئی چیزوں کا ذکر کر کے بعد میں ان کی صفات کو منسلک کر دیا جاتا ہے۔ اس حوالے سے پروفیسر نذیر احمد رقم طراز ہیں:

> "کلام میں چند چیزوں کا ذکر کر کے ہر ایک کو ان کے منسوبات پر بقید تعیین تقسیم کرنا یا کسی شے کے احوال بیان کرنا اور ہر حال کی طرف ایک ایسی بات جو اس کے مناسب ہو مضاف کرنا۔"(۵۰)

نعتیہ قصیدہ نگاروں نے صنعتِ تقسیم کا استعمال بھی احسن انداز میں کیا ہے۔

حسنِ تعلیل:

کلام میں کسی امر کی ایسی شاعرانہ علت پیش کرنا جو اس کی اصل وجہ نہ ہو، حسنِ تعلیل کہلاتا ہے۔ مثال میں ذوق کا یہ شعر ملاحظہ فرمائیں:

زیرِ زمیں سے آئے ہے جو گل سوزر بکف

قاروں نے راستے میں لٹایا خزانہ کیا

(ذوق)

عام مشاہدے کی بات ہے کہ پھول کا درمیانی حصہ جو "پولی نیشن" کے کام آتا ہے، زرد رنگ کا ہوتا ہے۔ اس زرد رنگ کی اصل وجہ کچھ اور ہے مگر شاعر کے مطابق قارون کا خزانہ جو اس کے ساتھ زیرِ زمیں چلا گیا تھا اس کے اثر کی وجہ سے آج تک پھول اپنے ہاتھوں میں زر لے کر پیدا ہو رہے ہیں۔ یہاں شاعر نے پھولوں کی زرد رنگت کا باعث قارون کے خزانے کو قرار دیا ہے جو اس واقعے کی اصل وجہ نہیں ہے۔

اس صنعت کا ستعمال کلام میں حسن پیدا کرنے کے ساتھ اس کی تاثیر میں اضافے کا موجب بھی بنتا ہے۔ نعتیہ قصائد میں حسنِ تعلیل کی عمدہ مثالیں موجود ہیں۔

صنعت عکس:

صنعت عکس میں پیش کردہ چیزوں یا الفاظ کی ترتیب بدل دی جاتی ہے۔ اس بارے میں پروفیسر نذیر احمد لکھتے ہیں:
"کلام کے بعض اجزا کو مقدم اور موخر کر کے، پھر موخر کو مقدم اور مقدم کو موخر لانا۔" (۵۱)

اس کی مثال میں غالب کا یہ شعر پیش کیا جا سکتا ہے:

وفورِ اشک نے کاشانے کا کیا یہ رنگ

کہ ہو گئے مرے دیوار و در، در و دیوار

(غالب)

اس شعر کے مصرع ثانی میں دیوار و در کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ پہلی بار دیوار کو مقدم اور در کو مؤخر باندھا گیا ہے جب کہ دوسری بار در کو مقدم اور دیوار کو مؤخر رکھا گیا ہے۔ الفاظ کی ترتیب بدلنے کا یہ عمل صنعتِ عکس کہلاتا ہے۔

مثالیہ:

مثالیہ شاعری میں شاعر اپنی بات کو مثال کے ذریعے ثابت کرتا ہے۔ اس بارے میں ابوالاعجاز حفیظ صدیقی لکھتے ہیں:

> "مثالیہ وہ شعر ہوتا ہے جس میں کسی تجربہ کی مثال دے کر کوئی دعویٰ ثابت کیا جائے۔۔۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ شاعر ایک دعویٰ کرتا ہے اور اس کو پایۂ ثبوت تک پہنچانے کے لیے شاعرانہ تائید کی کوئی صورت پیدا کرتا ہے یعنی دعوے پر دلیل لاتا ہے۔ یہ دلیل کبھی جواز، کبھی توجیہ، کبھی تائید مثال کی صورت میں ہوتی ہے لیکن علت نہیں کیوں کہ علت ہو تو وہ حسنِ تعلیل کے دائرے کی چیز ہے۔"(۵۲)

تجاہل عارفانہ:

کسی امر کے بارے میں جانتے بوجھتے ہوئے انجان بننا یا لاعلمی کا اظہار کرنا، تجاہل عارفانہ کہلاتا ہے۔

غیر مردف:

قصیدہ چونکہ غزل کی ہیئت میں لکھا جاتا ہے، اس لیے اس کے لیے بھی قافیہ کی شرط ہے ردیف کی نہیں۔ اگرچہ ردیف کا استعمال کلام میں غنائیت، موسیقیت اور زیب و زینت کا باعث بنتا ہے مگر پابندی بہر حال پابندی ہے۔ یہ پابندی نئے مضامین اور خیالات کے اظہار کی راہ میں رکاوٹ کا باعث بنتی ہے۔ اس امر کے پیش نظر بعض شعرا نے ردیف کو نظر انداز کرتے ہوئے قافیے کی پابندی کا التزام کیا ہے اور غیر مردف نعوت تخلیق کی ہیں۔

اگرچہ ردیف کو شعر کا زیور کہا گیا ہے اس کے باوجود نعتیہ قصائد میں غیر مردف کلام موجود ہے۔ غیر مردف نعتیہ قصائد عموماً طویل مگر کثرتِ مضامین اور ندرتِ خیال سے مالا مال ہوتے ہیں۔ ردیف کی عدم موجودگی کے باوجود ان کے کلام میں غنائیت کا عنصر موجود ہے۔

اندازِ تخاطب:

نعتیہ قصائد کی ایک صفت حضور نبی کریمؐ کا ادب و احترام ہے۔ شعرائے کرام نے حتی الامکان کوشش کی ہے کہ حضور اکرمؐ کی ذات اقدس کے لیے آپ کا صیغہ استعمال کیا جائے۔ اگرچہ ضرورتِ شعری کے تقاضے اور اوزان و بحور کی بندشیں سدِراہ تھیں مگر وہ عشق نبیؐ کے سہارے یہ ساری مشکلات عبور کر گئے ہیں۔

مودبانہ لب و لہجہ:

ڈاکٹر ہارون الرشید تبسم "لہجہ" کی وضاحت کرتے ہوئے اپنی تصنیف "ادبی اصطلاحات" میں کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

> "لہجہ" ایک شعری اصطلاح ہونے کے ساتھ ساتھ روزمرہ حسن گفت گو کی پہنچان بھی ہے۔ اس کے علاوہ اظہار کے اسلوب خاص کو بھی "لہجے" کا نام دیا گیا ہے۔ کسی بھی فن پارے میں علویت کی خوبی در آتی ہے۔ تو وہ انفرادیت کی عظمت کو پہنچ جاتا ہے اور ہزاروں فن پاروں میں اپنے تخلیق کار کی شناخت بن کر ابھرتا ہے۔ عموماً شاعری میں ہر شاعر کا اپنا ایک خاص لہجہ ہوتا ہے جو اس کی پہنچان بن جاتا ہے۔ لہجے کی انفرادیت کے باعث عموماً پہچان مراد لی جاتی ہے۔"(۵۳)

اردو قصائد میں حضور اکرم ﷺ سے جو دلی محبت، عقیدت، شیفتگی و فریفتگی اور والہانہ محبت کا اظہار ملتا ہے۔ اسکی بڑی وجہ شعرا کی حضور ﷺ سے بے پناہ محبت اور بے پایاں عشق ہے اور یہ عشق ان کے لہجے کو انتہائی مؤدبانہ بنا دیتا ہے۔

منتخب قصائد کا فنی جائزہ

خالد بزمی:

خالد بزمی کا قصیدہ "سید ساداتؐ" آپ کی کتاب سید سادات ؐ میں موجود ہے۔آپ کے قصیدے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ آپ کے ہاں نعت کہنا محض شعری وظیفہ نہیں ہے بلکہ ان کا جزو ایمان ہے۔آپ کے قصیدے سے یہ احساس اجاگر ہوتا ہے جیسے آپ کو حضورؐ کی مجلس منورہ میں حاضری کا شرف حاصل ہے۔اس بلند رتبے پر دنیا کی تمام نعمتیں اور مدارج ہیچ نظر آتے ہیں۔یہ کیفیت ان کے غم کا درماں ہی نہیں، حسرت کی دوا بھی ہے، کیف اور مسرت کے اس لمحے کو حاصل کرنا خالد بزمی کی ازلی اور ابدی خواہش ہے۔فنی لحاظ سے یہ قصیدہ علم بیان وبدیع کی کئی اچھی مثالیں لیے ہوئے ہے۔

بے ساختگی، زبان وبیان کی چاشنی، شکوہ الفاظ اور غنایت:

از روز ازل چشم فلک نے نہیں دیکھا — جو آپؐ کی مانند ہو انسان کا غم خوار

اسلام کی تعلیم کا یہ فیض واثر تھا — جو کفر کے حامی تھے، ہوئے حق کے پرستار (۵۴)

عربی وفارسی تراکیب:

عربی وفارسی تراکیب کا تنوع ان کے کلام کی ایک اور خوبی ہے۔اس کی مثالیں درج ذیل ہیں:

وہ سید ساداتؐ، وہ اللہ کے دلدار! — وہ رہبر کونین، وہ دارین کے مختار

اب جو بھی کرے اپنے نبی ہونے کا دعویٰ — لاریب کہ وہ شخص ہے کذاب وریاکار (۵۵)

شبہ اشتقاق:

اس قصیدے کے آخری شعر میں انہوں نے اپنا تخلص استعمال کیا ہے۔اسی شعر میں شبہ اشتقاق کی صنعت کا استعمال بھی دیکھا جا سکتا ہے۔آپ نے ثناخواں اور ثنا ایک ہی مصدر سے نکلنے والے دو الفاظ کا استعمال کیا ہے۔اسی شعر میں شاعرانہ تعلی کا استعمال بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

پھر جس کا ثناخواں وہ خدائے ہر جہاں ہو — ہو ان کی ثنا اور یہ بزمی سا گنہگار (۵۶)

حروف ندا:

حروف ندا پکارنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ خالد بزمی حضورؐ کی نگاہ کرم کے لیے ان الفاظ کا استعمال اپنے قصیدے میں لاتے ہیں۔

ان کا در اقدس ہے ادب گاہِ محبت — اے اہل نظر! دیکھنا، ہشیار، خبر دار

وہ آج بھی بکتی ہے مدینے کی گلی میں — اے اہل جہاں! کون ہے جنت کا خریدار (۵۷)

حرف سزا و جزا:

اسی طرح حرف سزا و جزا کا بھرپور استعمال دیکھا جا سکتا ہے۔

جو ختم رسل اور شناسائے سبل ہیں — جن پر ہیں عیاں ارض و سماوات کے اسرار (۵۸)

استفہامیہ لہجہ:

استفہامیہ لہجہ میں شاعر حضورؐ کی رحمتوں کا ذکر کرتا ہے۔

اس ملک میں لہرا دیا اسلام کا پرچم — ہر سمت جہاں گرم تھا الحاد کا بازار

کیا اور ہوا اسلام کی تعلیم کا حاصل — شائستہ کردار ہوئے بربر و تاتار (۵۹)

علم بیان:

علم بیان کے حوالے سے آپ کے کلام میں تشبیہ، استعارہ، مجاز مرسل اور کنایہ چاروں کا استعمال دیکھنے میں آیا ہے۔ ان کی مثالیں ایک ساتھ پیش کی جا رہی ہیں:

تشبیہ:

وہ ذات گرامی کہ نہ جس کا کوئی ثانی — ان کا رخ ضو بار ہے یا مطلع انوار

وہ آپؐ کی تعلیم سے انسان بنے تھے — جو لوگ تھے چیتوں کی طرح ظالم و خونخوار (۶۰)

استعارہ:

وہ کس نے غلاموں کو غلامی سے چھڑایا — وہ کس کی عنایت سے غلام آج ہیں احرار (۶۱)

کنایہ:

وہ بنت نبیؐ ہو کہ کسی اور کی بیٹی — دونوں کے لیے ایک مساوات کا معیار (۶۲)

مجاز مرسل:

یہ اب بھی شفاخانۂ طیبہ کا شرف ہے — ہوتے ہیں شفایاب سب اخلاق کے بیمار (۶۳)

صنائع لفظی:

صنائع لفظی میں تجنیس، شبہ اشتقاق، سیاق الاعداد اور ردالعجز علی الصدر کا استعمال محدود پیمانے پر ہوا ہے۔ اس کی مثالیں درج ذیل ہیں:

صنعت ردالعجز علی الصدر:

مظلوم کے ناصر ہیں وہ مجبور کے حامی — بے یار و مددگار کے وہ یار و مددگار

منظر یہ حنین اور احد میں نظر آیا! — وہ ایک طرف، ایک طرف لشکرِ کفار

آپ آئے تو ہر سمت تھی اصنام پرستی — آپ آئے تو ہر سمت جہالت کا تھا پرچار

آپ آئے تو دنیا سے مٹی شب کی سیاہی — آپ آئے تو ہر سمت ملے صبح کے آثار (۶۴)

صنعت تجنیس:

چوری جو کرے ہاتھ یہاں اس کا کٹے گا — مفلس ہو کہ زردار، وہ خادم ہو کہ سردار

اس رہبر اسلام کے فیض اور کرم سے — اس دہر میں ہر قوم کی گردن ہے نگونسار

ہاں آپؐ کے اخلاق نے وہ کام کیا ہے — جو کافر و بے دین تھے، وہ عابد و دیں دار (۶۵)

صنعت سیاق الاعداد:

اس دور میں اسلام کے جتنے بھی ہیں دشمن — ایک ایک سے بڑھ کر ہے دغاباز و ریاکار (۶۶)

صنعت تلمیح:

صنعت تلمیح کا جاندار استعمال اس قصیدے میں دیکھنے میں آیا ہے۔ چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

وہ جن کے غلاموں کے غلاموں میں ہیں شامل — قیصر ہو وہ کسریٰ ہو، فریدوں ہو کہ قاچار

ہر بزم کی رونق ہے فقط آپؐ کے باعث — وہ طور کے جلوے ہوں کہ یا مصر کا بازار

کیا اور ہو اسلام کی تعلیم کا حاصل — شائستہ کردار ہوئے بربر و تاتار

وہ نائلہ ہو، لات ہو، عزیٰ ہو، ہبل ہو — پتھر کے صنم سہ نہ سکے آپؐ کا اک وار (٦٧)

صنعت تکرار:

خالد بزمی نے صنعت تکرار کا خوب استعمال کیا ہے۔ چند مثالیں دیکھیں:

جس دین نے انسان کو انسان بنایا — لوگوں میں کرتے ہیں اسی دین کا پرچار (٦٨)

صنائع معنوی:

صنائع معنوی میں خالد بزمی کے ہاں کئی صنعتوں کا بھرپور استعمال نظر آتا ہے۔ چند ایک مثالیں درج ذیل ہیں:

صنعت تضاد:

آئے گا نہ انؐ سا کوئی انسان کا ہمدرد — اپنوں کے وہ مونس تو پرایوں کے وہ غم خوار

اس محفل آفاق کی تاریخ ہے شاہد — جاری ہے ازل سے حق و باطل میں یہ پیکار (٦٩)

صنعت مراعات النظیر:

اللہ کے بھیجے ہوئے وہ ایک نبیؐ ہیں — وہ شاعر و کاہن ہیں نہ ساحر، نہ فسوں کار

وہ حضرت عیسیٰؑ کی دل افروز بشارت — نبیوں کے امام اور رسولوں کے وہ سردار

اس بزم میں پھیلی ہے یہ سب آپؐ کی خوشبو — اس گلشن ہستی میں ہے سب آپؐ کی مہکار (٧٠)

صنعت لف و نشر:

قائم ہے زمانے میں فقط آپؐ کے دم سے — یہ زینت ہستی، یہ ضیائے در و دیوار (٧١)

فنی جائزہ کے بعد یہ نتیجہ یقینی طور پر اخذ کیا جا سکتا ہے کہ خالد بزمی کا یہ غیر مردف قصیدہ فنی لحاظ سے ایک جاندار قصیدہ ہے۔ ان کا لہجہ التجائیہ ہے اور فکر مندی کے عناصر واضح نظر آتے ہیں۔ اپنی بے چارگی اور بے بسی کا ذکر کھل کر کرتے

ہیں۔ سیرۃ طیبہ اور کمالات نبویہؐ کے اظہار میں جذبہ متموج ہے لیکن اس جذبے کے پس پشت بھی دیدار کی تمنا بھی نمایاں نظر آتی ہے۔

رفیع الدین ذکی قریشی:

رفیع الدین ذکی حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی ذات و صفات کے فدائی ہیں اور انہیں پر نظر جمائے ہوئے اپنے قصیدے میں یوں رواں دواں ہیں کہ دنیا کی دلفریبی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے۔ ان کی نعت کا سب سے بڑا موضوع دربار رسالتؐ میں حاضری اور حضوری کی حسرت ہے۔ اسی ایک محرک سے ان کے ہاں زبان و بیان کی خوبیاں در آتی ہیں۔ ذیل میں ان کے نعتیہ قصیدے کا فنی جائزہ لیا جاتا ہے۔

زبان و بیان کی چاشنی:

رفیع الدین ذکی قریشی کا نعتیہ قصیدہ جہاں محبت و عقیدت کا گلدستہ ہے وہیں پر زبان و بیان کی چاشنی بھی لیے ہوئے ہے۔ ذیل کے شعر میں زبان و بیان کی چاشنی محسوس کی جاسکتی ہے۔

آپؐ کی سیرت ہے میرے چشم و دل کی روشنی　　آپؐ کا اسوہ ہے میرا رہنما و راہبر (۷۲)

بے ساختگی:

آورد کے تحت کہے گئے اشعار عموماً بے ساختگی سے محروم ہوتے ہیں۔ ذکی صاحب کے ہاں موجود بے ساختگی ان کی آمد کا پتہ دیتی ہے۔

آپؐ ہی کی یاد ہر حالت میں ہے میری رفیق　　آپؐ ہی کا نام ہے ہر حال میں میری سپر (۷۳)

چستی بندش:

رفیع الدین اپنے قصیدے میں ایسی بندشیں لاتے ہیں جو مصرعے کے مفہوم میں بنیادی اہمیت کی حامل ہوتی ہیں۔ ذیل کی مثال دیکھیں:

آنکھ میں اشک عقیدت دل میں سوز آرزو　　جا رہا ہوں سوئے طیبہ لے کے یہ زادِ سفر (۷۴)

تراکیب کا تنوع:

رفیع الدین ذکی قریشی اپنے قصیدے میں متنوع تراکیب استعمال کرتے ہیں: مدح سرکارِ دوعالم، خیر الوریٰؐ، مقصد تخلیق، نویدِ انقلاب، نظامِ جبر، خلاقِ جہاں، انصرامِ دوجہاں، پست وفراز وخشک وتر، شانِ رسالتؐ، ردالشمس، شق القمر، چشمِ غنی، مالِ دنیا، جاہ وحشمت، تاج وتخت وسیم وزر، شاہانِ ذی حشمت، ادراکِ بشر، شفیع المذنبینؐ، سرورؐ وخیر البشرؐ، اشکِ عقیدت، سوزِ آرزو، زادِ سفر، شہِ کون ومکاں، چشم ودل، رہنما ورہبر، بحرِ حیرت، اے حبیب کبریاؐ، چشمِ الطاف وکرم، ذوق و شوقِ آرزو، تب وتابِ جگر، گردِ راہ، پرچمِ فتح وظفر، جذبۂ بدر وحنین، دنِ بارِ دگر۔

شکوہ الفاظ:

ذکی صاحب اپنے قصیدے میں ان مسائل کو سامنے لاتے ہیں، جن کا آج کی مسلم دنیا کو سامنا ہے۔ اس لحاظ سے آپ کے ہاں الفاظ وتراکیب کا چناؤ بھی برمحل ہے۔ ذیل کے اشعار دیکھیں:

چین سے اسپین تک جاتے تھے جن کے کارواں — رہ گئی ہے بن کے وہ ملت اب اک گردِ سفر

کوئی امریکہ کا ہے محتاج کوئی روس کا — سب ہلاتے پھر رہے ہیں غیر کی زنجیرِ در

آج اسرائیل سی چیونٹی ڈراتی ہے انہیں — بھول بیٹھے ہیں مسلماں تیر ادرسِ لاتذر (۷۵)

غنایت:

رفیع الدین کے قصیدے میں غنایت کے عنصر کا ذیل کے اشعار سے جائزہ لیا جاسکتا ہے:

ہر عبادت ان کی، بن کر اک نمائش رہ گئی — سجدے ہیں بے روح ان کے اور دعائیں بے اثر

آپؐ کے اخلاقِ احسن کا زمانہ معترف — آپؐ کے ہیں مدح خواں اہل بصیرت دیدہ ور (۷۶)

تخلص کا استعمال:

قصیدے کے آخری شعر میں اپنا تخلص استعمال کرتے ہوئے حضورؐ کی بارگاہ میں مناجات کر رہے ہیں:

لے کے آیا ہے ذکی جو التجا دربار میں — رحمۃ للعالمینؐ! وا اس پہ ہو بابِ اثر (۷۷)

حروف کا استعمال:

آپ کے ہاں حروف ندا اور حروف تمنا کا بر محل استعمال موجود ہے۔

یا شفیع المذنبینؐ یا سرورؐ و خیر البشرؐ　　مجھ سے عصیاں کار پر بھی ہو عنایت کی نظر

اے حبیبِ کبریا! اے سبز گنبد کے مکیں　　چشمِ الطاف و کرم ہو میرے پاکستان پر

کاش! چودہ سو برس پیچھے پلٹ جائے یہ قوم　　آپ کی تعلیم ہو ان کے دلوں پر کار گر (۷۸)

القابات:

متنوع القابات کا استعمال نبی رحمتؐ کے لیے شاعر کی محبت و عقیدت کو ظاہر کرتا ہے۔

یا شفیع المذنبینؐ یا سرورؐ و خیر البشرؐ　　مجھ سے عصیاں کار پر بھی ہو عنایت کی نظر

اے حبیبِ کبریا! اے سبز گنبد کے مکیں　　چشمِ الطاف و کرم ہو میرے پاکستان پر (۷۹)

شاعرانہ تعلی:

نعتیہ قصائد میں شاعرانہ تعلی ایک مختلف روپ میں نظر آتی ہے۔ شاعر اپنی بڑائی کرنے کے بجائے حضورؐ کی بارگاہ اقدس میں عجز و انکساری کا اظہار کرتا ہے۔ جیسے ذیل کی مثال میں شاعر خود کو حضورؐ کی نعت کے لیے خود کو بے ہنر قرار دے رہا ہے۔

بحرِ حیرت میں ہوں سرگشتہ، لکھوں تو کیا لکھوں　　آپؐ کی نعتِ پاک اور مجھ سا بے ہنر! (۸۰)

محاورات:

درج ذیل پہلے شعر میں محاورہ خیرہ کرنا، حیران کر دینا کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ دوسرے شعر میں زیر و زبر کرنا تباہ و برباد کرنے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

کارنامے اپنے آبا کے نہیں اب ان کو یاد　　مغربی تہذیب خیرہ کر گئی ان کی نظر

آپؐ کی آمد تھی گویا اک نویدِ انقلاب　　کر دیا جس نے نظامِ جبر کو زیر و زبر (۸۱)

علم بیان:

تشبیہ، استعارے، مجاز مرسل اور کنایہ کی مثالیں ذیل میں دی جاتی ہیں:

تشبیہ:

شاعر نے آپؐ کی آمد کو نویدِ انقلاب سے تشبیہ دی ہے۔

آپؐ کی آمد تھی گویا اک نویدِ انقلاب　　کر دیا جس نے نظامِ جبر کو زیر و زبر (۸۲)

استعارہ:

قصیدے کا پہلا شعر ایک خوبصورت استعارے "نکہت کے در" پر مشتمل ہے۔

کھل گئے ہیں میرے فکر و ذہن میں نکہت کے در　　مدحِ سرکارِؐ دو عالم آج ہے پیشِ نظر (۸۳)

مجاز مرسل:

مجاز مرسل کی درج ذیل مثالیں دیکھیں:

آپؐ نے ادنٰے غلاموں کو عطا کی سروری　　آپؐ کے در پر جھکے شاہانِ ذی حشمت کے سر

آپؐ کے در سے ملی مجھ کو نویدِ زندگی　　آپؐ ہیں میرے مسیحا آپؐ میرے چارہ گر (۸۴)

کنایہ:

شاعر کنایے کے انداز میں یہ حسرت بیان کرتے ہیں کہ وہ باقی ماندہ زندگی حضورؐ کی خوشنودی حاصل کرتے، دین کی سربلندی کے لیے وقف کرنا چاہتے ہیں۔

ہے یہی حسرت مرے دل میں شہ کونؐ و مکاں　　آپؐ کے قدموں میں باقی عمر ہو میری بسر (۸۵)

صنائع لفظی

صنعت تجنیس:

ذیل کے پہلے شعر میں "سر بسر" اور دوسرے شعر میں "تب و تاب" تجنیس زائد و ناقص کے حامل ہیں۔ اسی طرح "ذوق و شوق" بھی تجنیس کی مثال ہے۔

ایک محشر تھا بپا خیر الوریٰ سے پیشتر　　زندگی تھی بس خسارہ ہی خسارہ سر بسر

ذوق و شوقِ آرزو کی آگ ٹھنڈی پڑ گئی　　سوزِ دل باقی نہ اب ان میں تب و تابِ جگر (۸۶)

صنعت اشتقاق:

ذیل میں مسلم اور اسلام کا مادہ اشتقاق ہے۔

نام کے مسلم مگر اسلام سے ہیں بے خبر　　آنکھ بھر آتی ہے اہل دیں کی حالت دیکھ کر (۸۷)

صنعت تلمیح:

شاعر شانِ رسالت ؐ کی نشانیوں کے طور پر دو تلمیحات رد الشمس اور شق القمر کا ذکر یوں کرتے ہیں:

آپ ؐ کی شانِ رسالت کے ہیں دو روشن نشاں　　ہو وہ رد الشمس کا اعجاز یا شق القمر (۸۸)

صنعت تکرار:

حضور ؐ کی آمد سے قبل دنیا مکمل طور پر خسارے میں تھی۔ خسارے کے مفہوم پر تاکید کے لیے شاعر صنعت تکرار استعمال کرتے ہیں:

ایک محشر تھا بپا خیر الوریٰ سے پیشتر　　زندگی تھی بس خسارہ ہی خسارہ سر بسر (۸۹)

صنائع معنوی:

صنائع معنوی میں شاعر صنعت تضاد، صنعت لف و نشر اور مثالیہ استعمال کرتے ہیں۔ جس کی تفصیل ذیل میں دی جاتی ہے۔

صنعت تضاد:

ذیل کے پہلے شعر میں آدمیت اور شیطنت اور سرنگوں اور سرفراز صنعت تضاد کے حامل ہیں۔ دوسرے شعر میں زیر و زبر کے ذریعے صنعت تضاد استعمال کی گئی ہے۔ تیسرے شعر میں رفیع الدین ذکی نے پست و فراز اور خشک و تر کے ذریعے صنعت تضاد کو استعمال کیا ہے۔

آدمیت سرنگوں تھی شیطنت تھی سرفراز　　مقصد تخلیق سے تھا ابنِ آدم بے خبر

آپ ؐ کی آمد تھی گویا اک نویدِ انقلاب　　کر دیا جس نے نظامِ جبر کو زیر و زبر

آپؐ کو بخشا خدا نے انصرام دو جہاں　　آپؐ کے زیر نگیں پست و فراز و خشک و تر (۹۰)

صنعت لف و نشر:

انسان دنیا میں کئی ایک اشیاء کی چاہت رکھتا ہے۔ ذکی صاحب حضورؐ کے اخلاق حسنہ کی صفات میں سے ایک صفت یعنی آپؐ کی نظر میں دنیا کی کسی شے کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ اسی مناسبت سے دنیا میں اہمیت کی حامل اشیاء کا ذکر کرتے ہیں۔

آپؐ کی چشمِ غنی میں ہیچ تھی ہر ایک شے　　مالِ دنیا، جاہ و حشمت، تاج و تخت و سیم و زر (۹۱)

صنعت مثالیہ:

ذیل کے اشعار مثالیہ کی صنعت لیے ہوئے ہیں۔ پہلے شعر کے پہلے مصرعے میں ذکی صاحب حضورؐ کی صورت کو خلاق جہاں کا شاہکار قرار دیتے ہیں اور دوسرے مصرعے میں آپؐ کی سیرت کو دنیا میں سب سے معتبر قرار دیتے ہیں۔ دوسرے شعر میں شاعر حضورؐ کا رتبہ ادراک بشر سے ماورا قرار دے کر آپؐ کو خدا کے بعد کائنات میں افضل ترین ذات قرار دیتے ہیں۔

آپؐ کی صورت ہے خلاق جہاں کا شاہکار　　آپؐ کی سیرت ہے دنیا بھر میں سب سے معتبر

آپؐ کا رتبہ ہے ادراکِ بشر سے ماورا　　آپؐ ہیں افضل خدا کے بعد قصہ مختصر (۹۲)

سرو سہارن پوری:

سرو سہارن پوری نے اپنے قصیدے میں وہ پیرایہ منتخب کیا ہے جس سے آپ اپنے اسلاف، اپنی ملی اور لسانی روایات کی زندہ علامت بن کر ابھرے ہیں۔ ان کے ہاں زبان و بیان کی دسترس کا یہ عالم ہے کہ ایک عام قاری کسی ابہام کے بغیر پوری بات آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ انہوں نے اپنے نعتیہ قصیدے میں پیغام رسانی کے فرض کو اس فن کاری اور خوش اسلوبی سے ادا کیا ہے کہ نعت کا حسن بھی مجروح نہیں ہوا اور پیغام نے پروپیگنڈے کی صورت بھی اختیار نہیں کی۔ ان کے یہاں تشبیہات و استعارات کا سارا وفور چمن و دمن کے گل و شبنم سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ ایک غیر مردف قصیدہ ہے اور اس کے آخر کے دو اشعار میں تخلص استعمال ہوا ہے۔ فنی جائزہ کے تحت ذیل میں علم بیان و بدیع کی خوبیوں کا جائزہ لیا جاتا ہے:

زبان و بیان کی چاشنی:

زبان و بیان کی چاشنی کا اندازہ درج ذیل شعر سے کیا جا سکتا ہے جہاں پہلے مصرعے میں سرو صاحب شبنم کے لیے کہکشاں کا استعارہ استعمال کرتے ہیں تو اسی شبنم کے لیے دوسرے مصرعے میں انوار کے دریا کی تشبیہ لے کر آتے ہیں۔

پتوں پہ کہیں کاہکشاں ٹھہر گئی ہے　　شبنم کے یہ قطرے ہیں کہ انوار کا دریا(۹۳)

بے ساختگی:

سرو سہارن پوری کے قصیدے میں بے ساختگی کا اندازہ درج ذیل شعر سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

اب کس سے ہو ماحول کی ظلمت کا تدارک　　اب تیرے سوا کون یہ ناسور بھرے گا(۹۴)

چستی بندش:

چستی بندش کی خوبی بھی اس قصیدے میں پائی جاتی ہے۔اس سلسلے میں آپ افعال، امدادی افعال، اسماء اور حروف کو بطور قافیہ استعمال کرتے ہیں۔ذیل کی مثال دیکھیے:

اب عام ہیں ہنگامے یہاں نسل و وطن کے　　ٹکڑوں میں بٹی جاتی ہے یہ ملت بیضا(۹۵)

عربی و فارسی اثرات:

ذیل کے پہلے شعر میں آپ نے فارسی ترکیب 'من و تو' اور دوسرے شعر میں عربی الفاظ الحمد اور والناس کو شعر میں بخوبی استعمال کیا ہے۔

بیٹھے ہیں یہاں شاہ و گدا ایک ہی صف میں　　احساسِ من و تو ترے دربار میں عنقا

گو آج بھی الحمد سے تا آیۂ والناس　　قرآن کا ہر لفظ ہے اذہان پہ کندہ(۹۶)

ہندی الفاظ:

تڑکا ہندی کا لفظ ہے اگرچہ یہ اردو میں بھی مستعمل ہے۔آپ نے درج ذیل شعر میں اسے بطور قافیہ استعمال کیا ہے۔

آنکھیں ہیں کہ جھیلوں میں ہیں اترے ہوئے خورشید　　ماتھا ہے کہ انگڑائیاں لیتا ہوا تڑکا(۹۷)

تخلص کا استعمال:

شاعر نے مناجات کے ضمن میں آخری دو اشعار میں اپنا تخلص سرو استعمال کیا ہے۔

کیا پیش کروں سرو حضورِ شہؐ بطحا　　اک شاعرِ نادار و تہی دست ہوں مولاؐ

فیضِ نظرت دولت بیداریٔ قلبم　　نذرانہ ہمیں سرو سوئے خواجۂ بطحا(۹۸)

حروف کا استعمال:

ذیل کے شعر میں سرو سہارن پوری نے 'ہاں' کو استفہامیہ لہجے میں استعمال کیا ہے۔

ہاں آج تو تاثیر میں صرصر ہے صبا رنگ　　اور آب رواں روپ میں چشمک زنِ صہبا(۹۹)

حروف سزا و جزا:

محاکات کی خوبیوں سے مزین درج ذیل مثال حرف سزا و جزا کے استعمال کے لیے ایک مثال پیش کی جاسکتی ہے کہ 'وہ' اور 'جس' کو شاعر نے بخوبی اپنے شعر میں کھپایا ہے اور اس سے مراد حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی ذات مراد لی ہے۔

قربان کہ آتا ہے وہ اللہ کا محبوب　　عرفان نما جس کا ہر اک نقش کف پا(۱۰۰)

القابات:

ذیل کی مثالوں میں پہلے شعر میں شاعر حضورؐ کے لیے 'اے رحمت عالمؐ' اور دوسرے شعر میں 'اے بعدِ خدا محترم وارفع واعلیٰ' کا لقب استعمال کرتا ہے۔

کیا کہیے کہ غیروں کی زبانوں سے سنا ہے　　اے رحمت عالمؐ، ترے انعام کا چرچا

بو بکرؓ و عمرؓ، حیدرؓ و عثمانؓ ترے غلام　　اے بعدِ خدا محترم وارفع واعلیٰ(۱۰۱)

علامت نگاری:

علامت نگاری کے حوالے سے ذیل کا شعر ایک اچھی مثال ہے جہاں پہلے مصرعے میں شاعر شق قمر کے معجزے کو علامت کے ذریعے ظاہر کرتا ہے تو دوسرے مصرعے میں خورشید کا پلٹنا حضورؐ کی رحمتہ للعالمینی کی علامت ہے۔

انگشت شہادت پہ تصدق تری مہتاب　　خورشید جہاں تاب ترے واسطے پلٹا(۱۰۲)

محاکات نگاری:

درج ذیل دو اشعار سے قصیدے میں محاکات نگاری کی خصوصیت واضح ہوتی ہے۔ پہلے شعر میں بجھتی ہوئی شمعیں ایک متحرک منظر ہے تو دوسرے شعر میں جگنو، اختر اور شعلہ مسلسل روشنی دینے والے ہیں۔

ہنستی ہوئی پلکوں پہ شہابوں کا سماں ہے　　بجھتی ہوئی شمعیں ہیں نشاں قرب سحر کا

ماحول پہ اک ظلمتِ شب گیر ہے طاری　　اب ذہن میں جگنو ہے، نہ اختر ہے نہ شعلہ(۱۰۳)

استفہامیہ لہجہ:

استفہامیہ لہجہ درج ذیل دو اشعار سے واضح ہوتا ہے جہاں پہلے مصرعے میں تجسس پیدا کیا جاتا ہے اور دوسرے مصرعے میں اس کا جواب عطا کر دیا جاتا ہے۔

انسانوں کے دل اس کے لیے موم نہ کیوں ہوں　　جس ذات کی تصدیق میں پتھر ہوئے گویا

ہے آج عبادات کی پڑتال ضروری　　اب عقل کی معیار ہے احکام خدا کا(۱۰۴)

محاورات:

درج ذیل میں اشعار میں محاورات کا استعمال دیکھا جا سکتا ہے۔ پہلے شعر میں 'شرمندہ تعبیر ہونا' سے مراد 'پورا ہونا، حقیقت کے روپ میں ظاہر ہونا' جبکہ دوسرے شعر میں 'کنگن پہننا' سے مراد 'مطیع ہونا، اطاعت قبول کرنا' ہے۔

ظاہر ہوئی وہ آہ براہیم کی تاثیر　　شرمندہ تعبیر ہوا خواب تزکی

ان ہاتھوں نے پہنے ترے دربار میں کنگن　　جو ہاتھ تھے ماضی میں ترے خون کے جویا(۱۰۵)

علم بیان:

تشبیہ:

درج ذیل شعر کے پہلے مصرعے میں آنکھوں کو جھیلوں میں اترے ہوئے خورشید سے تشبیہ دی گئی ہے اور دوسرے مصرعے میں ماتھے کو صبح کے روشن منظر سے تشبیہ دی گئی ہے۔

آنکھیں ہیں کہ جھیلوں میں ہیں اترے ہوئے خورشید　　ماتھا ہے کہ انگڑائیاں لیتا ہوا تڑکا(۱۰۶)

استعارہ:

ذیل کے شعر میں رات کا منہ ڈھانپنا اور رات کا اترا ہوا چہرہ استعارے ہیں۔

منہ ڈھانپے ہوئے جاتی ہے تاروں کی ردا سے　　دیکھے تو کوئی رات کا اترا ہوا چہرا(۱۰۷)

مجاز مرسل:

درج ذیل اشعار میں مجاز مرسل کی ایک قسم یعنی 'جزو بول کر کل مراد لینا' کا ماہرانہ استعمال دیکھا جا سکتا ہے۔

تاریخ ترے ناخنِ ادراک کی قائل　　تعمیر حرم ہے تری تدبیر کا صدقا

جن ہاتھوں نے کانٹے تری راہوں میں بچھائے　　پایا ہے انہوں نے بھی ترے لطف سے حصہ (۱۰۸)

کنایہ:

درج ذیل شعر میں کنائے کے پیرایہ میں حضورؐ کی رحمت و شفقت کا ذکر کیا گیا ہے۔

ہر سانس میں اب پھولوں کی بو باس بسی ہے　　ہے طبلۂ عطار ہر اک آنکھ کا جھونکا(۱۰۹)

صنائع لفظی:

صنعت تجنیس:

درج ذیل مثال میں ایک ہی جنس کے دو الفاظ 'آزار' اور 'آزار دہی' استعمال کیے گئے ہیں۔

آزار ہے ہر ذہن کو آزار دہی کا　　اب وحشت جذبات سے مغلوب ہے دنیا(۱۱۰)

صنعت شبہ اشتقاق:

درج ذیل کے اشعار میں 'صائم اور صوم'، 'منصف اور انصاف' اور 'مہ و مہر' کے ذریعے صنعت شبہ اشتقاق کا استعمال کیا گیا ہے۔

صائم ہیں مگر صوم کی وہ روح نہیں ہے　　پر خور شکم، منہ پر برستا ہوا فاقہ

منصف ہیں اب انصاف کے احساس سے محروم　　عالم ہیں مگر علم کی حکمت سے معرا

اک صبح یقیں تیری نگاہوں سے عبارت　　تنویر مہ و مہر ترا نقش کف پا(۱۱۱)

صنعت قلب:

درج ذیل شعر میں صنعت قلب کا استعمال دیکھا جا سکتا ہے جہاں شاعر نے حروف کے ردبدل سے حاصل ہونے والے الفاظ 'علم اور عمل' استعمال کیے ہیں۔

ہر حسنِ عمل تیرے غلاموں کی وراثت　　ہر علم ترے حاشیہ برداروں کا حصہ (۱۱۲)

صنعت تلمیح:

ذیل کے اشعار میں نوید بن مریمؑ، سلیماںؑ، لات و ہبل، فیضی اور بو فضل تلمیحات ہیں۔

قالب میں ڈھلی آج نوید بن مریمؑ — جاگا ہے وہ سویا ہوا دنیا کا نصیبا

چہرے کی یہ رنگت ہے کہ تنویر شفق کی — یہ قد ہے کہ مطلع ہے سلیماںؑ کی غزل کا

ہیں تجھ سے زمیں بوس علم لات و ہبل کے — خائف ہیں ترے نام سے قیصر و کہ کسریٰ

فریاد کہ یہ فیضی و بو فضل کے پیرو — بیٹھے ہیں بدلنے کے لیے دین کا ڈھانچا(۱۱۳)

صنعت تکرار:

سرو سہارن پوری اپنے قصیدے میں صنعت تکرار کو اس خوبی سے استعمال کرتے ہیں کہ شعر کا حسن مجروح نہیں ہوتا بلکہ اس کے اندر معنی کی رنگینی اور غنایت کا عنصر غالب آجاتا ہے۔ دی گئی مثالوں میں، پہلے شعر میں رنگ کا تکرار پایا جاتا ہے۔ دوسرے شعر میں حال کو دو بار استعمال کیا گیا ہے۔ تیسری مثال کے پہلے مصرعے میں صبح کا تکرار جب کہ دوسرے مصرعے میں نور کا تکرار پایا جاتا ہے۔ چوتھی مثال میں افق اور سونا کے ذریعے صنعت تکرار کو استعمال کیا گیا ہے۔ پانچویں مثال میں لفظ انسان کا تکرار دیکھا جا سکتا ہے۔

وہ رنگ کہ جچتا نہیں آنکھوں میں کوئی رنگ — وہ حسن کہ شرمندہ ہوا جلوۂ سینا

وہ حال کہ جس حال کی تفصیل بھی اجمال — وہ کیف کہ گم ناطقہ اعجازِ بیاں کا

وہ صبح کہ کونین کی ہر صبح پہ بھاری — وہ نور کہ ہر نور سے ہے ارفع و اعلیٰ

کیا خوب ہے افلاس کی تطہیر کا عالم — بکھرا ہے افق تا بہ افق سونا ہی سونا

ماحول کے رستے ہوئے ناسور بھرے ہیں — انسان کو انساں کی غلامی سے چھڑایا(۱۱۴)

صنعت ردالعجز علی الصدر:

ذیل کے شعر میں مصرعہ اول کے صدر میں 'بیدار ہو' کی ترکیب کو دہرایا گیا ہے۔

بیدار ہو بیدار ہو اے روح اخوت — خوش باش کہ آتا ہے وہ صدر شک مسیحا

ٹھکرائے ہوئے لوگوں کو اپنایا ہے تو نے — دنیا میں دیا تو نے غلاموں کو سہارا(۱۱۵)

صنائع معنوی:

صنعت تضاد:

اس قصیدے میں صنعت تضاد کا استعمال بھی اچھے انداز سے کیا گیا ہے۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

چرچا ہے ترے نام کا مشرق ہو کہ مغرب — اڑتا ہے سر عرش بریں تیرا پھریرا

خدام ترے در کی گدائی ہو کہ شاہی — ہر رنگ میں بے داغ، ہر اک حال میں یکتا

یہ معتکف وقت ہیں شیطان سے بڑھ کر — اب کذب کے پیکر ہیں صداقت کے آئمہ (۱۱۶)

اوپر دیے گئے پہلے شعر میں مشرق اور مغرب، گدائی اور شاہی، کذب اور صداقت متضاد تراکیب ہیں۔

صنعت مراعات النظیر:

نیچے دیے گئے شعر میں گلشن کو صحرا سے مماثل کیا گیا ہے۔ اس کی وضاحت کے لیے گلشن کے متعلقات مثلاً پتے، کلیاں، غنچے اور سبزا کا ذکر کیا گیا ہے جن کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے شاعر گلشن کو صحرا کے مماثل قرار دے رہا ہے۔

گلشن میں سمٹ آئے ہیں صحراؤں کے انداز — پتے ہیں، نہ کلیاں ہیں، نہ غنچے ہیں نہ سبزا (۱۱۷)

صنعت لف و نشر:

ذیل کے شعر میں، پہلے شاہ و گدا کا ذکر کر کے نشر کیا گیا پھر ایک ہی صف کا ذکر کر کے ان کو لف کر دیا گیا۔ اسی طرح دوسرے مصرعے میں دربار نے لف کیا تو احساس نے من و تو میں نشر کر دیا۔

بیٹھے ہیں یہاں شاہ و گدا ایک ہی صف میں — احساسِ من و تو ترے دربار میں عنقا (۱۱۸)

صنعت مثالیہ:

درج ذیل کے شعر میں مثالیہ کا استعمال دیکھا جا سکتا ہے جہاں شاعر نے صبح یقیں کو حضورؐ کی نگاہوں سے عبارت ہونا ثابت کرنے کے لیے' تنویر مہ و مہر' پر حضورؐ کے قدم مبارک کی مثال پیش کی ہے۔

اک صبح یقیں تیری نگاہوں سے عبارت — تنویر مہ و مہر ترا نقش کف پا (۱۱۹)

انداز تخاطب:

نعت کے لازمی جزو میں سے ایک حضور نبی کریمؐ کے لیے ادب واحترام ہے۔ شعرائے کرام کوشش کرتے ہیں کہ نعت میں حضورؐ کے لیے آپ کا صیغہ استعمال کیا جائے۔ سرو سہارن پوری کے ہاں یہ کوشش نظر نہیں آتی بلکہ شاعر نے جابجا 'تو' اور 'تیرا' اور 'تیرے' کے صیغے استعمال کیے ہیں۔

سرو سہارن پوری کے اسلوب کو مجموعی طور پر محاکاتی اسلوب کہا جاسکتا ہے۔ یعنی آپ کے قصیدے کے ابتدائی اشعار میں منظر نگاری واضح طور پر دیکھی جاسکتی ہے۔ آپ نے نعت کے ضمن میں کئی ایسے اشعار کہے ہیں جن میں کسی منظر کی تصویر پیش کی گئی ہے یا کسی طرح کی حرکت دکھائی گئی ہے۔ یہ محاکاتی رنگ جسے بکثرت استعمال کیا گیا ہے، بڑے فنی کمال کا مظہر ہے۔

علیم ناصری:

علیم ناصری نے جو زبان استعمال کی ہے وہ نہ تو بہت پر شکوہ ہے کہ قارئین کے دل دہلا دے اور نہ ہی ایک خاص خطِ اعتدال کی معیاریت سے پست ہے کہ صحافت کی زبان معلوم ہو۔ ان کے ہاں زبان وبیان کا ایک خاص اسلوب پایا جاتا ہے جو ایسے الفاظ اور انداز استعمال کرتا ہے جس کی جمالیت اور وسعت معنی کے لیے ضرورت ہوتی ہے۔ ان کی زبان پاکیزہ، سنجیدہ اور باوقار ہے۔ ان کے ہاں نعت کی زبان میں نبوت کی جانب ہمیشہ تقدس، معیاریت، کرم گستری اور تسکین دہانی کا احساس ہوتا ہے اور دوسری جانب آپ ایک محرومی، ایک تشنگی، ایک آرزو اور ایک عاجزانہ انداز سے درد دل اور گناہوں کے زخموں کی جلن کا اظہار کر کے گویا سراپا سوال بن جاتے ہیں۔ ذیل میں آپ کے قصیدہ حمد و نعت بعنوان 'موجِ راوی' کا فنی جائزہ لیا جاتا ہے۔

زبان وبیان کی چاشنی:

زبان وبیان کی چاشنی کا اندازہ قصیدے سے مطلع اول سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے جس میں شاعر راوی کے کنارے کا منظر پیش کر رہے ہیں۔

ساحل راوی پہ ہے شام ابد کا سکوں　　آب سبک رو میں ہے صبحِ ازل کا جنوں (۱۲۰)

بے ساختگی:

بے ساختگی کا عنصر درج ذیل شعر میں محسوس کیا جاسکتا ہے:

نعتِ رسول کریمؐ ہو گئی لب پر رواں　　نطق ہوا مدح خواں خامہ ہوا پر فشاں (۱۲۱)

تراکیب کا تنوع:

علیم ناصری کے قصیدے میں تراکیب وافر استعمال موجود ہے۔ چند تراکیب یہ ہیں: جودت وجوش وجنوں، بارید و تان سین، چنگ ودف وارغنوں، محفلِ بے چند وچنوں، غلغلۂ بوم وزاغ، دودۂ بابر، عبرت دنیائے دوں، مظہر جہد وجہاد، مصدرِ جذب وجنوں، نقشِ عود وقروں، درون وبروں، غوطہ زن وتہ نشیں، رجمِ شہابِ مبیں، کیف وکمِ مرغزار، سلسلۂ ماہ و طیں، گردشِ لیل ونہار، کشتِ گل ویاسمیں، بے خطرِ خوف وحزن، صورتِ حق الیقیں، کشتِ گل وخار وخس، مزرعِ سود و زیاں، مسکنِ انس وحوش، مامنِ مور وملخ، رزم گہ عزوجاہ، مجمعِ قحط وبلا، مطلعِ تاج وسریر، فتنہ گہِ بے کساں، موردِ رجز و عقاب، صاعقہ ورجم وغرق، مرجعِ صدق وصفا، مصدرِ خلقِ حسن، قاطع فسق وفجور، کاشفِ اسرار دیں، صاحب شرع وسنن، ماحیِ دور فتن، جملہ عدول وعفیف، جملہ شجاعِ زمن، تندرو وگرم جوش، صفدر وخارا شکن۔

اوپر بیان کی گئی تراکیب سہ لفظی تراکیب ہیں۔ اس کے علاوہ بھی قصیدے میں لفظی رنگارنگی موجود ہے۔ اختصار کے پیش نظر صرف انتخاب پیش کیا گیا ہے۔

عربی وفارسی اثرات:

شعرائے کرام اپنے نعتیہ قصائد میں عربی وفارسی تراکیب استعمال کر کے کلام کو اسلامی رنگ دیتے ہیں وہیں پر قاری کے لیے اشعار کے ذریعے اپنے آپ کی حضورؐ کے ساتھ نسبت محسوس کرنے میں بھی آسانی ہو جاتی ہے۔ علیم ناصری اپنے قصیدے میں عربی وفارسی تراکیب کا جس منفرد انداز میں استعمال کرتے ہیں، ان کا اندازہ ذیل کی مثالوں سے بخوبی ہو جاتا ہے۔

شوخ ودل آویز ہیں آج بھی نقش ونگار　　بول رہی ہے مدام آیۂ یسطرون

کیف وکمِ مرغزار زیر وبمِ آبشار　　جلوہ نما جا بہ جا سلسلۂ ماہ وطیں

مسکنِ انس وحوش مامنِ مور وملخ　　رزم گہ عزوجاہ بزمِ نشاط وفغاں

مجمعِ قحط وبلا مطلعِ تاج وسریر　　فتنہ گہِ بے کساں شوکتِ شاہنشاں (۱۲۲)

ہندی الفاظ:

علیم ناصری نے درج ذیل شعر میں ہندی لفظ 'اغٹر غوں' کو بطور قافیہ استعمال کیا ہے۔

شپروں کا شور و شین غلغلۂ بوم و زاغ　　اور کبوتروں کی ہے گاہ گہے غٹر غوں (۱۲۳)

شکوہ الفاظ:

علیم ناصری کے کلام میں شکوہ الفاظ کی خصوصیت درجہ اتم موجود ہے۔ ذیل کے پہلے شعر میں انہوں نے مصرعہ اول میں دو تراکیب یعنی انجمن خشت و سنگ اور باعث حزن و ملال سے پورا مفہوم بیان کر دیا ہے۔ اسی طرح دوسرے شعر میں انہوں نے بحر اوقیانوس اور بحر الکاہل کے لیے دو انگریزی الفاظ کو اردو کا جامہ پہنا کر استعمال کیا ہے جو شاعر کی قدرت الکلامی ظاہر کرتا ہے۔

انجمن سنگ و خشت باعث حزن و ملال　　روح فزا داستاں کس کی زباں سے سنوں

بحر طلاتنیک سے بحر پسی فیک تک　　روح تلاطم ہوں میں اور ہوں سیل آفریں (۱۲۴)

غنایت:

غنایت نعت کی بنیادی خصوصیات میں سے ایک ہے۔ نعت جہاں مطالعہ کی جاتی ہے وہیں پر اسے حضورؐ کی بارگاہ اقدس میں بطور نذرانہ پیش کرنے کے لیے بآواز بلند ترنم کے ساتھ پڑھا بھی جاتا ہے۔ نعتیہ کلام میں غنایت اس کی اہمیت کو دوگنا کر دیتی ہے۔ علیم ناصری کا قصیدہ غنایت سے بھرپور ہے۔ ذیل میں ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔

شاہد آفاتِ دہر دیدۂ پرنم مرا　　واقف ہر انقلاب میری نگاہ حزیں (۱۲۵)

حروف سزا و جزا:

علیم ناصری کے ہاں حروف سزا و جزا کا خوبصورت استعمال پایا جاتا ہے جس سے ان کے کلام میں چاشنی اور معنی کی رنگارنگی پیدا ہو گئی ہے۔ ذیل کی مثال دیکھیے جس میں شاعر 'جس سے' استعمال کر کے مصرعہ ثانی کو مصرعہ اول سے جوڑا ہے۔

حق نے بالآخر کیا مہرِ رسالت طلوع　　جس سے منور ہوئی بزمِ زمان و مکاں (۱۲۶)

القابات:

حضور رحمت للعالمینؐ کے لیے منفرد القابات کا استعمال جہاں شاعر کی قادر الکلامی کو ظاہر کرتا ہے وہیں پر آپ کی حضورؐ کے لیے محبت و عقیدت کا بھی آئینہ دار ہے۔ چند مثالیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں:

مجمع جملہ صفات اسمِ محمدؐ کریمؐ　　صاحبِ خلقِ عظیم ذوالکرم وذوالمنن

سید عالی نسب سرورِ والا چشم　　قافلۂ صدق کا رہبرِ باطل شکن

حافظِ ناموسِ حق قاطع فسق و فجور　　کاشفِ اسرارِ دیں صاحب شرع و سنن (۱۲۷)

محاکات نگاری:

محاکات نگاری چونکہ منظر کشی سے متعلق ہے جس میں شاعر قاری کے سامنے سماں باندھ دیتا ہے۔ علیم ناصری نے دریائے راوی کی موج سے مکالمہ اپنے قصیدے میں شامل کر کے محاکات نگاری کا اچھوتا انداز پیش کیا ہے۔

آئی نظر ناگہاں موجِ سبک رو مجھے　　جس کی روانی میں تھی جودتِ جذب و جنوں

میں نے کہا کس لیے ہے یہ ترا پیچ و تاب　　کس کے لیے ہے مدام مضطرب و بے سکوں

آئی کدھر سے ہے تو اب ہے کہاں کا سفر　　کس کی طلب میں ہے شوق لمحہ بہ لمحہ فزوں

سن کے رکی دفعتہً کہنے لگی اٹھ کے یوں　　حق کی نشانی ہے ایک میرا درون و بروں (۱۲۸)

استفہامیہ لہجہ:

علیم ناصری اس قصیدے کے آخری شعر میں استفہام انکاری استعمال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان کے فن کی تزئین نعت سے ملتی ہے ورنہ ان کی اور ان کے شعر و سخن کی کوئی بساط نہیں ہے۔

نعت سے ملتی ہے خود نزہت و تزئین فن　　ورنہ مری کیا بساط کیا مرا شعر و سخن (۱۲۹)

استفہام اقراری استعمال کرتے ہوئے شاعر بارگاہ رسالتؐ میں عرض کرتے ہیں:

جس کا ہو روئے منیر صدق اثم کی سند　　اس پہ تصدق نہ کیوں ہوں یہ سر و جان و تن (۱۳۰)

محاورات:

محاورات کا استعمال معنی میں تنوع پیدا کرتا ہے۔ ذیل کے شعر میں نذرِ خزاں ہونا برباد ہونے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

بارہ دری کی بہار نذرِ خزاں ہو چکی　　کوئی در و بام ہے نے کوئی سقف و ستوں (۱۳۱)

علم بیان:

علیم ناصری نے اپنے قصیدے میں علم بیان کی چاروں جہات کا خوبصورت استعمال کیا ہے۔

تشبیہ:

ذیل کی مثال میں مشبہ چشم، مشبہ بہ خورشید، حرف شبہ صورت، وجہ شبہ جہاں بیں ہونا ہے۔

صورت خورشید ہے چشمِ جہاں بیں مری　　میری نگاہوں میں ہیں ہند و خراسان و چیں (۱۳۲)

استعارہ:

علیم ناصری کے ہاں استعارات کا تنوع پایا جاتا ہے۔ ذیل میں ایک مثال پیش کی جاتی ہے جس کے مصرعہ اول میں دو استعارے 'علم و عمل کے چراغ' اور 'رشد و ہدی کے منار' استعمال ہوئے ہیں:

علم و عمل کے چراغ رشد و ہدی کے منار　　راہبرانِ جہاں پیشروانِ زمن (۱۳۳)

مجاز مرسل:

شاعر اپنی داخلی کیفیت کو بیان کرنے کے لیے مجاز مرسل کی صورت اختیار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

بعدِ خداوندِ پاک ہے تو وہی ہے عظیم　　یاد میں اس کی مرا دل بھی ہے اک انجمن

جس کے پسینے پہ ہو مشکِ ختن بھی نثار　　جس کے ہوں دندانِ پاک رو کشِ درِ عدن (۱۳۴)

کنایہ:

درج ذیل مثالوں میں کنایے کا خوبصورت استعمال دیکھا جا سکتا ہے:

ملتیں اکثر ہوئیں موردِ جزو عقاب　　صاعقہ و رجم و غرق صرصر و سیلِ رواں

رحمتِ حق کی نوید اس کے تبسم کی لہر　　وجہِ عذابِ الیم اس کی جبیں کی شکن (۱۳۵)

صنائع لفظی:

علیم ناصری نے صنائع لفظی میں تجنیس، شبہ اشتقاق، تنسیق الصفات، تلمیح اور تکرار کی صنعتوں کو استعمال کیا ہے۔

صنعت تجنیس:

علیم ناصری کے ہاں تجنیس کی خوبصورت مثالیں موجود ہیں۔ پہلے شعر میں تجنیس زائد و ناقص استعمال کرتے ہوئے 'سرور و سرود' کا استعمال کیا ہے۔ دوسرے شعر میں بھی تجنیس زائد و ناقص استعمال کرتے ہوئے 'حصن حصین' کا استعمال کیا ہے۔ تیسرے شعر میں بھی تجنیس زائد و ناقص استعمال کرتے ہوئے 'یک بیک' کی ترکیب استعمال کی ہے۔

موجۂ مضطر میں ہے سوز و سرور و سرود — اس کی رگ و پے میں ہے جودت و جوش و جنوں

جس کو بچانے پہ آئے موت کے منہ سے — اس کے قعرِ بحر خود بنے حصنِ حصیں

اس کی فراست کی ضرب ٹوٹ گئی یک بیک — فتنہ گروں کے صنم جھوٹے نبی کے وتن (۱۳۶)

صنعت اشتقاق:

درج ذیل کی مثال میں علیم ناصری نے امیؐ حضورؐ کے لیے استعمال کیا ہے، پھر اسی سے ترکیب امیوں کا اشتقاق کرتے ہوئے استعمال کیا ہے۔

ارضِ عرب پر ہوئی حق کی نگاہ کرم — بعثت امیؐ ہوئی امیوں کے درمیاں (۱۳۷)

صنعت شبہ اشتقاق:

شبہ اشتقاق کا خوبصورت استعمال ذیل کی مثالوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ جیسے 'کوہ، کلاہ، کاہ'، 'چنان و چنیں'، 'جہد و جہاد' اور 'جذب و جنوں'۔

میری نظر میں نہیں کچھ بھی یہ پست و بلند — کوہ پہ میری کلاہ کاہ پہ میری جبیں

اس کی رضا میں نہیں کوئی مجال سخن — اس کی قضا پر نہیں کوئی چنان و چنیں

پہلوئے مسجد میں ہے پاک وطن کا منار — مظہر جہد و جہاد مصدرِ جذب و جنوں (۱۳۸)

صنعت تنسیق الصفات:

تنسیق الصفات میں پہلے چند صفات کا ذکر کیا جاتا ہے پھر ان صفات کے برعکس صفات کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ذیل کے شعر میں 'کبر و تفاخر' کے بعد 'عجز و تواضع' اور دوسرے مصرعے میں 'اہل ستم' کے بعد 'دادرسِ بے کساں' کی تراکیب استعمال کی گئی ہیں۔

کبر و تفاخر کی خو عجز و تواضع بنی　　بن گئے اہلِ ستم دادرسِ بے کساں (۱۳۹)

تلمیح:

علیم ناصری نے اپنے قصیدے میں موثر تلمیحات کا استعمال کیا ہے۔ اس سلسلے میں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں جن میں سروری و قیصری، نوحؑ، لوطؑ، عاد و ثمود، بعل و ہبل اور قیصر و کسریٰ کی تلمیحات استعمال ہوئی ہیں۔

جن کو ودیعت ہوئی سروری و قیصری　　جن کا زمانہ رہا ہند میں خیر القروں

نوحؑ کی گمراہ قوم لوطؑ کے فاحش عوام　　ملتِ عاد و ثمود ہو کے رہیں بے نشاں

بن نہ سکا پھر الٰہ کوئی شجر یا حجر　　پھر کوئی بعل و ہبل ہو نہ سکا حکمراں

قیصر و کسریٰ کے تاج اس کے قدم پر جھکے　　روم و عجم میں لشکرِ دیں خیمہ زن (۱۴۰)

صنعت تکرار:

لفظی تکرار سے عموماً کلام میں اکتاہٹ کا عنصر غالب آنے لگتا ہے۔ مگر علیم ناصری نے خود کو اس کمزوری سے نہ صرف بچایا ہے بلکہ اس صنعت کے استعمال سے کلام کی رنگینی میں بھی اضافہ کیا ہے۔ ذیل کی مثالیں اس کا واضح ثبوت ہیں۔

تند ہوائیں مری کالی گھٹائیں مری　　رعد مرا ہم سفر برق مری ہم نشیں

صورت شبنم گرے گل پہ مری بوند بوند　　مردہ زمیں کے لیے ہوں میں حیات آفریں

ہے یہ فقط سیر گاہ میں ہوں فقط سیر گاہ　　یہ بھی ہے زار و زبوں میں بھی ہوں زار و زبوں (۱۴۱)

صنائع معنوی:

صنائع معنوی میں علیم ناصری کے ہاں صنعت تضاد، صنعت مراعات النظیر، صنعت لف و نشر، صنعت تقسیم اور صنعت عکس کا استعمال کیا گیا ہے۔

صنعت تضاد:

ذیل میں دیے گئے پہلے شعر میں 'شب و روز' اور 'آج کل' ایک دوسرے کے متضاد الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ دوسرے شعر میں زمین اور آسمان استعمال ہوئے ہیں۔ تیسرے شعر میں روز و شب، شرق و غرب اور شمال و جنوب صنعت تضاد لیے ہوئے ہیں۔ چوتھے شعر میں لیل و نہار کی ترکیب صنعت تضاد کو پیش کرتی ہے۔

میرے شب و روز کی کوئی حقیقت نہیں — میں کہ ہوں بنتِ سحاب آج کہیں کل کہیں

کشت میں میری نمو در و دمیں میرا شہود — ابر مرا آسماں آب جو میری زمیں

روز و شب شرق و غرب دورِ شمال و جنوب — ہیں یہ مرے ہم جوار میں بھی ہوں ان میں مکیں

اس کے مظاہر ہیں سب گردشِ لیل و نہار — وسعت ہفت آسماں منطقہ ہائے زمیں (۱۴۲)

صنعت مراعات النظیر:

مراعات النظیر میں ایک لفظ کی رعایت سے دوسرے الفاظ لائے جاتے ہیں۔ ذیل میں چشمہ آبِ زلال کی نسبت سے دشت و بیاباں اور گل و یاسمین کی تراکیب لائی گئی ہیں۔ دوسری مثال میں ریت کے ذروں کی مناسبت سے سنگ و شجر کے الفاظ لائے گئے ہیں۔

ریت سے پیدا کرے چشمہ آبِ زلال — دشت و بیاباں بنیں کشتِ گل و یاسمین

ریت کے ذروں نے بھی پائی ستاروں کی ضو — سنگ و شجر کو ملی قوتِ نطق و بیاں (۱۴۳)

صنعت لف و نشر:

چند چیزوں کا الگ الگ ذکر کرنا پھر ان کو ایک حکم میں لانا صنعت لف و نشر ہے۔ ذیل میں اس کی کچھ مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

حمزہؓ و ابن ولیدؓ طلحہؓ و سعدؓ و زبیرؓ — جملہ عدول و عفیف جملہ شجاع زمن

بوذرؓ و سلمانؓ و عمرؓ و کعبؓ و صہیبؓ و بلالؓ — مہر رسالتؐ کی ہے نور فشاں ہر کرن (۱۴۴)

صنعت تقسیم:

صنعت لف و نشر اور صنعت تقسیم میں بنیادی فرق یہ ہے کہ لف و نشر میں بغیر تعیین کے ذکر کیا جاتا ہے جب کہ صنعت تقسیم میں تعیین کیا جاتا ہے۔ ذیل کے پہلے شعر میں میں اور تو کے ذریعے تخصیص کی گئی ہے اور دوسرے مصرعے میں اسی مناسبت سے نحیف و حزیں کی ترکیب لائی گئی ہے۔

میں کہ ہوں پانی کی بوند تو کہ ہے مشتِ غبار — میں بھی نحیف و حزیں تو بھی نحیف و حزیں

دشت و بیاباں مرے ریگ و خیاباں مرے — سیل میں جلوہ فروز بحر میں خلوت گزیں

کارکنانِ اجل مشتغل و مستعد — میرے یسار و یمیں تیرے یسار و یمیں

آدم وابلیس کے معرکہ ہائے قدیم　　کشمکش خیر وشر رنج فزا داستاں(۱۴۵)

علیم ناصری کے قصیدے "موج راوی" کا فنی جائزہ لینے کے بعد یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ فنی لحاظ سے یہ ایک قابل تعریف قصیدہ ہے۔ جس میں زبان و بیان کی اچھی مثالیں موجود ہیں۔ ان کے قصیدے میں خاص مذہبی جذبہ کارآمد ہے جو کسی جگہ زور سے اور کسی جگہ دھیما اثر چھوڑتا ہے۔ ان کے کلام میں نہ تو جذباتی دھارے ابلتے دکھائی دیتے ہیں اور نہ ہی ایسا ہوتا ہے کہ جذبہ پانی کی دھار کی طرح یک دم نیچے کسی گہرائی میں چلا جاتا ہے۔ جذبے کی روانی ان کے قصیدے کو خاص فنی آہنگ سے مزین کرتی ہے۔

نصیر الدین نصیر:

نصیر الدین نصیر کا قصیدہ ان کی بے پناہ علمیت، وسعت مطالعہ اور فنی پختگی کا عکاس ہے۔ انہوں نے نعتیہ قصیدے کو صرف اظہار عقیدت کے طور پر نہیں اپنایا بلکہ اپنے وسیع مطالعے کو پوری طرح اپنے فن میں برتا ہے۔ انہوں نے اپنے وسیع مطالعے کو تخلیقی انداز میں اپنی نعت گوئی کا حصہ بنایا ہے۔ علمی و فنی اصطلاحات قرآن و حدیث کے حوالہ جات ان کی نعت گوئی کو وقیع اور اثر انگیز بناتے ہیں۔ ان کا قصیدہ شعری صلاحیت، تخلیقی استعداد اور حسن بیان کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتا ہے۔

زبان و بیان کی چاشنی:

زبان و بیان کی چاشنی پیر نصیر الدین نصیر کے قصیدے کا بنیادی جزو ہے۔ اگرچہ اس لحاظ سے قصیدے میں سے کئی ایک مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں، ذیل کا شعر اس لیے اہم کہ اس میں سہل ممتنع کی خوبی بھی موجود ہے۔ انہوں نے ایک شعر میں اس نظریے کی وضاحت کر دی جس کو وہ مانتے ہیں۔

سب میں رہتے ہوئے جو سب سے جدا لگتا ہو　　اس پہ محض بشریت کا ہے اطلاق فضول(۱۴۶)

بے ساختگی:

پیر صاحب کے قصیدے کی دوسری اہم خوبی بے ساختگی ہے۔ قاری قصیدے کا مطالعہ کرتے ہوئے بے اختیار اش اش کرنے لگتا ہے۔ ذیل کی مثال دیکھیں:

اس کی ہر بات بنی ان ھوالا وحی　　اس کا ہر فعل بنا حجت و برہان واصول(۱۴۷)

چستی بندش:

پیر نصیر الدین نصیر صاحبِ ذوق اور صاحب مطالعہ ہونے کے ناطے کسی مقام پر قاری کو ایسا محسوس نہیں کرنے دیتے کہ ان کے پاس قافیوں کی قلت ہے۔ان کے کلام میں روانی اور بے ساختگی کی ایک وجہ ان کے ہاں پائی جانے والی چست بندشیں بھی ہیں۔ذیل میں اس کی ایک مثال پیش کی جاتی ہے:

دل سے بے ساختہ جملے یہ ادا ہونے لگے　　مرحبا، صل علی اے مرے ذی جاہ رسولؐ(۱۴۸)

تراکیب کا تنوع:

نصیر الدین نصیر کے قصیدے میں استعمال ہونے والی چند تراکیب یہ ہیں: شوقِ رقمِ نعتِ رسولؐ، چشم مکحول، سیف مسلول، سرِ چرخِ وجود، آزارِ تردد، زلفِ رسا، بختِ کوتاہ، نازشِ طول، عالمِ تشبیہ، پیغامِ سماوی، مافوقِ عقول، حرفِ معقول، عزتِ آلِ نبیؐ، حرمتِ اتباعِ رسولؐ، ذکرِ ابی ابنِ سلول، گرمیِ عشقِ بلالؓ حبشی، مہبطِ انوارِ رسولؐ، ذی جاہ رسولؐ، حبِ اصحابؓ نبیؐ، الفتِ اولادِ بتولؓ۔

تراکیب کا تنوع قاری کے ذہن پر بھاری نہیں ہوتا بلکہ یہ کلام کی روانی میں یوں استعمال کی جاتی ہیں کہ قاری جذبے کے مخصوص ترنگ کے تحت ان کو قبول کرتا جاتا ہے۔ذیل کے شعر میں اگرچہ دونوں مصروں میں لمبی تراکیب استعمال ہوئی ہیں مگر قاری کے ذہن پر بھاری نہیں گزرتیں۔

گرمیِ عشقِ بلالؓ حبشی پیدا کر　　کہ بنے سینہ ترا مہبطِ انوارِ رسولؐ(۱۴۹)

عربی اثرات:

پیر نصیر الدین نصیر نابغہ روزگار شخصیت تھی۔ان کی شخصیت کا تعین تین جہتوں سے کیا جا سکتا ہے یعنی عالم، عارف اور شاعر۔یہی تین جہتی شخصیت ان کے قصیدے میں بھی نظر آتی ہے۔ان کے قصیدے میں عربی اثرات ان کی عالمانہ شخصیت کے تحت وقوع پذیر ہوتے ہیں۔

نو ره صار ممد ا لو جود الکونین　　جوده ظل معینا لّنفوس وعقول

یعرف الحق به کل غبی و غوی　　یعلم الخیر به کل ظلوم و جهول

لیلة صعد فی ساحة فضل علی　　حار فی قربیه کل نبی و رسول

کل من تابعه کان حبیب المولی　　کل من خالفه فهو طرید مغلول (۱۵۰)

فارسی اثرات:

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کہ ان کی شخصیت کی تین جہتیں ہیں۔ جہاں عربی اثرات ان کی عالمانہ شخصیت کے عکاس ہیں، وہیں پر فارسی اثرات کو ان کی عارفانہ شخصیت کے نمائندہ قرار دیا جاسکتا ہے:

نہ روم از درِ پاکت بہ درِ کج کلہاں — بہ گدائی در خویش کن اے شاہؐ! قبول

تو کجا و من آوارہ و ناکارہ کجا — تو و صد دیدہ بہ رویت، منعم و کنج خمول

شادم از سلسلہ لطف تو پیہم، شاہا! — نہ شوم از سرِ زلفت بہ علائق مشغول

ہمہ را ساختہ سیراب محیط کرمت — چہ جوانانِ قشنگ و چہ بزرگانِ کہول

ابنِ آدم ز تو آئینِ شرافت آموخت — ورنہ امید موالات ازیں مردِ جہول؟(۱۵۱)

مکالمہ:

قدیم دور میں شعرائے کرام دیومالا شروع کرنے سے قبل فن کی دیوی، جسے میوز کہا جاتا تھا، سے مخاطب ہو کر کلام شروع کرتے تھے اور اس سے درخواست کرتے تھے کہ انہیں فن کی معراج حاصل ہو۔ آج کے دور میں میوز سے مراد وہ شے یا شخص لیا جاتا ہے، جس سے شاعر کو تخلیقی تحرک حاصل ہوتا ہے۔ نصیر الدین نصیر اسی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے قصیدے کے آغاز میں روحِ حسانؓ سے مخاطب ہو کر توجہ کے طلب گار ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

عبدِ عاجز کو ہے شوقِ رقمِ نعتِ رسولؐ — ذہنِ حسانؓ! ادھر بھی تو جہ مبذول

روحِ حسانؓ کی جانب سے ملا مجھ کو جواب — ہو نہ آزارِ تردد میں طبیعت مشغول(۱۵۲)

غنایت:

غنایت کے حوالے سے درج ذیل اشعار قابل غور ہیں:

تیری آنکھوں میں ہیں رقصاں وہ مناظر سارے — تو نے دیکھی وہ جبیں اور وہ چشمِ مکحول

تیرے دامن سے مجھے ان کی مہک آتی ہے — تیری فطرت میں ہے بے شک اسی خوشبو کا حلول(۱۵۳)

تخلص کا استعمال:

قصیدے کے آخری شعر میں نصیر الدین نصیر تخلص کا استعمال کرتے ہیں۔

میرے نزدیک یہی توشۂ عقبیٰ ہے نصیرؔ! حبِ اصحابِ نبیؐ، الفتِ اولادِ بتولؓ(۱۵۴)

حروف ندا کا استعمال:

پیر صاحب اپنے اشعار میں کسی کو مخاطب کرنے حروف ندا کے استعمال کے بجائے علامت کو استعمال کرتے ہیں۔ ذیل کے دو اشعار میں تخاطب کے لیے علامت استعمال کی گئی ہے۔

فلسفی! تجھ کو عبث دھن ہے اسے پانے کی ہو چکا جب کہ تری عقل کا سلطان، معزول

دیدۂ عقل سے دیکھ اس کو نہ مردِ ناداں! کہ دلائل سے الجھنا ہے خرد کا معمول(۱۵۵)

حروف صلہ و جزا:

نصیر الدین نصیر کے ہاں اسمائے موصولہ کا استعمال کثرت سے ہوا ہے۔ چونکہ اسمائے موصولہ کے ساتھ شرط کے معنی بھی موجود ہوتے ہیں اس لیے صلہ کے ساتھ شرط کے معنی بھی موجود ہوتے ہیں اس لیے صلہ کے اعلان کے لیے حروف صلہ یا جزا کا آنا ناگزیر ہے۔ ذیل کی مثالیں دیکھیں:

اک ذرا اس شہِ خوباں کے خد و خال بتا جس کا جلوہ تیرے اشعار کی ہے شانِ نزول

صرف توحید کا شیطان بھی قائل ہے، مگر شرطِ ایماں ہے محمدؐ کی اطاعت، یہ نہ بھول(۱۵۶)

استفہامیہ لہجہ:

استفہامیہ لہجے میں نصیر الدین نصیر کس طرح شان نبیؐ میں رقم طراز ہیں۔ اس کا اندازہ درج ذیل مثالوں سے لگایا جا سکتا ہے۔

گرچہ ہے عالمِ تشبیہ میں الا بشر ایک ہو جاتے ہیں تنزیہ میں، علت معلول

وہ نہ ہوتے، تو ذرا دیدہ وروں سے پوچھو ہوتا کیوں کر کوئی پیغام سماوی موصول(۱۵۷)

سہل ممتنع:

پیر نصیر الدین نصیر کے اکثر اشعار کو سہل ممتنع کے طور پر لیا جا سکتا ہے یعنی آپ سادہ پیرائے ایسا نقطہ اٹھاتے ہیں کہ فوراً سمجھ میں آجاتا ہے لیکن اس کی مثل کوئی اور شعر ڈھونڈنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔

نرم لہجے میں وہ باتیں وہ تبسم ان کا حافظے میں تیرے موجود ہیں وہ رنگ وہ پھول

ذکر چھڑ جائے جہاں زلفِ رسا کا ان کا　　بختِ کوتاہ کو لازم ہے وہاں نازشِ طول (۱۵۸)

علم بیان:

نصیر الدین نصیر نے اپنے قصیدے میں علم بیان کی چاروں صورتوں کو اچھے انداز میں استعمال کیا ہے۔ ذیل میں ان کی تفصیل دی جاتی ہے۔

تشبیہ:

پیر نصیر الدین نصیر نے اپنے قصیدے میں تشبیہات کا نہایت خوب صورت استعمال کیا ہے جس سے ان کے کلام میں چاشنی پیدا ہوئی ہے۔ ان کی شاعری میں سادگی اور سلاست پائی جاتی ہے لیکن موقع کی نزاکتوں کو سامنے رکھتے ہوئے تشبیہات کا جامع اور منفرد انداز میں استعمال کرتے ہیں کہ جس سے کلام کی جاذبیت اور اثریت میں اضافہ ہوتا ہے۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں:

وہ کہ خورشیدِ ازل ہے بہ سرِ چرخِ وجود　　جسے لاحق نہیں تا شامِ ابد خوفِ افول (۱۵۹)

حضور اکرمؐ کی شان اس قدر وسیع ہے کہ کوئی بھی الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا کیونکہ آپؐ وجہ تخلیق کائنات ہیں۔ آپؐ کے صدقے سے ہی اللہ تعالیٰ اس جہان میں اور آخرت میں ہر چیز عطا کرے گا۔ ہر چیز آپؐ کی بدولت ہی ملتی ہے اسی لیے شاعر اس شعر میں حضرت محمد مصطفیٰؐ کی ذات بابرکت کو حسن مجسم سے تشبیہ دے رہا ہے۔

نرم لہجے میں وہ باتیں وہ تبسم ان کا　　حافظے میں ترے موجود ہیں وہ رنگ وہ پھول (۱۶۰)

استعارہ:

درج ذیل شعر میں پیر صاحب نے آپؐ کی ذات پاک کی خصوصیات کا تذکرہ کرتے ہوئے آپؐ کے لیے "ماہ عرب" کا استعارہ استعمال کیا۔

منور زمیں ہو گی ماہِ عرب سے　　ملائک ہیں صف بستہ ہر سو ادب سے (۱۶۱)

مجاز مرسل:

جز بول کر کل کی مراد لینا مجاز مرسل کی ایک صورت ہے۔ پیر صاحب نے اس صورت کو اپنے شعر میں اس طرح پرویا ہے۔

تیرے اشعار میں محفوظ ہے پیکر ان کا　　تیرے افکار پہ ہے سایہ کناں زلفِ رسولؐ(۱۶۲)

کنایہ:

حضورؐ کے رحمت للعالمین ہونے کی طرف کنایہ درج ذیل شعر میں یوں کرتے ہیں۔

وہ نہ ہوتے تو ذرا دیدہ وروں سے پوچھو　　ہوتا کیوں کر کوئی پیغامِ سماوی موصول(۱۶۳)

صنائع لفظی:

پیر نصیر الدین نصیر نے صنائع لفظی میں تجنیس، اشتقاق، تلمیح اور تکرار کی صنعتوں کو خوبصورت انداز میں استعمال کیا ہے۔ان کی تفصیل ذیل میں دی جاتی ہے۔

صنعت تجنیس:

ذیل کی مثال میں یک بیک کا استعمال تجنیس زائد و ناقص کی مثال ہے۔

یک بیک چین ملا اور طبیعت ٹھہری　　روحِ حسانؓ سے سنتے ہی یہ باتیں معقول(۱۶۴)

صنعت اشتقاق:

عبد و معبود اور عقل و عقول ہر دو مثالوں کا مادہ اشتقاق ایک ہے۔پہلے شعر میں صنعت تضاد بھی پائی جاتی ہے کیونکہ عبد و معبود ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔

عبد و معبود کے مابین وسیلہ تو ہے　　اس سے ہٹ کر نہ عبادت، نہ ثقاہت مقبول

عقل تو اپنی حقیقت سے بھی ناواقف ہے　　کیا سمجھ پائے اسے، جو کہ ہے مافوق عقول(۱۶۵)

صنعت تلمیح:

ایک ہی مصرعے میں تین تلمیحات "حسنِ یوسفؑ، دمِ عیسیٰؑ، یدِ بیضا" کا استعمال پیر صاحب کے فن کا منہ بولتا ثبوت ہے۔یہ شعر تضمین کی صنعت کو بھی استعمال کرتا ہے۔

"حسنِ یوسفؑ، دمِ عیسیٰؑ، یدِ بیضا" دارد　　ہر بشر کے لیے ممکن نہیں ان سب کا حصول(۱۶۶)

صنعت تکرار:

نصیر احمد نصیر نے صنعتِ تکرار کا استعمال کیا ہے۔ تکرار کی مثالیں یہ ہیں۔

وہی قرآں، وہی معنی، وہی مفہوم و مراد　　وہی علت، وہی غایت، وہی اصلِ معمول

میری ہستی، میری ہستی، میرا ایماں، میرا ذوق　　ہے سب کچھ تیرے انعام و کرام پہ محمول (۱۶۷)

صنائع معنوی:

صنائع معنوی میں مراعات النظیر، لف و نشر اور مثالیہ کا واضح استعمال اس قصیدے میں دیکھا جا سکتا ہے۔

صنعت مراعات النظیر:

ذیل کی مثال میں "وہی" کا چھے بار استعمال ہوا ہے لیکن یہ استعمال قاری کے ذہن پر بھاری پڑنے کے بجائے مخصوص چاشنی لیے ہوئے ہے۔

وہی قرآں، وہی معنی، وہی مفہوم و مراد　　وہی علت، وہی غایت، وہی اصلِ معلول (۱۶۸)

صنعت لف و نشر:

شاعر عزت آلِ نبیؐ اور حرمتِ اتباعِ رسولؐ کو نشر کر کے امرِ لازم کے تحت لف کرتے ہیں۔

امرِ لازم ہے یہ ہر مردِ مسلماں کے لیے　　عزتِ آلِ نبیؐ، حرمتِ اتباعِ رسولؐ (۱۶۹)

صنعت مثالیہ:

مثالیہ میں شاعر ایک مثال لا کر کسی حقیقت کو بیان کرتا ہے۔ نصیر صاحب اپنے اشعار میں صنعت مثالیہ کس طرح استعمال کرتے ہیں اس کا اندازہ درج ذیل اشعار سے بخوبی کیا جا سکتا ہے۔

وہ نہ ہوتے تو ذرا دیدہ وروں سے پوچھو　　ہوتا کیوں کر کوئی پیغام سماوی موصول

ابنِ آدم ز تو آئینِ شرافت آموخت　　ورنہ امید موالات ازیں مردِ جہول؟ (۱۷۰)

اس قصیدے کا مجموعی جائزہ لیتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ آپ کی عقیدت و محبت الفاظ کا لبادہ پہنے نظر آتی ہے۔ ان کے قصیدے میں جذبۂ عشقِ رسولؐ اپنی انتہا پر ہے۔ آپ کے ہاں ایک خاص حسن اور آہنگ پایا جاتا ہے جو کیف و تاثیر کا حامل ہے۔ آپ کے ہاں خیالات کی جدت پسندی اور ندرت پائی جاتی ہے۔ آپ نے جس طرح جدت کو روایات سے جوڑا ہے، یہ

آپ ہی کا خاصا ہے۔آپ کے قصیدے میں موجود نئی تراکیب اور نئے مرکبات نے تازگی خیال اور نیرنگی مضمون کو جنم دیا ہے۔

خلاصہ کلام

پانچ شعرا کے قصائد کا فنی جائزہ لینے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اردو نعتیہ قصیدہ کے شعرا صاحب اسلوب شاعر ہیں۔ان کے ہاں نعت آدابِ نعت کے تمام تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے عشق و جستجو کا سفر طے کرتی ہے۔اپنے نعتیہ قصائد میں جہاں انھوں نے انقلاب دہر کے حوالے سے سنجیدہ فکر کو سمویا ہے وہیں فنی لحاظ سے کلاسیکی انداز اپنایا ہے۔ان کے اشعار خیال کی تازگی، جذبے کی شدت، مضمون کی ندرت اور شکوہ الفاظ کی توانائی سے مالا مال ہیں۔نعتیہ قصائد کے اکثر اشعار غنایت اور موسیقیت سے بھرپور ہیں اور صوت و آہنگ کی جمالیات سے ہم آہنگ نظر آتے ہیں۔

ان قصائد کا شعری اسلوب سادگی، سلاست، روانی، بے ساختگی، زورِ بیان اور سوز و گداز سے متصف ہے۔ان قصائد کی اہم خوبی یہ ہے کہ ان میں جذباتیت کا عنصر نہ ہونے کے برابر ہے۔شعرا جذبات کی رو میں بہہ کر توحید و رسالت کے تقاضوں کو فراموش نہیں کرتے اور نہ ہی ان کے نعتیہ قصائد میں دیگر مسالک پر طنز کا رویہ دیکھنے میں آیا ہے۔ان کے ہاں جذباتیت کے برعکس سوز و گداز کا عنصر ضرور موجود ہوتا ہے۔یہ عنصر بعض اوقات حقیقت نگاری کے باعث پھیکا پڑتا محسوس ہوتا ہے۔نعتیہ قصائد میں موجود لفظی نظام، روزمرہ، مترادفات اور محاورات سے عبارت ہے۔بعض اوقات متضاد الفاظ سے بھی چاشنی پیدا کی جاتی ہے۔ان قصائد میں زیادہ تر فارسی و عربی تراکیب سے جذبات کی ترجمانی کی گئی ہے البتہ کہیں کہیں ہندی الفاظ کی بازگشت بھی سنائی دیتی ہے۔لفظیات کے حوالے سے ان قصائد میں روایات کی پاسداری کے ساتھ نئی تراکیب بھی وضع کی گئی ہیں۔یوں قیام پاکستان کے بعد لکھے جانے والے نعتیہ قصائد کا اسلوب روایت اور جدت کا امتزاج قرار دیا جاسکتا ہے۔

ان قصائد کے حوالے سے یہ بات بھی کہی جاسکتی ہے کہ بعض اوقات کلام میں ایسے الفاظ استعمال کر لیے جاتے ہیں جو شعر کے معنوی پیکر کو مجروح کرتے ہیں اور بعض اوقات ابلاغ کی راہ میں بھی حائل ہوتے ہیں لیکن غیر مانوس الفاظ اور دقیق عربی و فارسی تراکیب کے باوجود مجموعی طور پر کلام میں عشق و وارفتگی کی شدت میں کمی نہیں آتی بلکہ یہ تخلیقی عمل شاعری کا جزو لاینفک بن کر سامنے آتا ہے۔

علاوہ ازیں بیان و بدیع کا عمدہ استعمال نعتیہ قصائد کو ایک منفرد مقام عطا کرتا ہے۔صنعت تلمیح، صنعت تکرار، صنعت مراعات النظیر، صنعت تجنیس، صنعت اشتقاق و شبہ اشتقاق، صنعت لف و نشر اور مثالیہ کے باب میں کہے گئے

اشعار نعتیہ قصائد کے شعرا کی جمالیاتی حس اور فکرِ رسا کے غماز ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ نعتیہ قصائد کو فنی اعتبار سے عصرِ حاضر کے اسلوبِ نعت میں نمایاں مقام حاصل ہے۔

حوالہ جات

۱۔فیروزالدین،فیروز اللغات(لاہور:فیروز سنز،۱۹۷۱ء)،ص۹۴۔

۲۔نورالحسن،نور اللغات(اسلام آباد:نیشنل بک فاؤنڈیشن،۲۰۰۶ء)،ص۳۱۱۔

۳۔عابد علی عابد،اسلوب(مجلسِ ترقی ادب،لاہور،۱۹۹۶ء)،ص۳۶

۴۔نثار احمد فاروقی،"اسلوب کیا ہے" مشمولہ اردو نثر کا اسلوبیاتی مطالعہ،مرتبہ ڈاکٹر عقیلہ جاوید(ملتان:بیکن بکس، ۲۰۱۴ء)،ص۹۔

۵۔طارق سعید،اسلوب اور اسلوبیات(لاہور:نگارشات،۱۹۹۸ء)،ص۱۶۳۔

۶۔عبادت بریلوی،ادب اور ادبی قدریں(لاہور:ادارہ ادب و تنقید،۱۹۸۳ء)،ص۴۷۔

۷۔محمد اشرف کمال،لسانیات اور زبان کی تشکیل(فیصل آباد:مثال پبلی کیشنز،۲۰۱۵ء)،ص۲۰۵۔

۸۔ایضاً،ص۲۰۶۔

۹۔ایضاً،ص۲۰۶۔

۱۰۔ایضاً،ص۲۰۶۔

۱۱۔رابعہ سرفراز،"اسلوب کیا ہے"،مشمولہ اسلوبِ نگارش،مرتبہ ماجد مشتاق رامے(فیصل آباد:روحی بکس،۲۰۱۵ء)،ص۱۴۔

۱۲۔گوپی چند نارنگ،ادبی تنقید اور اسلوبیات(لاہور:سنگِ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۸ء)،ص۱۵۔

۱۳۔ایضاً،ص۱۶۔

۱۴۔ریاض صدیقی،"جدید اسلوبیات" امکانات،شمارہ(اکتوبر تا دسمبر،۲۰۱۰ء)،ص۲۸۔

۱۵۔محمد اشرف کمال،لسانیات اور زبان کی تشکیل،ص۲۰۷۔

۱۶۔حفیظ صدیقی،ابوالاعجاز،تفہیم و تحسینِ شعر(لاہور:سنگت پبلشرز،۲۰۰۶ء)،ص۸۸۔

۱۷۔عابد علی عابد،اسلوب(لاہور:مجلس ترقی ادب،۱۹۹۶ء)،ص:۱۱۰۔

۱۸۔عبدالرحمٰن بجنوری،محاسنِ کلام غالب(فیصل آباد:مثال پبلشرز،۲۰۰۹ء)،ص:۵۵۔

۱۹۔انور جمال،ادبی اصطلاحات(اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن،فروری۲۰۱۵ء)،ص۱۲۹-۱۳۰۔

۲۰۔انور جمال،ادبی اصطلاحات(اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن،فروری۲۰۱۵ء)،ص۱۵۸۔

۲۱۔رشید وارثی،"اردو نعت اور شاعرانہ تعلّی"،نعت رنگ، کتاب نمبر ۳(کراچی،۱۹۹۷ء)،ص:۷۱۔

۲۲۔سہیل عباس بلوچ،ڈاکٹر،بنیادی اردو قواعد (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان،۲۰۱۰ء)،ص:۴۴۷۔

۲۳۔مزمل حسین،اردو میں علم بیان اور علم بدیع کے مباحث،ص۱۳۸۔

۲۴۔ہارون الرشید تبسم،ادبی اصطلاحات،ص۱۰۶۔

۲۵۔انور جمال،ادبی اصطلاحات،ص۱۳۲۔

۲۶۔نجم الغنی رامپوری،بحر الفصاحت(حصہ پنجم)،(لاہور: مجلس ترقی ادب،۲۰۰۲ء)،ص۴۱۔

۲۷۔ہارون الرشید تبسم،ادبی اصطلاحات(جہلم: بک کارنر،۲۰۱۸ء)،ص۱۸۔

۲۸۔ایضاً،ص۱۹۔

۲۹۔ایضاً،ص۱۹۔

۳۰۔ایضاً،ص۲۲،۲۱۔

۳۱۔ایضاً ،ص ۲۴، ۲۷۔

۳۲۔عبدالنعیم عزیزی، اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی(کراچی:ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل،۲۰۰۸ء)،ص: ۵۳۸۔

۳۳۔حفیظ صدیقی،ابوالاعجاز، کشاف تنقیدی اصطلاحات (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵ء)،ص۱۲

۳۴۔ مزمل حسین، اردو میں علم بیان اور علم بدیع کے مباحث (لاہور: مجلس ترقی ادب ، ۲۰۱۰ء)، ص۹۷۔

۳۵۔یوسف حسین خان،اردو غزل(اعظم گڑھ: معارف پریس،۱۹۵۷ء)،ص۱۶۰۔

۳۶۔محمد امین،آسان عروض(ملتان:بیکن بکس،۲۰۰۱ء)،ص۹۲۔

۳۷۔ہارون الرشید تبسم،ادبی اصطلاحات،ص۲۹۔

۳۸۔حفیظ صدیقی، ابوالاعجاز، کشاف تنقیدی اصطلاحات(اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵ء)، ص: ۱۶۸۔

۳۹۔عابد علی عابد، البیان(لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۸۹ء)، ص: ۳۵۷۔

۴۰۔نذیر احمد،اقبال کے صنائع و بدائع(لاہور:آئینۂ ادب،۱۹۶۶ء)،ص:۶۳۔

۴۱۔نجم الغنی رامپوری،بحر الفصاحت،(جلد ششم ہفتم)،مرتبہ سیّد قدرت نقوی(لاہور: مجلس ترقی ادب،۲۰۰۷ء)،ص:۶۸۔

۴۲۔مزمل حسین،اردو میں علم بیان اور علم بدیع کے مباحث،ص۱۴۲۔

۴۳۔ہارون الرشید تبسم،ادبی اصطلاحات ، ص ۵۹۔

۴۴۔نجم الغنی رامپوری،بحر الفصاحت ،ص:۱۴۴۔

۴۵۔حفیظ صدیقی،ابوالاعجاز، کشاف تنقیدی اصطلاحات،ص:۴۷۔

۴۶۔نجم الغنی رامپوری،بحر الفصاحت،ص:۱۸۰۔

۴۷۔رحمت یوسف زئی،اردو شاعری میں صنائع بدائع(تاریخی و تنقیدی مطالعہ)،ص۳۶۶۔

۴۸۔نجم الغنی رامپوری،بحر الفصاحت ، ص: ۲۳۸۔

۴۹۔نذیر احمد،اقبال کے صنائع و بدائع،ص:۱۳۸۔

۵۰۔ایضاً،ص۱۴۱۔

۵۱۔ایضاً،ص:۱۵۶۔

۵۲۔حفیظ صدیقی،ابوالاعجاز، کشاف تنقیدی اصطلاحات،ص:۲۸۸۔

۵۳۔ہارون الرشید تبسم،ادبی اصطلاحات،ص۱۲۴۔

۵۴۔خالد بزمی،سید سادات(لاہور: جاوید ابراہیم،۱۹۹۳ء)،ص۱۵۰-۱۶۳۔

۵۵۔ایضاً۔

۵۶۔ایضاً۔

۵۷۔ایضاً۔

۵۸۔ایضاً۔

۵۹۔ایضاً۔

۶۰۔ایضاً۔

۶۱۔ایضاً۔

۶۲۔ایضاً۔

۶۳۔ایضاً۔

۶۴۔ایضاً۔

۶۵۔ایضاً۔

۶۶۔ایضاً۔

۶۷۔ایضاً۔

۶۸۔ایضاً۔

۶۹۔ایضاً۔

۷۰۔ایضاً۔

۷۱۔ایضاً۔

۷۲۔رفیع الدین ذکی قریشی، مہر فاراں (لاہور: نذیر سنز پبلشرز، ۱۹۹۰ء)، ص ۱۹-۲۳۔

۷۳۔ایضاً۔

۷۴۔ایضاً۔

۷۵۔ایضاً۔

۷۶۔ایضاً۔

۷۷۔ایضاً۔

۷۸۔ایضاً۔

۷۹۔ایضاً۔

۸۰۔ایضاً۔

۸۱۔ایضاً۔

۸۲۔ایضاً۔

۸۳۔ایضاً۔

۸۴۔ایضاً۔

۸۵۔ایضاً۔

۸۶۔ایضاً۔

۸۷۔ایضاً۔

۸۸۔ایضاً۔

۸۹۔ایضاً۔

۹۰۔ایضاً۔

۹۱۔ایضاً۔

۹۲۔ایضاً۔

۹۳۔سرو سہارن پوری، زخم دل (لاہور: المطبعۃ العربیہ، جولائی ۱۹۹۵ء)، ص ۲۹-۴۴۔

۹۴۔ایضاً۔

۹۵۔ایضاً۔

۹۶۔ایضاً۔

۹۷۔ایضاً۔

۹۸۔ایضاً۔

۹۹۔ایضاً۔

۱۰۰۔ایضاً۔

۱۰۱۔ایضاً۔

۱۰۲۔ایضاً۔

۱۰۳۔ایضاً۔

۱۰۴۔ایضاً۔

۱۰۵۔ایضاً۔

۱۰۶۔ایضاً۔

۱۰۷۔ایضاً۔

۱۰۸۔ایضاً۔

۱۰۹۔ایضاً۔

۱۱۰۔ایضاً۔

۱۱۱۔ایضاً۔

۱۱۲۔ایضاً۔

۱۱۳۔ایضاً۔

۱۱۴۔ایضاً۔

۱۱۵۔ایضاً۔

۱۱۶۔ایضاً۔

۱۱۷۔ایضاً۔

۱۱۸۔ایضاً۔

۱۱۹۔ایضاً۔

۱۲۰۔علیم ناصری،طلع البدرؐ علینا(لاہور:مکتبہ قدوسیہ اردو بازار،۱۹۹۹ء)،ص۵۰-۶۵۔

۱۲۱۔ایضاً۔

۱۲۲۔ایضاً۔

۱۲۳۔ایضاً۔

۱۲۴۔ایضاً۔

۱۲۵۔ایضاً۔

۱۲۶۔ایضاً۔

۱۲۷۔ایضاً۔

۱۲۸۔ایضاً۔

۱۲۹۔ایضاً۔

۱۳۰۔ایضاً۔

۱۳۱۔ایضاً۔

۱۳۲۔ایضاً۔

۱۳۳۔ایضاً۔

۱۳۴۔ایضاً۔

۱۳۵۔ایضاً۔

۱۳۶۔ایضاً۔

۱۳۷۔ایضاً۔

۱۳۸۔ایضاً۔

۱۳۹۔ایضاً۔

۱۴۰۔ایضاً۔

۱۴۱۔ایضاً۔

۱۴۲۔ایضاً۔

۱۴۳۔ایضاً۔

۱۴۴۔ایضاً۔

۱۴۵۔ایضاً۔

۱۴۶۔نصیرالدین نصیر،دیں ہمہ اوست(اسلام آباد:مہریہ نصیریہ پبلشرز،۲۰۰۰ء)،ص۵۵-۶۰۔

۱۴۷۔ایضاً۔

۱۴۸۔ایضاً۔

۱۴۹۔ایضاً۔

۱۵۰۔ایضاً۔

۱۵۱۔ایضاً۔

۱۵۲۔ایضاً۔

۱۵۳۔ایضاً۔

۱۵۴۔ایضاً۔

۱۵۵۔ایضاً۔

۱۵۶۔ایضاً۔

۱۵۷۔ایضاً۔

۱۵۸۔ایضاً۔

۱۵۹۔ایضاً۔

۱۶۰۔ایضاً۔

۱۶۱۔ایضاً۔

۱۶۲۔ایضاً۔

۱۶۳۔ایضاً۔

۱۶۴۔ایضاً۔

۱۶۵۔ایضاً۔

۱۶۶۔ایضاً۔

۱۶۷۔ایضاً۔

۱۶۸۔ایضاً۔

۱۶۹۔ایضاً۔

۱۷۰۔ایضاً۔

ماحصل

نعتیہ قصائد کے موضوعاتی واسلوبی مطالعہ سے ایک حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ موضوع تمام شعرا کے پاس ایک ہی ہوتا ہے لیکن جس نے بھی اس موضوع کی روشن کرنوں کو پکڑنے کی کوشش کی۔اس نے اپنے معیار عقیدت سے نیا رنگ پیدا کیا اور محبت کے اس طوفان کو جو دل میں طغیان پیدا کرتا رہا تھا، کاغذ پر اترنے کا راستہ دکھایا تو ایک ایسی نعت وجود میں آگئی جو پڑھنے والوں کے دلوں پر ضرب لگا کر وجد کی کیفیت طاری کر دیتی ہے۔اس سے شاعر کا مزاج آشکار ہوتا ہے۔اس کی روحانی شخصیت سے تعارف ہو جاتا ہے اور نعت حضور نبی اکرمؐ سے شاعر کی محبت اور عقیدت کا پیمانہ بن جاتی ہے۔اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ ہر ایک شاعر کا اپنا اندازِ نعت ہے، یوں جتنے نعت نگار ہیں اتنے ہی نعت گوئی کے زاویے ہیں۔

قصیدہ عربی زبان کا لفظ ہے۔اس کے لغوی معنی سطبر یعنی دل دار گودا اور گاڑھا مغز کے ہیں۔ شاعری کی ایک مخصوص صنف پر اس لفظ کے اطلاق کی وجہ یہ ہے کہ یہ صنف پر شکوہ اور بلند مضامین کے سبب جملہ اصناف سخن میں ایک فوقیت رکھتی ہے اور انسانی جسم میں جو اہمیت مغز سر کو حاصل ہے وہی پیکر شاعری میں قصیدے کی حیثیت ہے۔اسی وجہ سے مغزِ سخن مان کر لفظ قصیدہ سے پکارا گیا۔اردو شاعری میں نعتیہ قصیدہ واحد صنف سخن ہے جس کا تعلق صرف اہل علم سے ہو سکتا ہے۔دوسری کوئی بھی صنف ہو، غزل ہو یا مثنوی، حتیٰ کہ مرثیہ بھی عوام میں پڑھا اور سنایا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ امر خاص قصیدے کے ساتھ منسلک ہے کہ یہ کبھی بھی عوام کے ساتھ منسلک نہیں ہو سکتا۔اسی طرح اگر کوئی اہل علم نہیں ہے، تو اس کے لیے قصیدے کے تفہیم قریب قریب ناممکن ہے۔یہی وجہ ہے کہ کچھ نقادوں کو قصیدے کے تاریخی ارتقا کا صحیح اندازہ نہ ہو سکا تو انہوں نے اسے مردہ صنف سخن قرار دے دیا۔

قصیدے کی ابتدا عربی زبان میں ہوئی۔ عربی شاعری کا بیشتر سرمایہ قصدے پر مشتمل ہے۔ عرب کے دورِ جاہلیت میں قصیدہ نے آنکھیں کھولیں اور ابتدا سے ہی تشبیب کے ساتھ قصیدہ کہا گیا۔ تشبیب زیادہ تر عشقیہ ہوتی تھی۔ جس میں عربی شاعر اپنی محبوباؤں کا ذکر بڑی دلچسپی کے ساتھ پر کشش انداز میں کرتے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں ہی عربی شعرا بادشاہوں اور امرا کی مدح قصیدے میں کرتے تھے اور انعام واکرام حاصل کرتے تھے۔ مہلہل اور امرؤالقیس عربی کے پہلے قصیدہ نگار مانے جاتے ہیں۔ حسان ابن ثابت نے نعتیہ قصائد میں خاص طور سے شہرت حاصل کی۔ عربی قصیدہ نگاری میں متنبی کا ایک اہم مقام ہے۔ عرب میں زمانہ جاہلیت میں ہی محفل مقاصدہ کی ابتداء ہوئی جس سے اس صنف کو مزید ترقی حاصل ہوئی۔

عربی سے یہ قصیدہ آگے بڑھا تو فارسی تک پہنچا۔اس کی فارسی میں باقاعدہ ابتدا دوسری صدی ہجری سے ہوئی۔ رودکی فارسی کا پہلا قصیدہ نگار مانا جاتا ہے۔ وہ فارسی میں آدم الشعراء ہے۔ مختلف منازل سے گزرتا ہوا فارسی قصیدے کا سب

سے کامیاب دور خاقانی اور انوری کا دور رہا۔ شیخ سعدی نے بھی قصیدے کہے لیکن اس میں ان کو وہ مقام نہ حاصل ہو سکا جو غزل میں حاصل ہوا۔

ہندوستان میں بھی فارسی میں قصیدے کہے گئے جس میں سب سے اہم نام عرفی کا ہے۔ اس کے علاوہ غالب نے بھی قصیدے کہے ہیں۔ اردو میں قصیدہ عربی کے بجائے فارسی کے ذریعے داخل ہوا۔ سلطان محمد قلی قطب شاہ نے قصیدے کو خاص طور پر اپنایا۔ اردو میں قصیدے کی ابتدا مدح رسولؐ کے ساتھ ہوئی۔ سلطان محمد قلی قطب شاہ کے علاوہ سلطان محمد قطب شاہ ظل اللہ اور سلطان عبداللہ قطب شاہ نے بھی قصائد کہے۔ ولی دکنی کے تمام قصائد مذہبی ہیں۔ غواصی اردو میں پہلا شاعر ہے جس نے درباری قصیدے کہے۔ نصرتی کو رزمیہ قصیدے کا موجد سمجھا جاتا ہے۔ اردو شاعری میں قصیدے کا تابناک دور سودا سے شروع ہوتا ہے۔ سودا نے مذہبی اور درباری دونوں قصیدے کہے۔ رنگین نے اردو کے علاوہ ریختی میں بھی قصیدہ کہا جسے قصیدی کہا جس کا موجد بھی رنگین ہی ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ اردو قصیدہ جس کی ابتدا مذہبی قصیدے سے ہوئی تھی اسے درباروں میں ضرور جگہ ملی بلکہ درباروں پر چھایا رہا اور شہرت بھی ملی۔ لیکن ساتھ ہی مذہبی قصائد میں بھی کسی طرح کی کمی نہیں آئی۔ بلکہ اکثر ایسا ہوا کہ ان کی تعداد زیادہ ہو گئی۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ اگر اظہار عقیدت کا ذریعہ مرثیہ نہ بنا ہوتا تو یقیناً مذہبی قصائد کا پلہ بہت بھاری رہتا۔ دراصل دورِ غلامی نے ذہنوں کو درباروں سے اس طرح وابستہ کر دیا تھا کہ لوگ یہ بھول گئے کہ بادشاہ یا امرا سے الگ ہٹ کر بھی کسان اور ہل کی تعریف کی جا سکتی ہے۔ آج اگر قصیدہ زندہ ہے تو صرف نعت کی صورت میں زندہ ہے۔

نعتیہ قصیدہ محراب فکر میں نماز شعر ادا کرنے کا نام ہے۔ یہاں طہارت، پاکیزگی، تقدس الفاظ کے سامنے صف بستہ رہتے ہیں۔ یہاں ابتذال سفلگی اور سوقیانہ پن برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آج قصیدہ دربار کے ریشمی پنجوں سے آزاد ہو کر بارگاہِ نبوتؐ کی عظمتوں کا نقیب و امین ہے۔ آج بھی قصائد کی محفلیں سجتی ہیں۔ ان محفلوں میں انوار کی بارش ہوتی ہے۔ ان محفلوں میں سیم و زر کی چکا چوند نہیں بلکہ ایمان و عقیدہ بصیرتِ فکر عطا کرتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ دورِ حاضر کے وہی شعرا قصیدے کے ساتھ انصاف کر سکتے ہیں جن کے دل میں محبت رسولؐ جگمگا رہی ہے اور ان کے پاس رشد و ہدایت کا خزینہ پہنچا ہے۔

علمائے فن شاعری نے تمہیدیہ قصیدے کے چار اہم اجزا بیان کیے ہیں۔ یعنی تشبیب، گریز، مدح اور خاتمہ۔ ان اجزا میں تشبیب قصیدہ کا سب سے پہلا جز ہے۔ اس سے قصیدے کا آغاز ہوتا ہے۔ انسان کسی کی تعریف اچانک شروع کرے اور اپنی بات اک دم بیان کرنے لگے تو یہ کچھ عجیب سا لگتا ہے۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ کسی سے اپنا مدعا بیان کرنے سے قبل اس کی خوبیاں بیان کرتا ہے تاکہ اس کی نظر میں اچھا مقام اور دل میں نرم گوشہ پیدا کر سکے۔ اس تعریفی بیان کو بھی مخاطب

کرتے ہی شروع نہیں کیا جاتا اس کے لیے بھی ایک تمہید باندھنی پڑتی ہے۔اس تمہید کا نام نسیب ہے۔ بہر حال ممدوح کو اپنی جانب متوجہ کرنے کے لیے یہ اشعار کہے جاتے ہیں۔

تشبیب کے اشعار کی تعداد مدح کے اشعار سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے کیونکہ قصیدے میں اصلی مقصد مدح ہوتا ہے۔ تشبیب کے بعد قصیدہ کا دوسرا جز گریز کہلاتا ہے۔ گریز ایک ایسی کڑی کا نام ہے کہ جو تشبیب اور مدح کے حصے کو ملانے کا کام کرتی ہے۔ لیکن اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ اشعار اس انداز سے نہ کہے گئے ہوں کہ جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ کام ارادتاً کیا گیا ہے۔ اس میں ایک فطری پن ہونا چاہیے۔ اس سے قاری کو یہ محسوس ہونا چاہیے کہ جیسے خود ہی بات میں سے بات نکل رہی ہے۔ مدح اور تشبیب کو ایسے جوڑیں کہ بیچ میں خلا محسوس نہ ہو اور نہ ہی بے ربطی کا احساس ہو۔ جو گریز ان خامیوں سے پاک ہو گی وہی کامیاب گریز ہو گی۔ گریز ایک منطقی ربط پیدا کرنے کا نام ہے۔ اس کے لیے خاص فنی مہارت اور قادر الکلامی کی ضرورت ہے۔ اگر اجزا کا باہمی ربط مضبوط نہ ہو تو قصیدہ کی کڑیاں بکھر جاتی ہیں۔

گریز کے بعد شاعر اپنے اصل مقصد کی جانب آتا ہے۔ یعنی مدح کی طرف آتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ قصیدہ کی اصل عمارت مدح ہے۔ تشبیب اور گریز اس مدح کے لیے وہ بنیاد فراہم کرتے ہیں جن پر مدح کی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ ایک مضبوط عمارت کے لیے ضروری ہے کہ اس کی بنیادیں مضبوط ہوں۔ لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ اصل عمارت زیادہ سے زیادہ شان و شوکت والی ہو۔ اس میں ممدوح کے فضائل، کمالات، خوبیاں، صفات، کارنامے، عزت و وقار، شان و شوکت اور اس کی عظمت و رفعت کا بیان ہوتا ہے۔ اس میں الفاظ کی بھی شان و شوکت پر شاعر پورا زور دیتا ہے اور زور بیان کا بھی پورا خیال رکھتا ہے۔ مدح میں حفظِ مراتب کا بھی خاص طور سے خیال رکھا جاتا ہے۔

مدح کے حصے میں نہ صرف ممدوح کی ذات تک ہی ذکر محدود رہتا ہے بلکہ شاعر ممدوح سے تعلق رکھنے والی دوسری چیزوں کی بھی تعریف کرتا ہے۔ قصیدے کا آخری جزو خاتمہ ہے۔ اس میں قصیدہ نگار اپنے خیالات بیان کرتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اپنا مطلب و مدعا بیان کرتا ہے۔ اس طرح اس جزو میں اظہار طلب اور اس کے ساتھ کچھ دعائیہ کلمات ہوتے ہیں۔

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ دنیا کا بڑے سے بڑا شاعر اس ذات مقدسہ ؐ کی مدح کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ دعویٰ بجا طور پر کر سکتا ہے کہ اس نے بساط بھر مداحی کے شرف اپنے آپ کو ممتاز بنانا چاہا ہے۔ دوسرے باب میں آپ ؐ کی سیرت کے اجزا کے عنوان کے تحت رحمت و رافت، رشد و ہدایت، نیلی و راست بازی، صدق و صفا، محبت و اخوت، اتحاد و یکجہتی، فقر و سادگی، عدل و مساوات، عجز و نیاز، امانت و دیانت، زہد و تقوی، سخاوت و قناعت، صبر و رضا، تعلیم و تعلم، علم و حکمت اور حسن عمل کا جائزہ لیا گیا۔ حضور ؐ کی آمد سے قبل دنیا کی حالت کا ذکر کیا گیا کہ پوری دنیا کم و بیش ہر اعتبار سے گھٹا

ٹوپ تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی، روشنی کی کسی کرن کے لیے ترس رہی تھی۔ چوں کہ رب العالمین کو ایک وجودِ ذی جود کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجنا مقصود تھا۔ رسول پاکؐ کی تشریف آوری اس کائنات کا ایک ایسا عظیم واقعہ ہے جو اپنے دور ہی کے لیے نہیں بلکہ ہر دور کے لیے انقلاب آفرین ثابت ہوا کہ آپؐ ہی وجہِ وجودِ کائنات ہیں۔ نعتیہ قصائد میں سیرت نبیؐ کا تیسرا اہم موضوع انقلابِ عظیم ہے کہ سرورِ کون و مکاں ﷺ نے اپنے عملِ حسین سے اخلاق کے جواہر پارے لٹائے جن میں دائمی تحریم و تکریم اور مثالی اخلاقی اقدار کی رعنائیاں ہیں۔ نشر توحید کے عنوان کے تحت تبلیغ اسلام کے مقصد کے لیے حضورؐ نے جو کوششیں کیں اور جن مصائب و آلام کا سامنا کیا، ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ رحمت و رافت سیرت نبیؐ کا اہم جزو ہے کہ اس سے دنیا کا ہر ادنیٰ و اعلیٰ، گورا و کالا، دوست و دشمن، حتیٰ کہ جانور بھی مستفیض ہوئے۔

خلقِ عظیم کے عنوان کے تحت اس حقیقت کا ذکر کیا گیا کہ پیغمبرِ اسلامؐ کو اپنی لازوال کوششوں، اپنی روزمرہ زندگی ،اپنے افعال اور اپنے پیغمبرانہ اعجاز سے اخلاقِ عالیہ کی تکمیل کے لیے مامور کیا گیا تھا، آپؐ کو اخلاقِ مروجّہ کی تشہیر کے لیے نہیں بھیجا گیا تھا بلکہ آپؐ کو ان اخلاقِ عالیہ اور اخلاقِ حسنہ کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا تھا جو آپؐ کی بعثت سے قبل مفقود تھے۔ عدل و مساوات کے عنوان کے تحت شعرائے کرام نے صفات نبیؐ کا ذکر کیا کہ آپؐ کی نظر میں امیر و غریب، صغیر و کبیر، آقا و غلام سب برابر تھے۔

اس کے علاوہ فقر و غنا، علم و دانش، حسن و جمال، شجاعت، جود و سخا اور معجزات کے عنوانات کے تحت نعتیہ قصائد کا جائزہ لیا گیا۔ اس سلسلے میں منتخب قصائد کا جائزہ لیا گیا جن میں آرزو اکبر آبادی، اعظم چشتی، انور جمال، نصیر الدین نصیر، جعفر بلوچ، حافظ لدھیانوی، رشید وارثی، سید محمد یوسف علی، سید نظر زیدی، شہاب دہلوی، صبا اکبر آبادی، ضیا نیئر، عبد العزیز، عزیز فیضانی، فدا خالد دہلوی، فدا فضل دین کھیم کرنی، محمد ذکی کیفی، مظہر الدین مظہر اور وقار صدیقی کے نعتیہ قصائد شامل ہیں۔

باب سوم میں نعتیہ قصائد میں دعا و مناجات کا جائزہ لیا گیا۔ نعتیہ قصیدہ میں ممدوح کی ذات رحمت للعالمین ہے۔ اس در سے جو بھی مانگا جائے ملتا ہے۔ اس لیے شاعر اپنی فہم و فراست کا اظہار کرتا ہے اور جو اس کے ذہن رسا میں آئے مانگتا ہے۔ یہاں شاعر نہ صرف اپنی ذات کے لیے دعا کرتا ہے بلکہ پوری امت مسلمہ کی خیر و برکت کا طلب گار ہوتا ہے۔

قیام پاکستان کے بعد تحریر ہونے والے نعتیہ قصائد میں دعا و مناجات کے حوالے سے عمومی طور پر دو طرح کے رجحانات پائے جاتے ہیں۔ پہلا رجحان یہ ہے کہ شاعر روایتی مضامین و موضوعات بیان کرتا ہے۔ اس میں شاعر حضور اکرمؐ سے عقیدت و محبت کا اظہار کرتا ہے، مدینہ طیبہ کی تعریف و توصیف کرتا ہے اور وہاں تک رسائی کے لیے وسائل و سہولت کا طلب گار ہوتا ہے۔ دوسرا رجحان دور حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ اس میں شاعر انفرادی و اجتماعی مصائب و مسائل میں آقاؐ کے دامن کرم میں پناہ ڈھونڈنے کی خواہش اور سیرت پاکؐ سے استفادے کی اہمیت کے موضوعات کو اپناتا

ہے۔اس سلسلے میں انجم نیازی، خالد بزمی، سرو سہارن پوری، سید نظر زیدی، مظہر الدین مظہر، سجاد سخن، شاعر علی شاعر، وقار صدیقی، فدا فضل دین، اثر زبیری، ضیا نیئر، انور جمال، رشید وارثی، نصیر الدین نصیر، حفیظ تائب، جعفر بلوچ، درد کاکوروی اور عزیز فیضانی کے نعتیہ قصائد کا منتخب مطالعہ کیا گیا۔

باب چہارم میں نعتیہ قصائد میں فنی خصوصیات کا جائزہ لیا گیا۔اس سلسلے میں زبان و بیان کی چاشنی، بے ساختگی، چستی بندش، تراکیب کا تنوع، دیگر زبانوں کے اثرات، شکوہ الفاظ، غنایت، اختلال حواس، تخلص کا استعمال، مختلف اقسام کے حروف کا استعمال، القابات، علامت نگاری، محاکات نگاری، شاعرانہ تعلی، استفہامیہ لہجہ، محاورات کا استعمال اور سہل ممتنع کے حوالے سے فنی خصوصیات کا جائزہ لیا گیا۔اس کے بعد علم بیان کی چاروں جہات تشبیہ، استعارہ، مجاز مرسل اور کنایہ کے حوالے سے تفصیلی مطالعہ کیا گیا۔صنائع لفظی میں تجنیس، اشتقاق، شبہ اشتقاق، صنعت قلب، رد العجز علی الصدر، قطار البعیر، سیاق الاعداد، تنسیق الصفات، تلمیح اور صنعت تکرار کے تحت جائزہ لیا گیا۔صنائع معنوی میں صنعت تضاد، مراعات النظیر، صنعت لف و نشر، صنعت جمع، صنعت تقسیم، حسن تعلیل، عکس اور مثالیہ کے تحت منتخب قصائد کا جائزہ لیا گیا۔

منتخب پانچ قصائد خالد بزمی، رفیع الدین ذکی قریشی، سرو سہارن پوری، علیم ناصری اور نصیر الدین نصیر کے قصائد پر مشتمل ہیں۔یہ انتخاب قصیدہ کی ہیئت میں نعتیہ شاعری کے حوالے سے فنی رجحان کے نمائندہ قصائد قرار دیے جا سکتے ہیں۔ ان قصائد کا شعری اسلوب سادگی، سلاست، روانی، بے ساختگی، زورِ بیان اور سوز و گداز سے متصف ہے۔ان قصائد کی اہم خوبی یہ ہے کہ ان میں جذباتیت کا عنصر نہ ہونے کے برابر ہے۔ان کے ہاں جذباتیت کے برعکس سوز و گداز کا عنصر ضرور موجود ہوتا ہے۔یہ عنصر بعض اوقات حقیقت نگاری کے باعث پھیکا پڑتا محسوس ہوتا ہے۔نعتیہ قصائد میں موجود لفظی نظام، روزمرہ، مترادفات اور محاورات سے عبارت ہے۔بعض اوقات متضاد الفاظ سے بھی چاشنی پیدا کی جاتی ہے۔ان قصائد میں زیادہ تر فارسی و عربی تراکیب سے جذبات کی ترجمانی کی گئی ہے البتہ کہیں کہیں ہندی الفاظ کی بازگشت بھی سنائی دیتی ہے۔ لفظیات کے حوالے سے ان قصائد میں روایات کی پاسداری کے ساتھ نئی تراکیب بھی وضع کی گئی ہیں۔یوں قیام پاکستان کے بعد لکھے جانے والے نعتیہ قصائد کا اسلوب روایت اور جدت کا امتزاج قرار دیا جا سکتا ہے۔

نعتیہ قصائد کا مجموعی جائزہ لیتے ہوئے ایک بات خاص طور پر کہی جا سکتی ہے کہ قیام پاکستان کے بعد شعرائے کرام نے بیک وقت فکر و ذہن کی اصلاح، معاشرے کی درستگی، اخلاقیات کو سنوارنے کی سعی مشکور اور ان تمام باتوں کے ساتھ شعر کی فنی نزاکتوں کا خیال رکھتے ہوئے حق مدح رسالت مآبؐ ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔ان میں ترکیبیں چست و درست، دورِ حاضر کے محاورے اس طرح استعمال کیے گئے ہیں کہ روزمرہ کے قریب تر محسوس ہوتے ہیں۔ان سب باتوں کے ساتھ بیشتر قصائد میں علم بدیع و بیان کی روشنی میں صناعی کے خوبصورت نمونے دکھائی دیتے ہیں۔قصیدہ گو شعرا کے

ہاں اس امر کا واضح احساس نظر آتا ہے کہ وہ استعارے کی نزاکتوں سے باخبر ہیں اور اسی وجہ سے ان کے ہاں تلازماتِ شعری پوری توانائی کے ساتھ ملتے ہیں۔

قصائد میں تلمیحات کا باقاعدہ استعمال نظر آتا ہے۔ اپنے مختلف پہلوؤں سے یہ دور حاضر کے بین الاقوامی معاملات کا مرقع ظاہر ہوتے ہیں۔ اکثر اشعار کو عصری معنویت کا پیکر بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔ یہ الفاظ کی مضمون آفرینی نہیں ہے بلکہ دورِ حاضر کی تلخ حقیقتیں ہیں جو لفظی لباس میں سامنے آجاتی ہیں۔ ان کو دیکھ کر یہ خیال بھی گزرتا ہے کہ آج کا سماج اور مغرب زدہ سوسائٹی دنیا کو بارود کے ڈھیر پر بٹھانے میں کامیاب ہو رہی ہے۔

کتابیات

بنیادی مآخذ:

اردو کتب:

1. اثر زبیری لکھنوی۔سلسبیل۔ کراچی اعجاز پبلشرز، س ن۔
2. اثر لدھیانوی۔عکس جمال۔ گوجرانوالہ: یوسفی برادرز،۱۹۸۶ء۔
3. اعظم چشتی۔کلیات اعظم۔لاہور: خزینہ علم وادب،۲۰۰۰ء۔
4. انجم نیازی۔کوئی سورج تیرے جیسا نہیں ہے۔کراچی: مکتبہ الفقیر،۲۰۱۰ء۔
5. انور جمال۔ لا لوک لما۔ملتان :کاروانِ ادب، ۱۹۸۴ء۔
6. انور جمال۔حسنت جمیع خصالہ۔ملتان:بیکن بکس،۲۰۰۰ء۔
7. آرزو اکبرآبادی تبریزی۔کیف مسلسل۔کراچی: مکتبہ سہیل لالوکھیت،۱۹۵۷ء۔
8. جعفر بلوچ، بیعت۔ لاہور: الفیصل ، اردو بازار، ۱۹۸۹ء۔
9. حافظ عبدالغفار۔ قصیدہ رسول تہامیؐ ۔کراچی: انجمن ترقی نعت، ۱۹۸۸ء۔
10. حافظ لدھیانوی۔ کیف مسلسل۔ فیصل آباد: بیت الادب، ۱۹۸۹ء۔
11. حافظ لدھیانوی۔ مطلع فاراں ۔ فیصل آباد: بیت الادب، ۱۹۸۷ء۔
12. حفیظ تائب۔صلو علیہ و آلہ۔ لاہور: سیرت مشن پاکستان، ۱۹۷۸ء۔
13. خالد احمد۔ تشبیب۔لاہور: التحریر، ۱۹۸۴ء۔
14. خالد بزمی۔سید سادات۔لاہور: جاوید ابراہیم،۱۹۹۳ء۔
15. درد کاکوروی۔درد کا درماں۔کراچی: ایجوکیشنل پریس،۱۹۷۶ء۔
16. رشید وارثی۔خوشبوئے التفات۔ کراچی : بزم وارث،۲۰۰۴ء۔
17. رفیع الدین ذکی قریشی۔مہر فاراں۔لاہور: نذیر سنز پبلشرز،۱۹۹۰ء۔
18. رئیس نعمانی۔چراغ نو ۔علی گڑھ: محمد ارشد، لوکو کالونی، ۲۰۰۰ء۔
19. سجاد سخن۔رنگ روشنی خوشبو۔کراچی: دبستان وارثیہ،۱۹۹۵ء۔
20. سرو سہارن پوری۔زخم دل۔لاہور: المطبعۃ العربیہ، جولائی ۱۹۹۵ء۔
21. سید محمد یوسف علی۔نغمہ عندلیب۔کراچی: شعبہ نشر و اشاعت حضرت خواجہ عزیز الاولیاء سلیمانی ٹرسٹ، ۱۴۱۹ھ۔

بنیادی مآخذ:

اردو کتب:

1. اثر زبیری لکھنوی۔سلسبیل۔کراچی اعجاز پبلشرز، س ن۔
2. اثر لدھیانوی۔عکس جمال۔گوجرانوالہ: یوسفی برادرز، ۱۹۸۶ء۔
3. اعظم چشتی۔کلیات اعظم۔لاہور: خزینہ علم وادب، ۲۰۰۰ء۔
4. انجم نیازی۔کوئی سورج تیرے جیسا نہیں ہے۔کراچی: مکتبہ الفقیر، ۲۰۱۰ء۔
5. انور جمال۔ لا لوک لما۔ملتان :کاروانِ ادب، ۱۹۸۴ء۔
6. انور جمال۔حسنت جمیع خصالہ۔ملتان:بیکن بکس، ۲۰۰۰ء۔
7. آرزو اکبرآبادی تبریزی۔کیف مسلسل۔کراچی: مکتبہ سہیل لالوکھیت، ۱۹۵۷ء۔
8. جعفر بلوچ، بیعت۔ لاہور: الفیصل ، اردو بازار، ۱۹۸۹ء۔
9. حافظ عبدالغفار۔ قصیدہ رسول تہامیؐ ۔کراچی: انجمن ترقی نعت، ۱۹۸۸ء۔
10. حافظ لدھیانوی۔کیف مسلسل۔ فیصل آباد: بیت الادب، ۱۹۸۹ء۔
11. حافظ لدھیانوی۔ مطلع فاراں ۔ فیصل آباد: بیت الادب، ۱۹۸۷ء۔
12. حفیظ تائب۔صلو علیہ و آلہ۔ لاہور: سیرت مشن پاکستان، ۱۹۷۸ء۔
13. خالد احمد۔ تشبیب۔لاہور: التحریر، ۱۹۸۴ء۔
14. خالد بزمی۔سید سادات۔لاہور: جاوید ابراہیم، ۱۹۹۳ء۔
15. درد کاکوروی۔درد کا درماں۔کراچی: ایجوکیشنل پریس، ۱۹۷۶ء۔
16. رشید وارثی۔خوشبوئے التفات۔ کراچی : بزم وارث، ۲۰۰۴ء۔
17. رفیع الدین ذکی قریشی۔مہر فاراں۔لاہور: نذیر سنز پبلشرز، ۱۹۹۰ء۔
18. رئیس نعمانی۔چراغ نو ۔علی گڑھ: محمد ارشد، لوکو کالونی، ۲۰۰۰ء۔
19. سجاد سخن۔رنگ روشنی خوشبو۔کراچی: دبستان وارثیہ، ۱۹۹۵ء۔
20. سرو سہارن پوری۔زخم دل۔لاہور: المطبعۃ العربیہ، جولائی ۱۹۹۵ء۔
21. سید محمد یوسف علی۔نغمہ عندلیب۔کراچی: شعبہ نشر و اشاعت حضرت خواجہ عزیز الاولیاء سلیمانی ٹرسٹ، ۱۴۱۹ھ۔

.22 سید نظر زیدی۔نوراً علی نور۔لاہور: صبح صادق پبلی کیشنز،۱۹۹۶ء۔

.23 شہاب دہلوی۔موج نور۔بہاولپور: مکتبہ الہام،ماڈل ٹاؤن اے،۱۹۷۴ء۔

.24 صبا اکبر آبادی۔دست دعا۔کراچی: جہانِ حمد پبلی کیشنز،۲۰۰۳ء۔

.25 ضیاء نیئر۔ سفر نور۔ لاہور: المدینہ پبلی کیشنز، ۱۹۷۷ء۔

.26 طاہر صدیقی۔اعزاز حضوریؐ۔فیصل آباد،وزڈم پوائنٹ،۲۰۱۲ء۔

.27 ظفر شارب۔کاسہ فکر ۔لاہور: علی محتشم، س ن۔

.28 عابد نظامی۔فیضان کرم۔ لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۱۹۸۳ء۔

.29 عبدالعزیز خالد۔منحمنا۔لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز،۱۹۷۵ء۔

.30 عبدالعزیز خالد۔فارقلیط۔لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز،۱۹۸۵ء۔

.31 عزیز فیضانی۔متاع عزیز۔ایبٹ آباد: فیضانی ملی لائبریری، س ن۔

.32 علیم ناصری۔طلع البدرؐ علینا۔لاہور: مکتبہ قدوسیہ اردو بازار،۱۹۹۹ء۔

.33 فدا خالدی۔ م ص۔کراچی : اشتیاق پرنٹنگ پریس، ۱۹۸۳ء۔

.34 فدا کھیم کرنی۔ حدیث ایماں ۔لاہور: ناشرانِ پسرانِ شاعر، ۱۹۸۹ء۔

.35 قیصر بارہوی۔ بارگاہ۔ لاہور: بارہوی گولڈن جوبلی آرگنائزیشن، ۱۹۹۲ء۔

.36 محمد ذکی کیفی۔کیفیات۔لاہور: ادارہ اسلامیات، ۱۹۷۷ء۔

.37 محمد شرف الدین البوصیریؒ۔ قصیدہ بردہ شریف ،منظوم اردو ترجمہ محمد فیاض الدین نظامی۔ لاہور: الفاروق بک فاؤنڈیشن، ۱۹۹۹ء۔

.38 محمد مظہر الدین مظہر۔کلیات مظہر۔لاہور: ارفع پبلشرز،۲۰۱۳ء۔

.39 میر افق کاظمی۔ فروغِ محامد ۔ملتان: ناشر مصنف خود، ۱۹۶۶ء۔

.40 نصیر الدین نصیر۔ دیں ہمہ اوست۔گولڑہ شریف: مہریہ نصیریہ پبلشرز، ۲۰۰۰ء۔

.41 نعیم تقوی۔بصیرت۔کراچی: مجلس افکار اسلامی، ۱۹۷۸ء۔

.42 نفیس فتح پوری۔ افکارنفیس ۔کراچی: ناظر پرنٹنگ پریس، ۱۹۷۷ء۔

.43 وقار صدیقی اجمیری۔حرف حرف خوشبو۔کراچی: فرید پبلشرز،۱۹۹۸ء۔

رسائل و جرائد:

44. شاعر علی شاعر۔ "محسنِ انسانیت۔" مشمولہ فروغِ نعت، شمارہ ۱۸ (اکتوبر ۲۰۱۷ء): ص ۸-۱۷۔

ثانوی مآخذ:

اردو کتب:

45. ام ہانی اشرف۔ اردو قصائد کا سماجیاتی مطالعہ۔ علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۹۹ء۔

46. انور جمال۔ ادبی اصطلاحات۔ اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، فروری ۲۰۱۵ء۔

47. تنویر حسین۔ اصناف ادب اردو۔ لاہور: اورینٹ پبلشرز، ۱۹۹۳ء۔

48. حسین سحر۔ خالد۔ شخص و شاعر۔ لاہور: آئینہ ادب، ۱۹۷۶ء۔

49. حفیظ صدیقی، ابوالاعجاز۔ تفہیم و تحسینِ شعر۔ لاہور: سنگت پبلشرز، ۲۰۰۶ء۔

50. حفیظ صدیقی، ابوالاعجاز۔ کشاف تنقیدی اصطلاحات۔ اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵ء۔

51. رابعہ سرفراز۔ "اسلوب کیا ہے۔" مشمولہ اسلوبِ نگارش، مرتبہ ماجد مشتاق راے۔ فیصل آباد: روحی بکس، ۲۰۱۵ء۔

52. رفیع الدین ہاشمی۔ اصناف ادب۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء۔

53. سہیل عباس بلوچ۔ بنیادی اردو قواعد۔ اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۱۰ء۔

54. شمیم احمد۔ اصناف سخن اور شعری ہیئتیں۔ لاہور: مکتبہ عالیہ، ۱۹۸۳ء۔

55. شیر محمد زمان چشتی۔ نقوشِ سیرت۔ لاہور: پروگریسو بکس، ۲۰۰۷ء۔

56. طارق سعید۔ اسلوب اور اسلوبیات۔ لاہور: نگارشات، ۱۹۹۸ء۔

57. عابد علی عابد۔ اصول انتقادِ ادبیات۔ لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۶ء۔

58. عابد علی عابد۔ البیان۔ لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۸۹ء۔

59. عابد علی عابد۔ اسلوب۔ مجلسِ ترقی ادب، لاہور، ۱۹۹۶ء۔

60. عبادت بریلوی۔ ادب اور ادبی قدریں۔ لاہور: ادارہ ادب و تنقید، ۱۹۸۳ء۔

61. عبدالرحمٰن بجنوری۔ محاسنِ کلام غالب۔ فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۰۹ء۔

62. عبدالسلام ندوی۔ شعر الہند (جلد دوم)۔ لاہور: عشرت پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۶۵ء۔

.63 عبدالنعیم عزیزی۔اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی۔کراچی:ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹر نیشنل، ۲۰۰۸ء۔

.64 عزیز احسن۔اردو نعت اور جدید اسلوب۔کراچی: فضلی سنز،۱۹۹۸ء۔

.65 عزیز لکھنوی۔ صحیفہ ولا۔ لکھنؤ: صدیق بک ڈپو، س ن۔

.66 قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ۔"مہر نبوت۔" مشمولہ تجلیات نبوت،مرتبہ مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری۔لاہور: دارالسلام،۲۰۱۰ء۔

.67 گوپی چند نارنگ۔ادبی تنقید اور اسلوبیات۔لاہور:سنگِ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۸ء۔

.68 گوہر ملسیانی۔عصر حاضر کے نعت گو۔صادق آباد: گوہر ادب پبلی کیشنز،۱۹۸۳ء۔

.69 گوہر ملسیانی۔سیرت ہادی برحق ﷺ۔لاہور: علم و عرفان ۲۰۰۵ء۔

.70 گیان چند جین۔ادبی اصناف۔گجرات:اردو اکادمی،۱۹۸۹ء۔

.71 محمد اشرف کمال۔لسانیات اور زبان کی تشکیل۔فیصل آباد: مثال پبلی کیشنز،۲۰۱۵ء۔

.72 محمد امین۔آسان عروض۔ملتان:بیکن بکس،۲۰۰۱ء۔

.73 محمد نجف علی خان۔احسن القواعد۔دہلی: مطبع مجتبائی، س ن۔

.74 محمود الہیٰ۔اردو قصیدہ نگاری کا تنقیدی جائزہ۔لکھنؤ:اترپردیش اردو اکادمی،۱۹۸۳ء۔

.75 نثار احمد فاروقی۔"اسلوب کیا ہے۔"مشمولہ اردو نثر کا اسلوبیاتی مطالعہ،مرتبہ ڈاکٹر عقیلہ جاوید۔ملتان: بیکن بکس،۲۰۱۴ء۔

.76 ہارون الرشید تبسم۔ادبی اصطلاحات۔جہلم: بک کارنر،۲۰۱۸ء۔

.77 یوسف حسین خان۔اردو غزل۔اعظم گڑھ: معارف پریس،۱۹۵۷ء۔

رسائل و جرائد

.78 صابر کلوروی۔"اردو قصیدہ نگاری کا ارتقا۔"خیابان،شمارہ ۱۳ (۲۰۰۱ء): ص ۳۱-۴۴۔

.79 عبدالعزیز خالد۔"نعت و نام رسول تہامیؐ"سیارہ ، شمارہ ۳۱(۱۹۹۱ء): ص ۳۴-۳۷۔

.80 محمد انوار الحق۔"اوصافِ رسول۔"نقوش،رسول نمبر ۴،شمارہ ۱۳۰(۱۹۸۳ء):ص ۱۶۵-۱۷۸۔

.81 ریاض حسین شاہ۔"نعت کیا ہے؟"نعت ماہنامہ لاہور، (فروری ۱۹۸۸ء): ص ۲۶-۴۲۔

.82 ریاض صدیقی۔"جدید اسلوبیات۔"امکانات،شمارہ(اکتوبر تا دسمبر،۲۰۱۰ء):ص ۲۴-۴۰۔

.83 رشید وارثی۔"اردو نعت اور شاعرانہ تعلّی۔"نعت رنگ، کتاب نمبر ۴ (۱۹۹۷ء):ص:۶۷-۸۱۔

لغات/انسائیکوپیڈیا

.84 عبدالحفیظ بلیاوی۔المنجد۔کراچی: دارالاشاعت،۲۰۰۹ء۔

.85 سید احمد دہلوی۔فرہنگ آصفیہ جلد چہارم۔لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۲ء۔

.86 فیروزالدین۔فیروز اللغات۔لاہور: فیروز سنز،۱۹۷۱ء۔

.87 نورالحسن۔نور اللغات۔اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن،۲۰۰۶ء۔

مقالہ جات

.88 سعادت سعید۔"اردو قصیدہ کا تہذیبی و فنی مطالعہ۔"مقالہ برائے پی ایچ ڈی اردو، پنجاب یونی ورسٹی،لاہور، س ن۔

ویب گاہیں

.89 اردو لغت بورڈ۔ویب گاہ: Time 9:05 AM, Date 02-02-2020